ماہنامہ
حجاب
کراچی

Hijab Digest July 2018

ماہنامہ حجاب کراچی

بیاد
زیب النساء
فرحت آراء

مدیر اعلیٰ
مشتاق احمد قریشی

مدیرہ
قیصر آراء

نائب مدیرہ
سعیدہ نثار

معاون مدیر
نازضوان ارشان عبداللہ

گروپ ایڈیٹر
طاہر احمد قریشی

جلد	03
شمارہ	09
جولائی	2018

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk
aanchalpk.com

ابتدائیہ

ذکر اس پری وش کا

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن / ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021085620773 ای میل: Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL
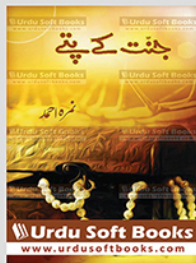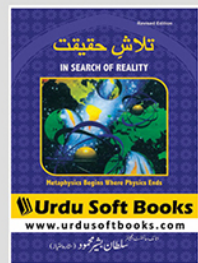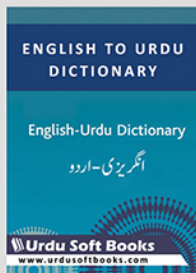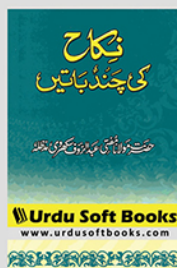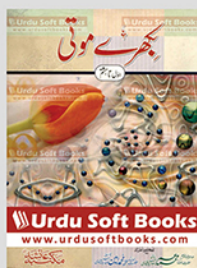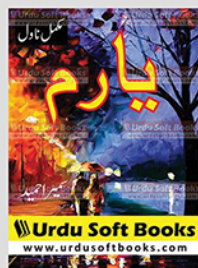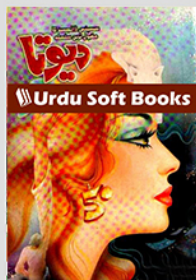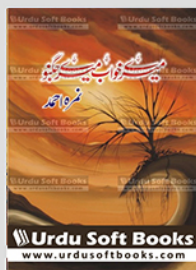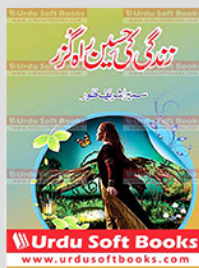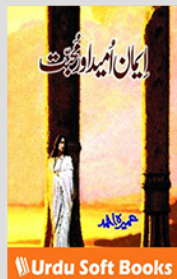
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جولائی ۲۰۱۸ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

میں اور میرے ساتھی آپ قاری بہنوں کے شکر گزار ہیں کہ آپ ہمیشہ ہماری حوصلہ افزائی کرتی ہیں' میری اور تمام ساتھیوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ ہم ایمان داری اور دیانت سے بھرپور لگن ومحنت سے آپ کی خدمت کرتے رہیں۔ گزشتہ شمارہ بطور عید نمبر پیش کیا گیا تھا جسے تمام بہنوں نے پسند کیا اور عید کی مبارک باد کے خطوط اور محبتوں سے نوازہ' ادارے کی جانب سے تمام بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ۔

وطن عزیز آج کل انتخابی گہما گہمی میں مصروف ہے ہر خاص وعام امیدواروں اور ان کی جماعت کی طرف سے جاری ہونے والے بیانات کی روشنی میں امیدواروں کو پرکھ رہا ہے غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ ہر حلقے کے ووٹر اپنے حلقے کے امیدواروں خصوصاً سابق ارکان پارلیمنٹ سے دریافت کر رہا ہے کہ انہوں نے اپنے علاقوں کے لیے کیا کام کیے اور اب پانچ سال گزرنے پر صرف ووٹ مانگنے کے لیے کیوں آئے ہو، وطن عزیز کی انتخابی تاریخ میں شاید پہلی بار ہر سطح ہر جماعت کے چھوٹی بڑی حیثیت کے امیدواروں کو اپنے ووٹر کے سامنے جواب دہی کرنا پڑ رہی ہے ورنہ اب تک تو یہی معاملہ رہا کہ چل سو چل شاید یہ پہلے انتخابات ہیں جو کسی خوف ودھونس اور زیادتی کے بغیر ہونے جا رہے ہیں' اس سے قبل خصوصاً سندھ کے شہری علاقوں میں بندوق کی نوک پر ووٹ ڈلوائے جاتے رہے ہیں اس بار وہ بندوق بردار خود اپنی کھال بچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ بڑا ہی مسبب الاسباب ہے ہوسکتا ہے اس بار کچھ نیا ہو جائے متوقع نتائج کسی طرح غیر متوقع ہو جائیں اور اللہ سبحان وتعالیٰ وطن عزیز کے لیے دیانت دار صالح افراد پر مشتمل پارلیمنٹ دے دے۔ ویسے ہمارے اجتماعی اور انفرادی اعمال تو ایسے نہیں ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہم پر خصوصی مہربانی فرمائے جب تک ہم بحیثیت قوم خود کو درست نہیں کریں گے کسی مثبت تبدیلی کی امید کرنا عبث ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں اچھے اور ایمان دار محب وطن افراد کو منتخب کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

اب آئیے چلتے ہیں آپ کے اس ماہ کے حجاب کی جانب۔

نزہت جبین ضیاء، زارا رضوان، افشاں شاہد، راؤ سمیرا ایاز، فرحت انصاری، ہما راؤ، تمثیلہ زاہد، حمیرا شاہین، خدیجہ جلال۔

دعا گو

قیصر آراٗ

حمد

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس کے سوا تیرا
اک بندہ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا
بندے سے مگر ہو گا حق کیونکر ادا تیرا

محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نا محرم
کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا

جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پر محیط ان کو
جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلہ تیرا

نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بے خود
جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے
کچھ رنگ بیاں حالیؔ ہے سب سے جدا تیرا

الطاف حسین حالی

نعت

اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی
جیسے میرے سرکار ہیں ایسا نہیں کوئی

تم سا تو حسیں آنکھ نے دیکھا نہیں کوئی
یہ شان لطافت ہے کہ سایہ نہیں کوئی

اے ظرف نظر دیکھ مگر دیکھ ادب سے
سرکار کا جلوہ ہے تماشا نہیں کوئی

اعزاز یہ حاصل ہے تو حاصل ہے زمیں کو
افلاک پہ تو گنبد خضریٰ نہیں کوئی

ہوتا ہے جہاں ذکر محمد ﷺ کے کرم کا
اس بزم میں محروم تمنا نہیں کوئی

وہ آنکھ جو روتی ہے غم عشق نبی میں
اس آنکھ سے روپوش تو جلوہ نہیں کوئی

سرکار کی رحمت نے مگر خوب نوازا
یہ سچ ہے کہ خالد سا نکما نہیں کوئی

خالد محمود خالد

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

سحر تبسم سحری

السلام علیکم میرا نام سحر تبسم ہے پیار سے سحری کہتے ہیں 19 اکتوبر 1998ء کو پیدا ہوئی میرا اسٹار ورگو ہے جبکہ قلمی نام سحر تبسم سحری ہے بات ہوجائے پسند نہ پسند کی تو میری فیورٹ رائٹرز میں مجھے نازیہ کنول نازی' سمیرا حمید' نادیہ فاطمہ رضوی' قرۃ العین سکندر اور راشدہ رفعت پسند ہیں ڈریس میں مجھے ٹراؤزر کے ساتھ بٹر فلائی ٹی شرٹ اور گلے میں اسکارف پسند ہے۔ مجھے بالوں کی دو پونی بنانا اچھا لگتا ہے کلرز میں مجھے پنک' پیرٹ گرین اور اسکائے بلو پسند ہیں فروٹ میں میرا فیورٹ مینگو اور اسٹابری ہے وجیٹیبل میں آلو مٹر اور اروی پسند ہے مجھے طوطے اور کبوتر بہت پیارے لگتے ہیں چھوٹے چھوٹے مرغی کے چوزے تو جان ہیں میری تتلی پکڑنا اور تارے دیکھنا میرا فیورٹ مشغلہ ہے فارغ اوقات میں میوزک سنتی ہوں یا موویز دیکھتی ہوں باربیز موویز بہت اچھی لگتی ہیں سنڈریلا اور سلیپنگ بیوٹی میری فیورٹ اسٹوریز ہیں میرے فیورٹ ناولز میں رقص بسمل' تتلیاں پھول اور خوشبو' میرے خواب ریزہ ریزہ' ایک تھی مثال' محبت ہم سفر میری' میرے حصے کی زمین آسمان اور من مورکھ کی بات نہ مانو ہے۔ مجھے ڈرائنگ کرنا' پودے لگانا اور ڈائجسٹ پڑھنا اچھا لگتا ہے بیٹھے میں مجھے چاکلیٹ آئس کریم اور ڈیری ملک کھانا اچھا لگتا ہے ماما بہت منع کرتی ہیں لیکن میں ضد کر کے لے لیتی ہوں۔ جیولری میں بڑی رنگ اور چوڑیاں پسند ہیں میک اپ میں نیل پینٹ آئی شیڈ اور لپ گلوس پسند ہیں میرے فیورٹ ڈرامے من مائل' میرا یار ملا دے۔ ایکٹرز میں مجھے دانش تیمور' مایا علی اور ثنا جاوید پسند ہیں کھانے میں آلو گوشت اور شملا مرچ اور گوشت اور بریانی کئی دنوں تک کھاسکتی ہوں ڈائجسٹ میں مجھے صرف حجاب پسند ہے مجھے اسکوٹر چلانے کا بہت شوق ہے۔ مختلف چیزیں پکانا بہت اچھا لگتا ہے میرا دل کرتا ہے کہ میرے پاس ایک یونیکون ہو ہارس رائڈنگ کرنا چاہتی ہوں دعا کریں کہ ایک بار کرسکوں گیم کھیلنا اچھا لگتا ہے۔ پھولوں میں مجھے جیسمین اور کوسموس پسند ہے۔ شعراء میں علامہ اقبال' غالب اور احمد فراز بہت پسند ہیں ڈائری میں اشعار لکھنا تاروں سے چیزیں بنانا' بارش میں نہانا آنکھ مچولی کھیلنا' چھوٹے بچوں کو کس کرنا اور بکری کے بچوں کو پیار کرنا بہت اچھا لگتا ہے ہائی ہیلز سے تو عشق ہے سلائی کرنا بالکل پسند نہیں ہے ویسے تو میں بہت سوئٹ اینڈ کیوٹ ہوں پر جب غصہ آتا ہے تو سمجھو گھر کی ہر چیز کی شامت آجاتی ہے غصے میں چیزیں توڑنے کا دل کرتا ہے اور کئی چیزیں توڑی بھی ہیں خود تو یہ سب کرتی ہوں پر جب دوسرے کریں گے تو کیا ہوگا یار؟ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتی میرا دل کرتا ہے کہ سب مانگنے والوں کو اسکول میں داخل کروادوں گا بے گھروں کو گھر دوں مجھے بارش میں جانوروں اور پرندوں کی ٹینشن لگی رہتی ہے سچ بولنے کی تو اس قدر عادی ہوں کہ اگر کوئی پوچھے کہ گھر میں کتنا کیش ہے وہ بھی بتادوں امی بہت کہتی ہیں کہ اس قدر سچ اچھا نہیں پر وہ سحر ہی کیا جو سن لے اچھا جی چلتی ہوں اللہ حافظ۔ کیسا لگا تعارف بتایئے گا ضرور۔ حجاب خوب ترقی کرے آمین۔

رابعہ احمد بھٹی

السلام علیکم! ڈیئر قارئین کیا حال ہے آپ سب کیسے ہیں۔ دیکھیے تو آج آپ کی محفل میں کون آیا ہے ارے ادھر کہاں دیکھ رہے ہیں۔ اِدھر دیکھیے ناں میں ہوں آپ کے سامنے پہچانا نہیں ما بدولت کو رابعہ بھٹی کہتے ہیں 5 مئی کو جھنگ کی خوب صورت سرزمین کی رونق دوبالا کرنے آئی اب ویلکم تو ہونا چاہیے کیونکہ ہم

چار سال پرانے خاموش قاری ہیں ابھی میٹرک کے امتحان دے کر فارغ پھر رہے ہیں سوچا حجاب کی فیملی میں تعارف ہوجائے ہم ماشاء اللہ پانچ بہن بھائی ہیں ہم بہن بھائیوں میں سے دوسرے نمبر پر ہیں میں اپنے ابو کی بہت لاڈلی ہوں' میری بہن سعدیہ میرے ابو جان اور کزن تحریم مل کر آنچل پڑھتے ہیں ابو جان صرف الکوثر اور شمائلہ کاشف کے سوال جواب پڑھتے ہیں اب آتے ہیں پسند' ناپسند کی طرف تو جی میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد ﷺ' کتاب قرآن مجید' پسندیدہ سنگرز عاطف اسلم' راحت فتح علی خان اور آر جت سنگھ ہیں ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرتی ہوں جھوٹ سے پرہیز کرتی ہوں دوسروں کو خوش رکھنے کی بھرپور کوشش کرتی ہوں آرمی میں جانے کا بہت زیادہ شوق ہے اب میری دوستوں کی لسٹ دیکھیں ویسے تو میری بہت سی فرینڈز ہیں لیکن چند خاص یہ ہیں صبا مظہر' سکمی' نوشین (صلو)' پلوشہ شبیر (پلی) اور مہوش فیروز ہیں پسندیدہ مصنفین بتانا تو بھول ہی گئی ہوں سمیرا شریف طور' نازیہ کنول نازی' صبا ایشل' عشنا کوثر سردار اور نمرہ احمد پسندیدہ ہیں' کبھی کبھار مجھے ایسے لگتا ہے کہ یہ سب میرے فیملی ممبرز ہیں میں کہتی ہوں کہ کبھی تو وہ خوش نصیب دن آئے گا اور میں ان سے ملوں گی آخر میں آپ سب سے یہی گزارش ہے کہ میرے رزلٹ کے لیے سب دعا کرنا اللہ ہم سب کو کامیابیاں عطا فرمائے اور حجاب کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے' آمین۔ میں اس امید پر یہ تعارف بھیج رہی ہوں کہ یہ ضرور حجاب کے صفحات پر شائع ہوگا میں حجاب کی بہت بڑی فین ہوں۔

خدیجہ ایمان

السلام علیکم ٹو آل ریڈرز اینڈ رائٹرز میرا محبت بھرا عاجزانہ سلام قبول ہو کیسے ہیں آپ سب امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے میں ہوں خدیجہ ایمان 27 اکتوبر 1998ء کو شیخوپورہ میں پیدا ہوئی میرے پانچ بھائی ہیں ماشاء اللہ بہن میری تین ہیں ان سب میں میرا نمبر آخری ہے چار بھائی دو بہنیں شادی شدہ ہیں اور ایک بھائی ایک بہن منگنی شدہ (ویسے بہت جلد ان کی بھی شادی ہونے والی ہے) اگر پرسنلی مجھ سے میرے بارے میں پوچھا جائے تو میں یہی کہوں گی کہ میں بہت سادہ طبیعت کی مالک ہوں دل سے سب کی قدر کرتی ہوں کسی کو پریشانی میں نہیں دیکھ سکتی اب بات ہوجائے پسند ناپسند کی تو پسندیدہ مصنفین فاخرہ گل' نازیہ کنول' اقرا صغیر احمد' سمیرا شریف طور ہیں ڈریس میں مجھے شلوار قمیص اور فراک بہت پسند ہے کھانے میں بریانی' سموسے اور برگر پسند ہیں سویٹ ڈش میں لب شیریں' جوس میں مینگو اور اسٹرابری شیک پسند ہیں مجھے اپنی بھتیجی دشمہ سے بہت پیار ہے اب بات ہوجائے خوبیو اور خامیوں کی تو پہلے کی تو غصہ بہت جلدی آجاتا ہے حالانکہ بات کوئی خاص ہونا ہو دن میں پانی جتنی بار بھی پینا ہو آپی کی منت کرتی ہوں جو بات دل میں ہو وہی زبان پر بھی لے آتی ہوں بعض دفعہ بعد میں شرمندگی بھی اٹھانی پڑتی ہے خوبیاں خوش اخلاق ہوں کلرز میں مجھے بے بی پنک اور فیروزی بہت پسند ہیں پسندیدہ اشعار۔

اپنے ہی ہوتے ہیں جو کرتے ہیں وار دلوں پر
غیروں کو کیا معلوم کہ دل کس بات پر دکھتے ہیں

......☆......

کبھی تھک کے سو گئے ہم کبھی رات بھر نہ سوئے
کبھی ہنس کے غم چھپایا کبھی غم چھپا کے روئے

فیورٹ ناول کی لسٹ طویل ہے تنہائی پسند ہوں لیکن جب عظمیٰ اور لبنیٰ باجی آتی ہوں تو کافی انجوائے کرتی ہوں بھابیاں ساری اچھی لگتی ہیں اور اپنی سوئٹ آپی ثریا فریال سے تو میں جنون کی حد تک عشق کرتی ہوں لیکن وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ (اف مذاق میں بھی تم تو سچ ہی سمجھ بیٹھیں) مجھ سے ملنا کیسا لگا دل چاہے تو ضرور بتایئے گا اور اب اجازت چاہتی ہوں اپنا خیال رکھیے اور دعاؤں میں بھی یاد رکھیے گا۔

عائشہ انور

تمام پڑھنے والوں کو آداب میرا تعارف یہ ہے کہ نام تو میرا عائشہ ہے مگر سب پیار سے عینی کہتے ہیں ایم اے اسلامیات کر رہی ہوں تاریخ پیدائش 16 جولائی 1991ء ہے اسٹار کینسر ہے اپنی زندگی سے مطمئن ہوں اپنی زندگی سے گلے شکوے کرنے والی لڑکیاں بری لگتی ہیں ارے اگر کوئی محرومی ہے بھی تو سب کے سامنے عیاں تو نہ کرو نا میری عادات اب کافی حد تک چینج ہو گئی ہیں کرنی بھی چاہیں چینج پہلے بہت حساس تھی اب کنٹرول کرلیا ہے کینسر جو ہوں ارے ارے نہیں اسٹار کینسر جو ہے اور سمیرا کیسی ہو ہر وقت مصروف نہیں رہا کرو اور میری پیاری کزنز اور فرینڈز کیسی ہو سمیہ' ناعمہ' نازنین' شبانہ' تنزیلہ' ارم' آسیہ' بشریٰ' صدف اور میمونہ کیسی ہو تم سب اور میری پیاری سی تین دوستیں ماریہ' عائشہ اور شمائلہ تم سب مجھے بہت یاد آتی ہو شمائلہ تم اتنی اچھی کیوں ہو اللہ کرے ہمیشہ ایسی ہی رہو ماریہ تم بھی بہت نائس ہو شمائلہ مجھے بھول مت جانا اوکے تم تینوں مجھے بہت یاد آتی ہو تم کتنی اچھی نیچر کی مالک ہو کاش ہر انسان تم تینوں جیسا ہو جائے اور ماریہ تم تو میرے کام منٹوں میں حل کر دیتی ہو اور میری چھوٹی سی دوست عائشہ خدا تمہیں کامیاب کرے اور نائمہ مجھے لگتا ہے کہ شاید ہم پھر کبھی پہلے جیسے نہ ہو سکیں۔ تمہارے لیے نیک تمنائیں پرانے دوستوں سے کچھ شکایتیں ہیں کہ تم میرے زیادہ قریب تھے مگر تم سے زیادہ پیار مجھے بی ایڈ فرینڈز نے دیا مجھے اس کا ساری زندگی کا دکھ رہے گا میری ساری محرومیاں میری نئی دوستوں نے دور کر دیں' اب آتی ہوں فیملی کی طرف ہم پانچ بہنیں ہیں مدیحہ عینی یعنی میں رابعہ سوئٹ اقرا اور ایمن بھائی کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے میری فیورٹ پرسنلٹی میرے ابو ہیں دنیا کی سب سے خوب صورت شخصیت' اس کے علاوہ حضرت محمد ﷺ اور اپنے ایک سر شوکت اور سر اسحاق سے بہت متاثر ہوں دنیا میں صرف اپنے ماں باپ پر اعتبار ہے اور کسی پر نہیں میری خواہش ہے کہ کاش میری کوئی بہت ہی بیسٹ فرینڈ ہوتی جس پر مجھے مان ہوتا مگر شومئی قسمت ایسا نہیں ہے ان لوگوں پر بہت افسوس ہوتا ہے جو صرف مادی چیزوں سے محبت کرتے ہیں کاش دنیا میں سب پیار کرنے والے ہوتے بہت سے لوگوں نے زندگی میں بدمزگی پیدا کی ان کے لیے میری دعائیں ہیں خدا انہیں خوش رکھے اب بات ہوتی ہے خوبیوں اور خامیوں کی خامی تو ہر انسان میں ہوتی ہے ایک دفعہ کسی سے دھوکہ کھا کر ابھی دوسری دفعہ اگر وہ پیار سے بلائے تو پھر اس کو سب کچھ بھلا کر دوست مان لیتی ہوں بہت سے لوگ مجھے برا سمجھتے ہیں کیونکہ میں حقیقت پسند ہوں اور سچ کڑوا ہوتا ہے یعنی خوبیاں بیان نہیں کروں گی کیونکہ میرے خیال میں اپنی تعریف خود کرنا انسانیت کی تذلیل ہے خوبیاں تو میری دوست بتا سکتی ہیں زندگی میں کوئی خواہش نہیں ہے کیونکہ خواہشات کبھی پوری نہیں ہوتی۔

ایسا ٹوٹا ہے خواہشوں کا پندار کہ بس
اس لیے بس ہو گئی ہے صرف یہ خواہش ہے کہ

مرتے وقت ایمان کی حالت اور کلمہ نصیب ہو آمین' خدا سے نزدیک ہونے کی آج کل کوشش جاری ہے کوئی عادت مستقل نہیں رہتی بدلتی رہتی ہیں اور حیرانی کی بات یہ کہ کوئی مستقل مشغلہ بھی نہیں ہے میں نے زندگی کا کوئی مقصد متعین نہیں کیا اسی لیے زندگی فضول لگتی ہے بظاہر شوخ چنچل نظر آتی ہوں۔

سب سے یوں ملنا کہ جیسے کوئی دکھ نہ ہو
مجھ میں یہ خوبی ہے سب خامیوں کے باوجود

مجھے وہ لوگ بہت برے لگتے ہیں جو کہ خود غرض ہوں بدلہ لینا بہت برا لگتا ہے ایسے لوگوں سے ڈر لگتا ہے جو کہ بدلہ لیں اور مرد ذات سے یہ شکایت ہے کہ وہ عورت کو صرف ضرورت کے لیے استعمال کرتے ہیں ایسے مردوں سے نفرت ہے جو عورت کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہمارے ملک میں عورت کے حقوق کے

جتنے بھی آئین پاس ہوں مگر یہ آئین مرد کی ذہنیت کو چیلنج نہیں کرسکتے عورت کو نا سمجھ یا بے عقل سمجھ کر اس کی رائے کو رد کردیا جاتا ہے میرے کزن کے بقول ''عورت کی عقل ٹخنوں میں ہوتی ہے'' یہ بات مجھے بہت بری لگتی تھی عورت ہر روپ میں چاہے وہ ماں ہو، بہن ہو، بیوی ہو یا پھر بیٹی مرد کی ضروریات کا خیال رکھتی ہے پھر بھی اسے برا کیوں سمجھا جاتا ہے۔ شام کا وقت بہت پسند ہے زندگی میں بہت سے دوستوں سے دوری اختیار کرنی پڑی۔

وہ جو خواب تھے یا خیال تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو حقیقتوں کے اساس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں ماننا ہی نہیں یہ دل وہی لوگ میرے ہیں ہم سفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

میری فیورٹ جگہ راول جھیل ہے کاش کہ میں دوبارہ جاسکوں وہاں خدا نے مجھے بہت سی چیزوں سے نوازا خدا سے صرف اپنی مغفرت کی دعا کرتی ہوں قرآن کا ترجمہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں موت کو بہت یاد کرتی ہوں۔

میں بوجھ بن جاؤں گی ایک دن اپنے ہی دوستوں پہ
کندھے بدل رہے ہوں گے وہ ہر دو قدم کے بعد

سائرہ مشتاق مجھے تم سے ملنے کا بہت شوق ہے رابطہ کیسے ہوسکتا ہے ہمارا پلیز ضرور بتانا اب اجازت چاہوں گی بور ہونے کا شکریہ آپ کی عائشہ۔

ام ایمن

حجاب اسٹاف اور ریڈرز کو میرا چاہت اور خلوص بھرا سلام۔ مابدولت کو ام ایمن کہتے ہیں 20 جنوری 1997ء کو شہر جتوئی میں پیدا ہوئی ہم چھ بہن بھائی ہیں جن میں میرا نمبر دوسرا ہے پہلے نمبر پر ام عمارہ ہے جس نے میٹرک کیا ہے تیسرے نمبر پر بھائی عبداللہ ہے جو حفظ کررہا ہے اور پھر چوتھے نمبر پر یہ عبیداللہ جو بہت ہی شرارتی ہے اور حفظ کررہا ہے پانچویں نمبر پر بہن زنیرا ہے جو ون کلاس میں ہے اور آخر میں سب سے چھوٹی پیاری سی بہن اریشہ ہے جو نرسری کلاس میں پڑھتی ہے اور جو سب کی لاڈلی ہے مجھے لباس میں لانگ شرٹ کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا دوپٹا پسند ہے اور کالا، سفید رنگ پسند ہے میری پسندیدہ شخصیت حضور پاک ﷺ اور مولانا طارق جمیل ہیں اور پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے مجھے کھانے میں بریانی، بھنڈی اور شاہی ٹکڑے پسند ہیں مجھے سادہ معصوم اور سچے لوگ اچھے لگتے ہیں اور جھوٹ سے سخت نفرت ہے موسموں کی بات ہوجائے تو بہار اور برسات کا موسم پسند ہے اور بارش میں بھیگنا اچھا لگتا ہے خوبیاں اور خامیاں تو سبھی میں ہوتی ہیں خوبیوں میں نرم دل اور حساس ہوں اور خامی یہ ہے کہ غصہ بہت جلد آتا ہے اور غصے میں چپ ہوجاتی ہوں چاہے کوئی کتنا بلائے نہیں بولتی جیولری میں جھمکے اور رنگ پسند ہے دوستیں تو بے شمار ہیں جن میں خاص یہ ہیں سدرہ، مریم، سویرا، عروج، عائشہ، لائبہ، حمیرا، نصرت اور نازیہ جو میری آنٹی بھی ہے پسندیدہ مصنفین میں سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی، ام مریم، اقرا صغیر، نمرہ احمد اور عائشہ نور محمد شامل ہیں پسندیدہ ناول یہ چاہتیں یہ شدتیں، بہاروں کے سنگ سنگ، مصحف ساحلوں کے گیت شامل ہیں۔ اللہ حجاب کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

قسط نمبر 32

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

خاور حیات حورین کی بیماری کی اصل وجہ جان کر شاکڈ رہ جاتا ہے جبکہ میسر اس کی ذات کو ہی مجرم قرار دیتا ہے یہ صدمہ اس کے لیے بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے کہ حورین اپنے ماضی کو لے کر اس قدر پریشانی سے دوچار ہے۔ لالہ رخ فراز کی مدد سے نئی جاب حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے مہر بھی آنے والے حالات سے سمجھوتہ کرتی اپنے ماضی کو قبول کرلیتی ہے کہ اسے اب مزید کسی کے لیے تکلیف کا سبب نہیں بنتا۔ جب ہی وہ کامیش کو شاپنگ کے دوران دیکھ کر چونک جاتی ہے لالہ رخ سے اس کا تعارف فراز کے بھائی کی صورت میں ہوتا ہے جبکہ مہر یہ سن کر ششدر رہ جاتی ہے کہ اسے اسپتال تک پہنچانے والا کامیش ہی تھا جو ان دنوں مری آیا تھا مہر اپنا تمام احوال لالہ رخ کے گوش گزار کرتی ہے اور لالہ رخ یہ سب باتیں اور مہر کی دلی وابستگی کا اظہار فراز سے کرتی ہے فراز کامیش اور سونیا کی ناکام شادی کا تذکرہ کرتے اس ہر بات سے آگاہ کردیتا ہے۔ کامیش فراز کے ساتھ ماریہ کو اچانک دیکھ کر اس سے حقیقت استفسار کرتا ہے جس پر وہ ٹال جاتا ہے اور دوست کی حیثیت سے ماریہ کا تعارف کراتا ہے۔ ابرام فراز سے رابطہ کرتے ماریہ کے متعلق استفسار کرتا ہے ایسے میں فراز کے ماریہ بخیر وعافیت ہونے کا ذکر کرتے تمام حقیقت اسے بتانا چاہتا ہے لیکن وہ کچھ بھی سننے سے انکاری ہوجاتا ہے اور جلد ماریہ سے ملنے کا ارادہ کرلیتا ہے۔ زرمینہ کی محبت میں زرتاشہ انتہائی قدم اٹھاتے باسل کے ذریعے احمر اور زرمینہ کی محبت کا راستہ ہموار کرتی ہے اگرچہ اس راہ میں بے حد مشکلات احمر کو نظر آتی ہیں لیکن زرمینہ کی خاطر وہ زرتاشہ کی بات پر آمادگی ظاہر کرتا ہے۔ حورین خاور حیات کے منع کرنے کے باوجود اپنے پرانے بنگلے میں آتی ہے خاور خاموشی سے اس کا پیچھا کرتے اس کے وہاں جانے کی اصل وجہ جاننا چاہتا ہے اور حورین کو وہاں چھوٹے بچوں کے کھلونے اور کپڑوں کو سینے سے لگائے دیکھ کر شاکڈ رہ جاتا ہے حورین کی یہ حالت اسے کرب میں مبتلا کردیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

وہ جو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس نے حورین کو جیت لیا ہے سب سے چھین کر اسے حاصل کرلیا ہے وہ صرف اس کی ہے اس کا دل صرف اور صرف اس کے لیے دھڑکتا ہے۔ جتنا وہ حورین سے محبت کرتا ہے اتنا ہی حورین بھی اسے چاہتی ہے۔ اس کی سنگت میں زندگی کی ہر خوشی کے لمحات کو کشید کرکے بہت شاد اور نازاں ہے۔ کتنا خوش فہم تھا وہ کہ اس نے دنیا کی ہر نعمت حورین کے قدموں میں ڈھیر کرکے اسے سب سے خوش نصیب عورت بنادیا ہے آہ......اس کا فریب آج اس کے سامنے تن کر کھڑا بے پناہ استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر یک لخت وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

''دیکھ لو خاور حیات آج تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو جس حورین کو تم نے احتشام سے چھین کر اپنی دسترس میں لیا تھا پھر اسے مجبور کیا تھا کہ وہ اپنی چند سال کی معصوم بیٹی سے لاتعلق ہوجائے اس سے کوئی ناطہ نہ رکھے کیوں کہ وہ احتشام کی بیٹی تھی یاد ہیں ناں خاور وہ الفاظ جو تم نے حورین سے کہے تھے۔'' خاور حیات بے ساختہ کھڑکی سے چند قدم پیچھے ہٹا اس

پل اسے اپنا جسم بے جان پتلے کی مانند محسوس ہوا وہ یونہی الٹے قدموں چلتا ہوا ایک دم دیوار سے جالگا بہت سے لمحے ہی گزر گئے۔ وہ ہنوز گم صم سا خالی الذہن کھڑا رہا' پھر جیسے اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا۔

''مجھے اتنی غیر یقینی سے کیوں دیکھ رہے ہو خاور...... تم نے ہمیشہ میری باتوں کو نظر انداز کیا' مجھ سے نظریں چرائیں' مجھے اہمیت نہیں دی' ہونہہ تم پچیس سالوں سے اس خوش گمانی میں مبتلا رہے کہ حورین کو تم نے حاصل کرلیا ہے۔ اسے سب سے چھین کر اپنے دل میں چھپالیا ہے' نہیں خاور تم نے اسے قید کرلیا تھا اس سونے کے پنجرے میں جہاں وہ بے چاری پھڑ پھڑا کر آج اس حال تک پہنچ گئی ہے' تم نے پارس بن کر اسے سونے کی مورت بنادیا' اسے بے جان کردیا' خاور حیات تم ہو حورین کی اس حالت کے ذمہ دار۔'' خاور حیات کا سکتہ جیسے چھن سے ٹوٹا وہ ایک جھرجھری لے کر بولا۔

''نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' میں نے تو حورین کو ہر خوشی دی' اسے بے پناہ چاہا اور صرف اس سے وفا کی ہے۔'' کہتے ہوئے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا' پھر وہ لپک کر کھڑکی کی جانب آیا تو حورین کو اسی کیفیت میں لالہ رخ کے کپڑوں اور کھلونوں سے ہنوز باتیں کرتے پایا' پھر وہ بے پناہ اذیت و تکلیف کی لہر کو اپنے اندر لڈتے محسوس کرکے وہاں سے پلٹ گیا۔

❁......❁......❁

لالہ رخ امی کا ڈاکٹر سے چیک اپ کروا کر گھر لے آئی تھی۔ اس نے موقع دیکھ کر اگلے دن ان سے استفسار کیا۔

''امی وہ ہاسپٹل میں کون خاتون تھیں جن کو دیکھ کر آپ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ اداس بھی ہوگئی تھیں' آپ کہہ رہی تھیں کہ وہ آپ کی دوست ہیں؟ مگر آپ نے تو کبھی ہم سے اپنی کسی بھی دوست کا ذکر نہیں کیا۔'' وہ جو نوالہ اپنے منہ کی جانب لے جارہی تھیں لالہ رخ کی بات پر ان کا ہاتھ وہیں کا وہیں ٹھہر گیا۔ اس وقت وہ دونوں دوپہر کا کھانا کھا رہی تھیں' انہوں نے ایک نگاہ لالہ رخ کو دیکھا' پھر نوالہ واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے انتہائی مضمحل سے انداز میں گویا ہوئیں۔

''ہاں بیٹا میں نے اپنی پیاری سی سہیلی کا ذکر تم دونوں بہنوں سے کبھی نہیں کیا' مگر میرا اللہ گواہ ہے کہ میں نے اپنی دوست کو اپنی زندگی میں درآنے والے ہر حالات اور معاملات میں بہت یاد کیا ہے۔ یوں سمجھو کہ میں نے اسے ہمیشہ اپنے ساتھ ساتھ رکھا۔'' اس پل ان کے چہرے پر بڑی پیاری سی مسکان درآئی تو لالہ رخ بے پناہ شوق سے ماں کو دیکھتے ہوئے دوبارہ بولی۔

''تو امی آپ دونوں کے درمیان اتنی لمبی جدائی کیسے آگئی۔ آپ نے یا پھر انہوں نے آپ سے کوئی رابطہ کیوں نہیں رکھا۔ دوست تو اللہ کریم کی عظیم نعمت ہوتے ہیں امی پھر آپ دونوں میں اتنی دوری کیسے؟'' معاً اسے کوئی خیال آیا تو وہ فوراً سے پیشتر کہنے لگی۔ ''آپ وہاں ہاسپٹل میں مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ وہ آپ سے ناراض ہیں' امی وہ آپ سے کیوں ناراض ہیں؟'' پارس بیگم نے لالہ رخ کے سوالات پر بے ساختہ ایک آہ بھری' پھر ان کے تصور کے پردے پر ماضی گم گشتہ کی کچھ انمول یادیں فلم کی مانند چلنے لگیں' جس میں وہ اور حورین ساتھ ساتھ تھے' پھر جب ذہن کے پردے پر تلخ و تند یادیں بکھرنے لگیں تو انہوں نے انتہائی بے چینی و بے قراری سے اپنی جگہ سے پہلو بدلا' لالہ رخ خاموشی سے امی کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی پھر کچھ دیر بعد پارس بیگم بولیں۔

''بس ہوگئی تھی ناراض۔''

''تو پھر انہیں منالیتیں ناں۔'' لالہ رخ کا انداز بے ساختگی لیے ہوئے تھا جب کہ امی گم صم سی بیٹھی جیسے حورین کو اپنے سامنے ایستادہ تصور کررہی تھیں۔

''موقع ہی نہیں دیا مجھے ورنہ میں حورین کو ہر قیمت پر منالیتی' اپنی سہیلی کو روٹھنے نہ دیتی۔''

"نہیں پارس تمہیں بتانا چاہیے تھا اگر یہ حقیقت مجھے وقت پر معلوم ہوجاتی تو آج" شام کی بیوی۔ اس کے ہاتھوں میری زندگی یوں نہ رل جاتی تم نے اچھا نہیں کیا پارس میرے ساتھ۔" حورین کے لبوں سے ایک سراہ نکلی تو پارس بے پناہ مضطرب سی ہوکر اپنی جگہ سے اٹھی۔

"حورین میری جان مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی مجھے تمہیں سب کچھ بتادینا چاہیے تھا کاش میں وقت پر یہ بات تمہیں بتادیتی تو احتشام جیسے ناقدرے و بے حس انسان کے ہاتھوں تم کھلونا نہ بنتیں حورین میری بہن مجھے معاف کردو۔" کہتے ہوئے پارس اپنے ہاتھوں کو باقاعدہ جوڑ کر رو پڑی تو لالہ رخ نے انتہائی پریشان ہوکر امی کو اپنے دونوں بازوؤں میں سنبھالا جو بے قراری ہوکر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"امی سنبھالیے اپنے آپ کو۔" یک دم لالہ رخ کی آواز جب ان کی سماعت سے ٹکرائی تو انہوں نے بے تحاشا چونک کر اسے دیکھا پھر چند ثانیے وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ لالہ رخ نے نرمی سے انہیں تھام کر تخت پر بٹھایا پھر بھاگ کر پانی کا گلاس بھر لائی اور ان کے ہونٹوں سے لگادیا، جسے انہوں نے ایک ہی سانس میں پی لیا۔ اب وہ قدرے بہتر تھیں۔ انہوں نے رخ موڑ کر لالہ رخ کو دیکھا۔ جو منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

❁......❁......❁

"سونیا یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے تم نے میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر تم چاہتی کیا ہو؟ کچھ عرصے پہلے تمہاری فرینڈ شپ محسن سے اتنی گہری ہوگئی تھی کہ اس نے تمہیں شادی کے لیے پرپوز بھی کیا مگر تم نے انکار کردیا۔ اب تم طلحہ کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھر رہی ہو یہ سب کیا ہے سونیا..... آخر تم چاہتی کیا ہو؟" سارا بیگم کافی عرصے سے سونیا کی ایکٹی وٹیز دیکھ رہی تھیں۔ وہ جب سے کامیش کے گھر سے لوٹی تھی اس نے خود کو بہت چینج کرلیا تھا۔ اعظم شیرازی کو تو اپنی رنگینیوں سے فرصت ہی نہیں تھی وہ بھلا کیا سونیا پر نظر رکھتے اور پھر سونیا ان کی لاڈلی بھی تھی۔ سارا بیگم کے بے پناہ کہنے پر اعظم خان شیرازی اس سے باز پرس کرتے بھی تو وہ باپ کے گلے میں اٹھلا کر بانہیں ڈال کر انہیں سہولت سے ٹھنڈا کردیتی تھی۔ اپنے ہاتھوں کے ناخنوں پر نیل پینٹ لگاتے ہوئے سونیا کو جب انہوں نے انتہائی بے نیازی والے انداز میں دیکھا تو انہیں اچھا خاصا طیش آ گیا۔

"سونیا میں دیواروں سے نہیں بلکہ تم سے بات کررہی ہوں اگر طلحہ کے ساتھ تمہاری انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہے تو کامیش سے طلاق لے کر اس سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں کیوں تم نے کامیش کے نام کا گلوبند اپنے گلے میں باندھ رکھا ہے۔" اس بار سونیا نے نگاہ اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا پھر نیل پینٹ کی بوتل بند کرتے ہوئے مگن انداز میں بولی۔

"طلحہ تو مجھ سے شادی کرنے پر تیار ہے وہ تو کہتا ہے کہ تم آج اپنے سو کالڈ شوہر سے طلاق لو میں کل بارات تمہارے گھر لے کر آجاؤں گا۔" سارا بیگم نے لحظہ بھر اپنی اکلوتی بیٹی کو دیکھا جو بدلے کی آگ میں جھلس کر سب کچھ خس و خاشاک کی مانند بہانے پر آمادہ تھی وہ جیسے ٹھنڈی سی پڑ گئیں پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے صوفے پر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے قدرے نرمی سے بولیں۔

"بیٹا چھوڑ دو اس شخص کو جسے تمہاری کوئی پروا نہیں ہے۔ زندگی کے اس موڑ پر اب مزید ٹھہرنا صرف نقصان دہ ہے میری چندا آگے بڑھ جاؤ تم دیکھ لینا کہ زندگی نے تمہارے لیے ڈھیر ساری خوشیاں سنبھال کر رکھی ہیں تم بس آگے تو بڑھو۔" سارا بیگم کی بات پر سونیا کے چہرے پر کچھ دیر پہلے چھائی شگفتگی اور طمانیت اضطراب و کرختگی میں ڈھل گئی وہ بے حد ہر خند لہجے میں گویا ہوئی۔

"میں جب تک فراز شاہ اور کامیش شاہ کو پوری طرح سے برباد نہیں کردوں گی مما مجھے چین نہیں آئے گا کوئی خوشی خوش

نہیں کرے گی مجھے اور میں ایسا کر کے رہوں گی او کے۔" آخر کا جملہ اس نے سارا بیگم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ادا کیا اور پھر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ جب کہ سارا بیگم انتہائی مضطرب و پریشان سی وہیں بیٹھی رہ گئیں۔

❀......❀......❀

زرمینہ اپنے سامنے کھڑے احمر یزدانی کو انتہائی خشمگیں نگاہوں سے گھور رہی تھی جو چہرے پر زمانے بھر کی معصومیت سجائے اسے بڑی مسکین نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' یک دم زرمینہ کو زرتاشہ پر عود کر غصہ آیا جو اسے بہانے سے یہاں لا کر خود رفو چکر ہوگئی تھی۔ وہ احمر یزدانی کو یہاں دیکھ کر زرتاشہ کی چالاکی پر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

"تاشو کی بچی آج تجھے میرے ہاتھوں قتل ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" زرمینہ دل ہی دل میں بولی پھر یونیورسٹی کے اس الگ تھلگ گوشے میں گھنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھی زرمینہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھی اور احمر کو مخاطب کر کے انتہائی سرد مہری سے گویا ہوئی۔

"مسٹر احمر آپ یہاں جس وجہ سے بھی آئے ہیں اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں...... اب ہٹیے میرے سامنے سے مجھے جانا ہے۔" احمر جو اس کے سامنے کھڑا تھا مزید اس کا راستہ مسدود کر گیا۔

"نہیں زرمینہ تم میری بات سنے بنا یہاں سے نہیں جا سکتیں۔" انتہائی استحقانہ اور دھونس جمانے والے انداز میں بولتا احمر اسے ورطہ حیرت میں مبتلا کر گیا۔

"آج تمہیں میری بات سننی ہوگی اور اس پر یقین بھی کرنا ہوگا۔" وہ منہ کھولے ٹکر ٹکر اسے دیکھتی چلی گئی جو چند قدم آگے بڑھ کر اس کے مقابل آ کر بے حد رومانوی انداز میں بولا۔

"میرے دل کی حکایت جانے بنا میں تمہیں ہرگز یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔" وہ بھونچکا سی کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی جو اسے والہانہ انداز میں تک رہا تھا۔

"مم...... میں نے آپ سے کہا ناں......"

"بس زرمی بالکل خاموش۔" اس نے بڑی سرعت سے اپنی انگلی اس کے ہونٹوں پر رکھ کر جیسے جذبوں کی مہکتی زنجیر سے اسے باندھ دیا۔ وہ بے حس و حرکت یونہی کھڑی کی کھڑی رہ گئی جو اس کے بالکل پاس کھڑا اس کے کانوں میں محبت کا امرت گھول رہا تھا۔

"سنو میری ظالم محبت اس غریب پر کچھ تو رحم کرو جو صرف تمہاری ایک نگاہ الفت کا بھکاری ہے جو کاسۂ دل تھامے تمہاری چاہت کے چند سکوں کا متمنی ہے' سنو میری زندگی اپنی محبت کے لمس سے میری سانسوں کو بحال کردو' مجھے بھی اپنے دل کی دھڑکنوں میں شامل کرلو۔" زرمینہ ایک مسمریزم کی کیفیت میں کھڑی احمر یزدانی کو دیکھتی رہی۔ کافی سارے لمحات یونہی بے حد خاموشی سے گزرتے چلے گئے۔ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ یک لخت کسی اسٹوڈنٹ کی آواز دور سے زرمینہ کے کانوں میں آئی تو وہ یک دم ہوش کی دنیا میں آئی۔ احمر بھی اپنی جگہ سنبھلا جب کہ زرمینہ انتہائی تیزی سے تقریباً بھاگنے کے انداز میں وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ احمر مایوسی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

❀......❀......❀

پارس بیگم نے اس لمحے خود کو کافی سنبھال لیا تھا مگر طبیعت میں بے پناہ اداسی چھائی ہوئی تھی۔ قدرے توقف کے بعد وہ دھیرے سے بولیں۔

"میں اور حورین بچپن کی سہیلیاں تھیں' اسکول اور کالج ہم دونوں اکٹھے ہی گئیں' ہمارے گھر بھی بہت قریب قریب تھے......" لالہ رخ امی کی بات کو بڑے دھیان سے سن رہی تھی۔ "حورین کی منگنی اس کے خالہ زاد احتشام کے ساتھ طے

تھی۔" یہ جملہ ادا کرتے ہوئے پارس بیگم کے چہرے پر عجیب سا کرب پھیل گیا اور پھر وہ لالہ رخ کو سب کچھ بتاتی چلی گئیں لالہ رخ بھی عجیب سی کیفیت میں گھری سب کچھ سنتی رہی۔ آخر میں وہ یہ کہتے ہوئے رودیں۔

"میں نے حورین کو یہ نہیں بتایا کہ احتشام نے اس سے شادی صرف اپنے مقصد اور فائدے کے لیے کی تھی۔ بس اسی بات پر وہ خفا ہوگئی مجھ سے۔" لالہ رخ نے افسردہ ہوکر امی کو اپنے سینے سے لگالیا جو بلک بلک کررو رہی تھیں حورین احتشام کی اصلیت وقت پر نہ بتانے پر پارس سے بے حد ناراض ہوئی تھی۔ پھر پارس کی شادی ہوگئی اور وہ بیاہ کر مظفر آباد آ گئی' جہاں اس کے شوہر کی ملازمت تھی۔ امیر علی اپنی ملازمت سے برخاست کیے جانے پر اپنی بیوی کو اپنے آبائی شہر مری لے آیا تھا' مری آنے کے بعد پارس صرف اپنے والدین کی اموات پر ہی کراچی گئی تھی اور کچھ روز رہ کر واپس مری آ گئی تھی۔ ایک بار وہ حورین سے ملنے کی خاطر "خاور ولا" گئی تھی مگر وہ لوگ وہاں سے شفٹ ہوگئے تھے چوکیدار نے ان لوگوں کے نئے گھر کا ایڈریس مانگنے پر بتایا کہ خاور صاحب نے حورین بی بی کے کسی بھی رشتے دار کو پتہ دینے سے منع کیا ہے وہ مایوس ہوکر وہاں سے لوٹ آئی تھی۔ کافی دیر بعد لالہ رخ کسی گہری سوچ میں مستغرق حال کی دنیا میں لوٹتے ہوئے بولی۔

"امی میں آپ کی سہیلی کو ڈھونڈ کر آپ سے ملواؤں گی اور ان کی ناراضی بھی دور کردوں گی۔" پارس بیگم انتہائی بے یقین لہجے میں بولیں۔

"سچ لالہ......! کیا واقعی تم حورین کو تلاش کرلوگی اسے میرے سامنے لے آؤ گی۔" اس لمحے خوشی و مسرت کے رنگ ان کے لہجے سے بخوبی جھلکے تھے۔ لالہ رخ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"بالکل سچ امی میں انہیں ڈھونڈ کر آپ کے پاس ضرور لاؤں گی۔" پارس بیگم یک دم خوشی سے ہنس دیں' پھر معاً ایک بات ذہن میں آئی تو وہ انتہائی جوش وانبساط بھرے لہجے میں کہنے لگیں۔

"پتہ ہے لالہ اس کی ایک بہت پیاری پریوں جیسی بیٹی بھی ہے اور جانتی ہو اس کا نام کیا ہے؟" لالہ رخ نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

"اس کا نام بھی لالہ رخ ہے۔" وہ بھیگی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے گویا ہوئیں تو لالہ رخ کو خوش گوار سی حیرت ہوئی' پھر وہ پورے اشتیاق سے امی کی باتیں سننے لگی جو وہ حورین اور اپنے متعلق بتارہی تھیں۔

❁......❁......❁

فراز شاہ نے لالہ رخ کی باتوں پر کافی سوچ بچار کے بعد کامیش سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ مہرو بے حد شفاف دل کی مالک لڑکی تھی۔ جب سے لالہ رخ نے اسے مہرو کے جذبات کے متعلق بتایا تھا کہ وہ کامیش کے لیے کس حد تک سنجیدہ ہے یہ سب سن کر اسے حیرت ہونے کے ساتھ ساتھ مسرت بھی ہوئی۔ مہرو اسے اپنی بہنوں کی طرح عزیز تھی اور کامیش جیسے باکردار اور باحمیت مرد کے ساتھ صرف مہرو ہی سوٹ کرسکتی تھی' لہٰذا مہرو کے حوالے سے بات کرنے کے لیے فراز نے کامیش کو آج شام ڈیفنس کلب میں بلالیا تھا۔ دن بھر سورج کی تمازت کے بعد اس پل شام بے حد خوش گوار تھی۔ آسمان میں اڑتے سرمئی بادل اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکیں اس لمحے طبیعت پر بہت اچھا اثر ڈال رہے تھے۔ کامیش اور فراز سوئمنگ پول کی جانب رکھی کرسیوں پر براجمان تھے جب کہ ان کے اطراف میں بھی فیملیز کے علاوہ فرینڈز وغیرہ کا گروپ بھی خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ فراز بات تو کامیش اور مہرو کی کرنے کے لیے آئے تھے۔ مگر یہاں تو الٹی آنتیں گلے پڑ گئی تھیں' کامیش نے ڈائریکٹ اس سے ماریہ کے بارے میں سوال کر ڈالا اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی ٹپٹا کر رہ گیا۔

"وہ......وہ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ میری دوست ہے۔" قدرے اٹک کر کہتے ہوئے اس نے میز پر رکھا کولڈرنگ کا گلاس اٹھا کر تیزی سے اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔

''آر یوشیور فراز صرف دوست......؟'' کامیش بے حد معنی خیزی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو فراز تھوڑا جھنجھلایا۔
''کامیش یہ مت بھولو کہ تم میرے چھوٹے بھائی ہو میرے سامنے زیادہ تھانیدار بننے کی ضرورت نہیں ہے سمجھے۔''
فراز کی بات پر کامیش کا زوردار قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔ پھر اس کے اگلے جملے نے فراز کو اچھا خاصا پزل کردیا۔
''مائی ڈیئر برادر تمہارا یہ بھائی اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہے اب شاباش مجھے پوری تفصیل سے سب بتاؤ۔'' جواباً فراز اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر یک دم اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔
''کامیش یار کبھی کبھی ہماری زندگی میں ایسی سچویشن سامنے آجاتی ہے کہ ہم وہ قدم اٹھالیتے ہیں جس کی بابت پہلے ہم نے کبھی خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا ہوتا۔'' کامیش پوری توجہ اس پر مرکوز کیے سن رہا تھا۔ فراز قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔
''لندن میں میرے سامنے ایک ایسی ہی صورت حال درآئی ماریہ سے میری ملاقات وہاں ایک شاپنگ مال میں ہوئی۔'' پھر اس نے کامیش شاہ کے سامنے سب کچھ گوش گزار کردیا۔ فراز جب خاموش ہوا تو کامیش نے اسے پُرسوچ نگاہوں سے دیکھا۔ پھر ایک ہنکارہ بھر کر استفہامیہ لہجے میں بولا۔
''فراز اب تم کیا کرو گے؟ کیا ماریہ سے جڑا کاغذی رشتہ ختم کردو گے یا پھر اسے حقیقی رشتے میں بدل دو گے؟''
''کیا مطلب کامیش؟'' وہ واقعی نہیں سمجھا۔
''مطلب یہ میرے بھائی کہ ماریہ کو میری پرمیننٹ والی بھابی بناؤ گے یا پھر اسے اس راستے تک لاکر چھوڑ دو گے؟''
فراز اب بھی اسے الجھی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا رہا تو کامیش جیسے سر پکڑ کر رہ گیا۔
''ارے میرے احمق بھائی آخر تم کب تک اس خوب صورت رشتے کو صرف کاغذ کی حد تک محدود رکھو گے مجھے چاچو اور ڈیڈ کو دادا تو تم ہی بناؤ گے ناں۔'' وہ بے حد شوخی سے بولا۔ تو فراز بے ساختہ جھینپ اٹھا۔
''شٹ اپ کامیش یہ تم کس قسم کی باتیں کررہے ہو۔''
''میں وہی باتیں کررہا ہوں میرے بھائی جو اس رشتے کا تقاضا ہیں۔'' وہ ہنوز لہجے میں بولا۔
''ہمارے درمیان صرف کاغذی رشتہ ہے۔''
''تو اس رشتے کو جذبوں میں بدل دو۔'' وہ فوراً بولا۔
''اف کامیش ہماری یہی کمٹمنٹ ہوئی تھی۔''
''کمٹ منٹ تو کب کی پوری ہوچکی ہے فراز اب اس رشتے کو آگے بڑھاؤ۔''
''کامیش تم سمجھ نہیں رہے۔'' فراز جھنجھلا اٹھا۔
''تم نہیں سمجھ رہے فراز ماریہ جیسی مکمل اور خوب صورت لڑکی ہی تمہارا نصیب ہے۔ تم اس حقیقت سے آنکھیں بند کرکے صرف اپنی زندگی کے حسین لمحات کو ضائع کررہے ہو۔'' کامیش رسانیت سے بولا تو فراز منہ کھولے بھونچکا سا بیٹھا اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر معاً اسے کچھ یاد آیا تو خود کو سنبھالتے ہوئے انتہائی چڑ کر بولا۔
''میں یہاں تم سے اتنی اہم بات کرنے آیا تھا اور تم نے تو میرے ہی لتے لینے شروع کردیئے۔ اینی ویز کامیش مجھے تم سے ایک بہت خاص بات کرنی ہے۔''
''بولو میں سن رہا ہوں۔'' وہ مگن سے انداز میں بولا تو فراز نے اسے ایک نگاہ دیکھا پھر نرمی سے بولا۔
''کامیش اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ کوئی انسان ہمیں ٹوٹ کر چاہتا ہے ہم سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہے اپنی دعاؤں اور سجدوں میں صرف ہمیں مانگتا ہے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' کامیش نے اسے ناسمجھی والے انداز میں

دیکھا' فراز ابھی مزید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یک دم فضاء میں گونجتے ایک نسوانی قہقہے نے ان دونوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔ وہ بلاشبہ سونیا تھی جو انتہائی چست اور بیہودہ لباس میں ایک لڑکے کے ہمراہ قہقہے لگا رہی تھی۔ جب کہ وہ لڑکا بات کرتے ہوئے کبھی سونیا کا ہاتھ پکڑتا' کبھی اس کے شانوں پر اپنا بازو رکھ لیتا کامیش نے یہ منظر کچھ دیر انتہائی ضبط سے دیکھا' اسے آس پاس سے سونیا کے متعلق بخوبی اطلاعات مل رہی تھیں کہ وہ آج کل کیا کرتی پھر رہی ہے' مگر ساحرہ نے اپنی قسم دے کر اسے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے پابند کر رکھا تھا' مگر اس لمحے تو جیسے اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ سونیا نے ہنستے ہوئے اپنا سر اس کے سینے پر ٹکایا تھا۔ وہ اب بھی اس کے نکاح میں تھی۔ کامیش سے یہ بے حیائی کا منظر برداشت نہیں ہوا' وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا فراز بھی یہ سب دیکھ کر خاصا گھبرا گیا تھا وہ بھی کامیش کے پیچھے لپکا۔ سونیا جو اس پل طلحہ کی بانہوں میں تھی۔ یک دم کسی نے اس کا بازو زور سے کھینچا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کردیا۔ سونیا کی آنکھوں کے سامنے ایک لمحے کے لیے اندھیرا چھایا گیا تھا۔

''بے شرم' بے حیا عورت' تو یہ تھی تمہاری اصلیت جس پر شرافت کا پردہ تم نے ڈال رکھا تھا۔'' کامیش کو اچانک سامنے دیکھ کر سونیا تھوڑا سہم سی گئی۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس کے اندر کی ضدی اور بدتمیز عورت بیدار ہوئی۔

''بے شرم اور بے حیا انسان تو تم ہو کامیش شاہ تم' ہنہ تم جیسے بظاہر نظر آنے والے مرد اپنی بیوی کو آسودہ نہیں کرسکتے تو پھر انہیں دوسرے سہارے تلاش کرنے ہی پڑتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے سونیا نے طلحہ کا بازو تھاما جو کامیش کو دیکھ کر بھیگی بلی کی طرح کھڑا تھا۔ فراز نے اس لمحے انتہائی گھبرا کر کامیش کو دیکھا' جس کا چہرہ اشتعال کے مارے سرخ ہوگیا تھا۔ اس نے اپنی مٹھیوں کو بھینچ کر بمشکل اپنے اندر سے امڈتے لاوے پر بندھ باندھا' سونیا نے اس کی مردانگی پر بڑی کاری ضرب لگائی تھی۔ کامیش نے اسے بے حد استہزائیہ نگاہوں سے دیکھا' پھر اس کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''دراصل تم جیسی تھرڈ کلاس لڑکی میری قربت کے قابل ہی نہیں تھی۔ سونیا اعظم خان' میں بہت جلد اس لڑکی کو تمہارے سامنے لاؤں گا۔ جو میری محبت' الفت اور میرے ہر جذبے کی مالک ہوگی جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔'' کامیش نے آخر میں سونیا کے اوپر انگلی اٹھائی اور پھر تیزی سے وہاں سے پلٹ گیا تھا۔

❀......❀......❀

خاور حیات آج کل جیسے انگاروں پر لوٹ رہا تھا یہ جان لیوا حقیقت جان کر کہ حورین اس کی ہوتے ہوئے بھی اس کی نہیں تھی۔ وہ وہاں سے لٹے پٹے جواری کی مانند باہر نکلا تھا۔ پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا تقریباً آدھے گھنٹے بعد حورین گھر سے نکلی اور حیرت انگیز طور پر اس پل بالکل نارمل لگ رہی تھی اور سہولت سے ڈرائیونگ کرکے گھر پہنچ گئی تھی۔ جب کہ خاور اس کے پیچھے پیچھے گاڑی چلاتا گھر پہنچا تھا۔ اس شام حورین بالکل نارمل سے انداز میں خاور کے سامنے آئی مگر خاور تو جیسے اندر سے بالکل ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ شدید اذیت اور تکلیف سے بچنے کے لیے اس نے سلیپنگ پلز لی تھیں مگر جب آنکھ کھولی تو وہی دردناک انکشاف پہلے سے کہیں زیادہ تکلیف اور اذیت اس کے اندر حلول کر گیا تھا۔ عنایہ آج بہت دنوں بعد باسل ولا آئی تھی۔ باسل ولا کے ساتھ خاور نے بھی خوش گواری سے اس کا استقبال کیا تھا۔ عنایہ کے ہمراہ ایک چھوٹی سی بہت کیوٹ بچی بھی تھی۔

''ارے عنایہ یہ باربی ڈول کون ہے شی از ویری پریٹی۔'' باسل تقریباً چار سالہ بچی کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

''یہ پری وش ہے میری کزن کی بیٹی..... آج کل وہ ٹورنٹو سے آئی ہوئی ہے ہمارے گھر' لہٰذا میں اسے بھی اپنے ساتھ لے آئی۔'' عنایہ پری وش کے سلیقے سے بندھے بالوں کو مزید سیٹ کرتے ہوئے بولی تو باسل نے اثبات میں سر ہلاتے

ہوئے کہا۔
"بہت اچھا کیا' پری وش ادھر آؤ۔" باسل پری وش سے باتیں کرنے لگا تو عنایہ خاور حیات کے ساتھ گفتگو میں محو ہوگئی۔ اسی اثناء میں حورین وہاں آئی تو جونہی اس کی نگاہ پری وش پر پڑی تو بری طرح چونک اٹھی۔ پھر دوسرے ہی پل اس پر شادیٔ مرگ جیسی کیفیت طاری ہوگئی۔
"لالہ..... میری گڑیا لالہ....." حورین تیز آواز میں بولی تو یک لخت تینوں نفوس نے چونک کر حورین کو دیکھا۔
"لالہ میری جان تم آ گئیں۔" یہ کہہ کر حورین بجلی کی تیزی سے پری وش کے پاس آئی اور باسل سے چھین کر اسے خود سے لگا کر روتے ہوئے بولی۔
"میری چندا میری جان مما سے ناراض ہوگئی تھیں' آئی ایم سوری میری جان مما کو معاف کردو۔" پھر وہ اسے دیوانوں کی طرح چومنے لگی عنایہ اور باسل ہک دک سے کھڑے ہوکر حورین کو دیکھتے رہ گئے۔ جب کہ ششدر تو خاور حیات بھی رہ گیا۔ پری وش حورین کی اس دیوانگی پر اچانک رونے لگی۔
"نہیں میری چندا روتے نہیں' دیکھو مما آپ کے پاس ہیں۔" بچی کے رونے میں اور شدت آئی خاور حیات جیسے ہوش میں آیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر حورین کو بازو سے تھام کر بولا۔
"حورین یہ لالہ رخ نہیں ہے تم پلیز اپنے کمرے میں چلو۔" جواباً حورین نے خاور کو پوری شدت سے دھکا دیا تو وہ بری طرح لڑکھڑا گیا۔
"خبردار..... خبردار خاور حیات جو تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔" وہ تیزی سے بولتی دوبارہ پری وش کو پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔
"تم اب میرے اور لالہ رخ کے درمیان نہیں آ سکتے لے جاؤ اپنے بیٹے باسل کو اپنے ساتھ میں اپنی لالہ کے پاس رہوں گی۔" اس نے پری وش کو اپنی گود میں بھر لیا جس نے اب زور زور سے رونا شروع کردیا تھا جب کہ باسل اور عنایہ تو جیسے حیرت و تحیر کے عالم میں تھے، خاور کو بھی اس لمحے طیش آ گیا۔
"حورین چھوڑو اس بچی کو یہ لالہ رخ نہیں ہے۔" اس نے آگے بڑھ کر بچی کو حورین سے چھین کر بت بنی عنایہ کے حوالے کیا تو حورین جیسے شیرنی کی طرح بپھر اٹھی۔
"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیٹی کو مجھ سے الگ کرنے کی۔" حورین خاور کا گریبان پکڑ کر چلائی تو خاور نے بے پناہ اشتعال کے عالم میں تھپڑ رسید کر ڈالا۔
"ڈیڈ....." باسل جیسے تڑپ اٹھا جب کہ حورین کو جیسے دورہ پڑ گیا تھا۔
"تم میری بچی کو مجھ سے الگ نہیں کرسکتے میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔ وہ میری بچی مجھے۔" وہ جنونی انداز میں چلاتے ہوئے خاور کی بانہوں میں بے ہوش ہوکر جھول گئی تھی۔

❀......❀......❀
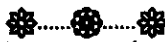
لالہ رخ فراز شاہ سے ملنے اس کے اپارٹمنٹ میں آئی تو ماریہ نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر اس کا استقبال کیا' مگر ماریہ کا چہرہ پہلے کی طرح فریش ہونے کی بجائے کافی اترا اور تھکا ہوا لگا جبکہ آنکھوں کی مخصوص چمک بھی اس پل مفقود تھی۔
"کیا بات ہے ماریہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اتنی ڈل کیوں لگ رہی ہو؟" لالہ رخ کو وہ بالکل اپنی بہن زرتاشہ کی طرح لگا کرتی تھی البتہ زرتاشہ میں کافی بچپنا اور لاابالی پن تھا جب کہ ماریہ خاصی میچور اور سنجیدہ لڑکی تھی۔
"کچھ نہیں بس تھوڑی تھکن فیل ہورہی ہے۔" اسی دم فراز پرفیوم اور کلون کی خوشبوئیں بکھیرتا اپنے کمرے سے باہر آیا

غالباً وہ ابھی باتھ لے کر آیا تھا۔ لالہ رخ کو دیکھتے ہی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"ارے تم آ گئیں میں تمہارا ہی ویٹ کررہا تھا۔"

"فراز ماریہ کو فیور ہے تم اسے ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں لے کر گئے۔" لالہ رخ اس کی بات کو نظر انداز کر کے سنجیدگی سے بولی تو فراز نے بے ساختہ گردن گھما کر ماریہ کو دیکھا' جس کا ستا چہرہ تو وہ صبح سے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ماریہ کو فیور ہے؟"

"اف فراز لاپروائی کی بھی حد ہوتی ہے کیا تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ ماریہ کی طبیعت ٹھیک نہیں؟ اچھا اب فوراً سے پیشتر اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ۔" پھر لالہ رخ نے ماریہ کو اسی وقت فراز کے ہمراہ روانہ کردیا' حالانکہ ماریہ ڈاکٹر کے پاس جانے سے تغافل برت رہی تھی۔ لالہ رخ فراز کے کہنے پر وہیں ان کے آنے تک ٹھہر گئی تھی۔ اس نے وقت گزاری کے لیے ٹی وی آن کرلیا تھا۔ اسے بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ یک دم ڈور بیل کی آواز پر وہ بے ساختہ چونک اٹھی۔ پھر معاً اسے ماریہ کی بات یاد آئی جو کہہ کر گئی تھی کہ نیچے کی مارٹ سے کوئی بندہ کچھ سامان لے کر آئے گا ماریہ کو جو کچھ چاہیے ہوتا تھا وہ فون کر کے نیچے مارٹ سے منگوالیا کرتی تھی اور سلیز مین خود گھر آ کر دے جایا کرتا تھا۔ لالہ رخ نے یہ ہی سوچ کر بڑے اطمینان سے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا مگر سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر وہ یک دم اپنی جگہ رک سی گئی۔ اونچا لمبا قد اور بیش قیمت ڈریسنگ میں کھڑا یہ شخص کوئی سیل مین تو نہیں تھا' جس کی گندمی رنگت اور بے حد جاذب و منفرد نین نقوش نے اسے قابل توجہ بنادیا تھا۔ لالہ رخ سامنے والے کی خوب صورتی سے دل ہی دل میں خاصی متاثر ہوگئی تھی۔

"یہ بندہ ایشین تو نہیں لگ رہا نہ ہی فارنر لگ رہا ہے۔" وہ بے ساختہ مدھم آواز میں بولی۔ پھر اس نے اپنی سوچوں کو جھٹک کر اس شخص کی جانب دیکھا تو اسے خود کو بڑی توجہ سے دیکھتے پایا۔

"جی آپ کو کس سے ملنا ہے؟" وہ مودبانہ انداز میں بولی۔

"مسٹر فراز کو پلیز باہر بلوائیے۔" مقابل کا انداز کافی روڈ تھا۔

"وہ تو اس وقت گھر پر نہیں۔"

"تو پھر ماریہ کو باہر بھیجیے۔"

"ماریہ بھی......" کہتے ہوئے یک لخت لالہ رخ کے دماغ میں اسپارک ہوا تو اس نے بے پناہ چونک کر ابرام کو دیکھا' پھر وہ جیسے لمحے کے ہزارویں حصے میں سمجھ گئی کہ سامنے کھڑی شخصیت کون اور کہاں سے آئی ہے وہ ایک دم سے الرٹ ہو کر چہرے پر خوش گواری لاتے ہوئے بولی۔

"مسٹر ابرام ہیں ناں آپ؟ ماریہ کے بھائی...... پلیز اندر آئیے۔" جواباً ابرام نے لالہ رخ کو جن نگاہوں سے دیکھا وہ اسے خوامخواہ میں خجل اور خفیف سا کر گئیں' پھر وہ خاموشی سے آگے بڑھا تو لالہ رخ نے جلدی سے راستہ چھوڑا' انتہائی دلفریب کلون اور پرفیوم کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو وہ بے اختیار ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"اف فراز تم گھر پر موجود نہیں ہو اب بھلا میں اکیلی اس اینگری مین کا سامنا کیسے کروں گی۔" وہ بڑبڑائی۔

❀......❀......❀
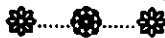
کامیش شاہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑا بڑی دقتوں سے اپنے اشتعال پر بند باندھ رہا تھا' اسے سونیا اعظم خان پر بے تحاشہ طیش آرہا تھا' اس نے اس کی مردانگی کو للکارا تھا' وہ اس کے عزائم سے بخوبی واقف تھا۔ اب وہ فراز کو بھول کر صرف اسے ذلیل اور رسوا کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ تو لمحہ ضائع کیے بنا اسے کھڑے کھڑے طلاق دے دیتا مگر ساحرہ نے اپنی جان لینے کی دھمکی دے کر اسے اس اقدام سے روکے رکھا تھا' کچھ سوچ بچار کے بعد وہ سمیر شاہ کے سامنے جا کھڑا

ہوا جو اس وقت اسٹڈی روم میں موجود تھے۔

"ڈیڈ میں ابھی اور اسی وقت شادی کرنا چاہتا ہوں۔" سمیر شاہ جو اس پل بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھے تھے۔ یہ بات سن کران کے ہاتھوں سے کتاب چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

"واٹ......! کیا کہا تم نے؟"

"یس ڈیڈ میں فوراً سے بیشتر شادی کرنا چاہتا ہوں آپ اور فراز میرے لیے لڑکی تلاش کیجیے چاہے وہ لولی ہو یا لنگڑی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا' بس مجھے فوراً شادی کرنی ہے اوکے۔" وہ جس طرح سے آیا تھا اسی طرح واپس لوٹ گیا' سمیر شاہ نے کچھ بھی نا سمجھتے ہوئے اپنا سر ہاتھوں میں گرالیا پھر کچھ دیر بعد ان کے لبوں پر انتہائی دلکش سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

❁......❁......❁

سٹنگ روم میں وہ بالکل ابرام کے مقابل بیٹھی تھی۔ اس پل اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں عدالت لگی ہوئی ہے اور وہ ابرام کے سامنے کٹہرے میں کھڑی ہے۔ لالہ نے اسے بڑے سبھاؤ سے تمام تفصیل بتائی تھی کہ کس طرح فراز نے ماریہ کی مدد کرتے ہوئے اس سے پیپر میرج کر کے یہاں بالکل محفوظ اور آرام سے رکھا' اس تمام گفتگو کے دوران ابرام جن نگاہوں سے لالہ رخ کو دیکھتا رہا وہ پتہ نہیں کیوں اسے بار بار پزل کرتی رہیں۔

"ہمنہہ میں خوامخواہ میں اس سے ایمپریس ہو رہی ہوں' اب یہ ایسا ایالو بھی نہیں۔" وہ دل ہی دل میں خود سے بولی۔ وہ ایک خود اعتماد اور بردبار لڑکی تھی۔ آج سے پہلے بہت سے مرد اس کی نظروں کے سامنے سے گزرے تھے۔ بہت سے مردوں سے جاب کی بدولت ڈیلنگ بھی کی تھی' مگر وہ کبھی کسی کے سامنے اتنی کنفیوژ اور پزل نہیں ہوئی تھی۔

"ابرام صاحب آپ پلیز فراز اور ماریہ سے بدگمان مت ہوں' یقین کیجیے فراز تو آپ کے سامنے بہت گلٹی فیل کرتا ہے کہ اس نے آپ کو اس سارے قصے سے لاعلم رکھا' مگر اس وقت حالات ہی کچھ ایسے ہوگئے تھے' آئی ہوپ آپ اس بات کو سمجھیں گے۔" لالہ رخ اپنے اعتماد کو ایک بار پھر بحال کر کے مضبوط لہجے میں بولی۔ "اف اس کی آنکھیں ہیں یا مقناطیس۔ یہ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہا ہے' یہ فراز اور ماریہ نجانے کہاں رہ گئے۔" وہ دل ہی دل میں انتہائی جھنجھلا کر خود سے بولی۔ پھر ابرام سے مخاطب ہو کر گویا ہوئی۔

"آپ پلیز آرام سے بیٹھیے میں آپ کے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔"

"مس لالہ رخ آپ بیٹھ جائیے' مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں" ابرام گمبھیر لہجے میں بولا تو وہ جو اس کے سامنے سے بھاگنا چاہتی تھی یک دم مایوس سی ہو کر بیٹھ گئی' جب ہی وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گویا ہوا۔

"کیا آپ لوگوں کو اس بات کا اندازہ ہے کہ یہ سب کرنے سے میری مدر پر کیا گزری ہوگی' نہیں کتنا گہرا شاکڈ پہنچا ہوگا' ماریہ تو یہاں بڑے آرام سے فراز کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے اور وہاں اس نے میری ماں کو زندہ درگور کر دیا۔" لالہ رخ نے خاموشی سے اس کی بات کو سنا' پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"میں مانتی ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا وہ ٹھیک نہیں تھا' یقیناً آپ کی مدر کو بہت صدمہ ہوا ہوگا' مگر ابرام صاحب' کیا یہ درست ہوتا کہ ماریہ کو صرف دین اسلام قبول کرنے پر ایک عبرت ناک موت سے ہمکنار کر دیا جاتا یا پھر اسے زدوکوب کر کے اسے سابقہ مذہب پر زبردستی لا کر اس کی زندگی کو موت سے بھی بدتر بنا دیا جاتا' جہاں وہ پل پل جیتی اور مرتی' آپ مجھے بتائیے کہ اس معصوم لڑکی کا بھلا قصور کیا ہے؟ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق سب کو حاصل ہے' اگر وہ اسلام کے طرز عمل پر اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہے تو اس میں غلط کیا ہے؟" پیچ اینڈ آف وائیٹ کنٹراسٹ کے لان کے سوٹ میں اپنے لمبے بالوں کی سادہ سی چوٹی بنائے کانوں میں زرقون کے چمکتے ٹاپس پہنے وہ ابرام کو بے حد مکمل لگ رہی تھی۔

''اور رہا یہ سوال کہ وہ یہاں بڑے آرام سے زندگی گزار رہی ہے تو ابرام صاحب وہ ہر لمحہ آپ دونوں کو یاد کرتی ہے چھپ چھپ کر آنسو بہاتی ہے مجھے معلوم ہے وہ اپنا درد کسی سے کہتی نہیں مگر آپ اور اپنی ماں کی یاد میں دن و رات سلگتی ہے۔اس کی خوشیاں ابھی ادھوری ہیں۔ جنہیں مکمل صرف اس کا بھائی کرسکتا ہے۔ جسے اس پر بہت مان ہے۔'' ابرام نے چونک کر سامنے بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا جیسی اس کی شخصیت سحر انگیز تھی قدرت نے اس کے لفظوں میں بھی کوئی خاص تاثیر بخشی تھی وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ دونوں کے درمیان اس لمحے گہری خاموشی چھا گئی تھی لالہ رخ سر جھکائے نجانے کن سوچوں میں گم ہوگئی تھی۔ پھر یک دم وہ ڈور بیل پر چونکے۔

''میرے خیال میں وہ لوگ آ گئے ہیں۔'' لالہ رخ یہ کہہ کر اپنی جگہ سے تیزی سے اٹھی اور جلدی سے ڈور کھول دیا۔

''سوری لالہ ہمیں تھوڑی دیر ہوگئی یہ میڈم انجکشن لگوانے کو تیار ہی نہیں تھیں۔'' فراز کہتے ہوئے جونہی اندر آیا تو ابرام پر نگاہ پڑتے ہی وہ ساکت رہ گیا۔ جب کہ اس کے پیچھے اپنی جون میں آتی ماریہ جیسے ساکت سی ہوگئی پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں بے تحاشا برس پڑیں۔

''برو......'' یہ کہہ کر وہ بھاگ کر اس کے کشادہ سینے سے لپٹ گئی جوان دونوں کو اندر آتے دیکھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

''آئی ایم سوری برو...... پلیز مجھ سے خفا مت ہوئیے۔'' ماریہ ہچکیوں کے درمیان بمشکل بولی۔ ابرام نے ناراضی سے اسے خود سے دور کرنا چاہا مگر اس نے اسے اور زیادہ شدت سے پکڑ لیا ابرام نے فراز کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھنا چاہا تو اس نے بے اختیار اپنے دونوں کان پکڑ لیے ابرام نے بڑی دقتوں سے ہونٹوں پر درآنے والی مسکراہٹ کو پیچھے دھکیلا تھا۔

❀......❀......❀

حورین کو ڈاکٹر خواب آور انجکشن لگا کر جاچکا تھا۔ رات ہوچکی تھی عنایہ اپنی بھانجی کو لے کر اسی وقت چلی گئی تھی۔ خاور حورین کو محو خواب دیکھ کر اسٹڈی میں جا کر بند ہوگیا مگر باسل اس وقت سے اب تک لاؤنج میں ہی تھا۔ اپنی ماں کی آج کی کیفیت نے اسے اذیت و تکلیف کے گہرے سمندر میں اتار دیا تھا یقیناً اس کے باپ نے اس سے بہت سی سچائیوں سے بے خبر رکھا تھا جو یقیناً انتہائی تلخ اور کرب آمیز تھیں اپنے دکھتے سر کو اس نے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا جب ہی اسی اثناء میں خاور حیات تھکے ہوئے کھلاڑی کی طرح اس کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔ باسل نے نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں وہ ہنوز اسی انداز میں بیٹھا رہا کچھ توقف کے بعد خاور حیات کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''میں' سمیر اور احتشام ہم تینوں کالج فرینڈ تھے احتشام ایک مڈل فیملی سے تعلق رکھتا تھا مجھے اس کی ڈیشنگ پرسنالٹی اور خوب صورتی سے ہمیشہ حسد رہا لڑکیاں میری دولت سے متاثر ہو کر میرے قریب تو آجاتی تھیں مگر احتشام کی وجاہت پر آہیں بھرتی تھیں حورین احتشام کی خالہ زاد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی منگیتر بھی تھی......'' باسل جو سر نیہوڑائے بیٹھا تھا اس بات پر سرعت سے سر اٹھا کر اپنے باپ کو دیکھنے لگا۔ ''میں ویسے ہی احتشام سے بہت حسد کرتا تھا اس کی منگیتر کی خوب صورتی دیکھ کر اور بھی زیادہ جل بھن گیا اور پھر نجانے کب اور کیسے مجھے حورین سے محبت ہوگئی۔ میں اسے حاصل کرنے کے لیے پاگل ہوچلا مجھے ہر قیمت پر حورین چاہیے تھی مگر میری بدقسمتی یہ ہوئی کہ ایک اسکینڈل کی وجہ سے مجھے ملک سے باہر جانا پڑا اور میرے پیچھے حورین احتشام کی دلہن بن گئی۔'' باسل حیات ششدر سا خاور کو دیکھتا رہا۔

''ت...... تو آپ کی شادی مام سے کیسے ہوئی؟'' وہ انتہائی ہونق ہو کر بولا تو باسل نے ایک گہری سانس کھینچی پھر گویا ہوا۔

''میں نے احتشام کی کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھایا وہ اپنی غربت سے بے حد عاجز تھا راتوں رات امیر بننا چاہتا تھا بس اسی بدولت میں نے احتشام کو اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ اسے ملک سے باہر بھیجا اور وہاں جا کر اس نے حورین کو طلاق

بھیج دی۔"
"اور پھر آپ نے مام سے شادی کرلی۔" وہ تیزی سے بولا تو خاور نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر معاً ایک خیال اس کے ذہن میں آیا تو ہنوز لہجے میں استفسار کرتے ہوئے بولا۔
"اور یہ لالہ کون ہے؟" خاور نے بے اختیار اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچا جیسے یہ ہستی اس کے لیے انتہائی ناپسندیدہ ہو، پھر کچھ دیر بعد عجیب سے لہجے میں بولا۔
"احتشام اور حورین کی بیٹی۔"
"واٹ.....؟" باسل حیات کو اس لمحے لگا جیسے ساتوں آسمان اس پر ایک ساتھ ہی ٹوٹ پڑے ہوں۔
"مام کی کوئی بیٹی بھی تھی.....؟" وہ بھونچکا سا ہو کر خود ہی سے الجھ کر بولا۔ پھر خاور حیات کو دیکھ کر بے صبری سے گویا ہوا۔
"کہاں ہے وہ ڈیڈ پلیز ٹیل می۔" اضطراب اور بے قراری کا سمندر جیسے اس کے اندر امڈ آیا تھا۔
"وہ بہت عرصہ پہلے مر چکی ہے۔"
"مر چکی ہے.....! کیا مطلب ڈیڈ پلیز مجھے سب کھل کر بتایئے کہاں ہے لالہ رخ؟" خاور کے جواب پر وہ مزید الجھا۔
"یہ سچ ہے کہ لالہ رخ جب تین سال کی تھی اس وقت ہی اس کی ڈیتھ ہوگئی تھی، میں احتشام کی نشانی کو کسی طور برداشت نہیں کر پا رہا تھا، میں نے حورین سے وعدہ خلافی کرتے ہوئے اسے اتنا مجبور کردیا کہ وہ ہماری پرانی ملازمہ کی بیٹی جو بے اولاد تھی اسے دینے پر تیار ہوگئی۔" باسل بے حد حیرت و تاسف سے اپنے باپ کو دیکھتا رہ گیا۔ "وہ عورت اس بچی کو اپنے ساتھ مری لے گئی اور وہاں لینڈ سلائیڈنگ کے حادثے کا شکار ہو کر اپنے شوہر اور لالہ رخ کے ساتھ ہی مرگئی۔"
"ک.....کیا؟"
"ہاں باسل لالہ رخ وہاں جاتے ہی حادثے کا شکار ہوگئی تھی، حورین یہ اطلاع سن کر کچھ دن بہت روئی مگر بعد میں نارمل ہوگئی، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ صدمہ اس کے خون میں ہمیشہ کے لیے شامل ہو کر اسے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہا ہے۔" باسل سکتے کی کیفیت میں بیٹھا اپنے باپ کو یک ٹک دیکھتا رہا، پھر دوسرے ہی لمحے وہ ہنستا چلا گیا، خاور حیات نے انتہائی تحیر کے عالم میں اسے یوں دیوانوں کی مانند ہنستے ہوئے دیکھا، پھر بڑی مشکل سے وہ اپنی ہنسی پر قابو پا کر بولا۔
"واہ ڈیڈ واہ آپ تو بہت گریٹ نکلے۔ دنیا کے عظیم اور بہترین باپ میرے آئیڈیل ہاہ....." خاور حیات بے اختیار اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ باسل اپنی جگہ سے اٹھ کر مسکراتے ہوئے اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے ہوئے ایک بار پھر بولا۔
"کتنے اچھے انسان ہیں ناں آپ جس نے اپنے دوست کو دھوکہ دیا، اس کی بیوی کو چھین کر اپنے گھر کی زینت بنالیا اور تو اور اس کی اولاد کو ایک ناگوار بوجھ کی طرح اٹھا کر باہر پھینک دیا۔"
"وہ خود حورین سے جان چھڑانا چاہتا تھا، اس نے حورین کی کبھی قدر نہیں کی بلکہ وہ تو اس سے شادی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، صرف حورین کے پیسوں کی خاطر احتشام نے اس سے شادی کی تھی۔" خاور فوراً سے پیشتر بولا تو باسل اپنی جگہ رک کر انتہائی مشتعل انداز میں بولا۔
"احتشام نے جو کچھ کیا مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ڈیڈ مگر آپ نے جو کچھ مام کے ساتھ کیا وہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ آپ نے مام پر بہت بڑا ظلم کیا ہے، ڈیڈ نہ صرف مام پر بلکہ اس معصوم سی ننھی بچی پر جسے اس کی ماں سے آپ نے جدا کردیا تھا۔" پھر وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا گیا، جب کہ خاور حیات عجیب سی کیفیت میں گھرا اسے دیکھتا رہا۔

”میری مام اپنے اندر اتنا بڑا دکھ اور غم چھپائے بظاہر مسکراتی رہیں، ہمیں اور اس گھر کو سنبھالتی رہیں اور خود رفتہ رفتہ بکھرتی رہیں اُف میرے اللہ کتنا بڑا ظلم کیا آپ نے ڈیڈ۔“ باسل کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گرا۔
”باسل......“ خاور حیات تڑپ کر اس کی طرف بڑھا مگر باسل نے انتہائی غصے میں اس کے ہاتھوں کو جھٹک دیا پھر نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ کر بولا۔
”میری مام کو اس حالت تک پہنچانے والے آپ ہیں مسٹر خاور حیات صرف آپ۔“ خاور حیات باسل کے لب و لہجے سے جھلکتی حقارت دیکھ کر ششدر سا ہو کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ ”اگر میری مام کو کچھ بھی ہوا تو میں آپ کی صورت زندگی بھر نہیں دیکھوں گا۔“ وہ روہانسے لہجے میں کہتا دوسرے پل بچوں کی مانند بلک بلک کر رو دیا جب کہ خاور حیات کو اس لمحے لگا جیسے آج وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار گیا ہو۔

❀......❁......❀
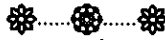
پچھلے کچھ دنوں سے سورج اپنی شعاعیں زمین پر انگاروں کی طرح برسا رہا تھا گرمی اپنے عروج پر تھی، جس سے ہر کوئی ہی بے زار دکھائی دے رہا تھا لیکن آج صبح موسم ابر آلود تھا بارش کی بھی پیشن گوئی تھی مگر ماحول میں حبس برقرار تھا زرتاشہ کی بھی طبیعت پر موسم کا خاصا اثر تھا آج کل اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو رہا تھا اس وقت وہ دونوں ہاسٹل سے نکل کر اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف جا رہی تھیں جب ہی زرمینہ بڑے مگن انداز میں بولتی زرتاشہ کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر گئی۔
”تاشو آج موسم کتنا غضب کا ہو رہا ہے۔ دل چاہ رہا ہے اسے خوب انجوائے کروں۔“ لائیٹ پرپل اور سبز رنگ کے امتزاج کے لان کے سوٹ میں ملبوس زرمینہ واقعی بڑی خوش دکھائی دے رہی تھی۔
”زری تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں یہ حبس زدہ تندور کی تپش والا موسم تمہیں غضب کا لگ رہا ہے اور میرا تو دم گھٹ رہا ہے۔“ زرتاشہ اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے پھر زرمینہ پر نگاہیں جما کر انتہائی اچنبھے سے بولی تو زرمینہ تھوڑی کھسیانی سی ہوگئی پھر قدرے گڑبڑا کر بولی۔
”آ...... ہاں ہاں تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو واقعی موسم تو اچھا خاصا گرم ہے۔ اب اللہ جانے یہ گرمی کب ختم ہوگی۔“ زرتاشہ نے اسے ناسمجھی والے انداز میں دیکھا پھر سر جھٹک کر دونوں تیزی سے قدم اٹھانے لگیں سر عالم کی کلاس لے کر نکلیں تو باہر ہوتی بوندا باندی دیکھ کر دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔
”ارے واہ بارش یا اللہ آج بادل ٹوٹ کر برسیں۔“ زرمینہ لہک کر بولی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ زرتاشہ برستی بوندوں سے اپنا چہرہ بھگوتے ہوئے مسرور سی ہو کر بولی۔
”کتنی پیاری لگ رہی ہے نا بارش۔“ پھر معاً ایک خیال ذہن میں آیا تو زرمینہ کو دیکھ کر شرارت آمیز لہجے میں بولی۔
”اس پیارے سے موسم میں اگر وہ آ جائیں تو بارش کا حسن دوبالا ہو جائے۔“ جواباً زرمینہ نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا پھر مصنوعی خفگی سے بولی۔
”تاشو تم کبھی نہیں سدھرو گی آؤ کینٹین چل کر سموسے کھاتے ہیں۔“ اردگرد موجود تمام اسٹوڈنٹس اس لمحے موسم کی رنگینیوں کو بھرپور طور پر انجوائے کر رہے تھے۔ زرتاشہ اور زرمینہ بھی بے پناہ خوش گوار موڈ میں کینٹین کی طرف جا رہی تھیں کہ ایک دم زرمینہ رک گئی۔ جس وقت زرتاشہ نے وہ بات کہی تھی یقیناً وہ قبولیت کی گھڑی تھی جب ہی احمر یزدانی اس پل بارش میں بھیگتا اس کے سامنے موجود تھا۔
”ارے احمر بھائی آپ......! سچ میں ہم دونوں اس وقت آپ ہی کو یاد کر رہے تھے۔“ زرتاشہ کی خوشی اس پل قابل دید تھی وہ انتہائی مسرت آمیز لہجے میں بولی تو زرمینہ بے پناہ تپ کر تیزی سے کہہ اٹھی۔

”تاشو تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں میں بھلا انہیں کیونکر یاد کرنے لگی۔“ احمر یزدانی نے بے حد دلچسپی سے زرینہ کے پھولے چہرے کو دیکھا' پھر مسکرا کر گویا ہوا۔

”کوئی بات نہیں تاشو کوئی ہمیں یاد کرے یا نہ کرے مگر ہم تو انہیں ہر وقت یاد کرتے ہیں۔“ احمر کی بات پر زرتاشہ ہنسنے لگی تو زرینہ نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

”تاشو کی بچی اپنے دانت اندر کرو اور مسٹر احمر آپ.....“ وہ اب احمر یزدانی کی طبیعت صاف کرنے کی غرض سے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ ”آپ پر یہ چھچھورپن بالکل سوٹ نہیں کرتا اور یہ کیا آپ ہر وقت یہاں آجاتے ہیں آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے کیا؟“ احمر اسے لال بھبھوکا ہوتا دیکھ کر کان کھجانے لگا تھا تب ہی زرتاشہ تیزی سے بولی۔

”میں ابھی سموسے اور ڈرنکس لے کر آتی ہوں۔“

”خبردار جو تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو۔“ زرینہ زرتاشہ کی چالاکی کو خوب سمجھ گئی تھی جو یہاں سے رفو چکر ہونا چاہتی تھی' بارش اب بھی برس رہی تھی' مگر زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا۔

”افوہ زری احمر بھائی تمہیں کھا تھوڑی جائیں گے۔ میں بس یوں گئی اور یوں آئی۔“ وہ چٹکی بجا کر کہتی یہ جا وہ جا جب کہ زرینہ ”ارے ارے.....“ ہی کرتی رہ گئی' پھر اس نے انتہائی غصے سے احمر یزدانی کو دیکھنا چاہا مگر اس کی نگاہوں میں اُمڈتے منہ زور جذبات نے اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کردیا۔ اس پل محبت نے اسے شکست کے کنارے پر لا کھڑا کیا' اس نے ایک بار پھر احمر کو دیکھنا چاہا مگر پھر بے بسی سے اپنی نگاہوں کو جھکا کر جیسے محبت کے سامنے خود کو سرنگوں کردیا تھا۔

❀ ....❀.... ❀

باسل حیات اس پل انتہائی بکھرا بکھرا سا سمیر شاہ کے آفس میں بیٹھا تھا۔ خاور حیات کے جان لیوا انکشافات نے اسے جیسے اندر سے ادھیڑ ڈالا تھا وہ ان تمام باتوں کی تصدیق کرنے آج سمیر شاہ کے پاس چلا آیا تھا جو خاور حیات نے اسے بتائی تھیں اور جسے سن کر اس کے اندر باہر کی دنیا ایک ہی جست میں بدل گئی تھی۔ سمیر شاہ نے تقریباً وہی باتیں باسل حیات کے سامنے دہرائی تھیں جو خاور نے اسے بتائی تھیں۔

”خاور نے حورین کے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی' احتشام سے حسد اور نفرت میں وہ اتنا آگے نکل گیا تھا کہ اسے اس معصوم سی بچی پر بھی ذرا ترس نہیں آیا اگر احتشام نے حورین کو خون کے آنسو رلایا تھا تو خاور نے کون سا اس کے زخموں پر مرہم رکھا تھا' میرے نزدیک تو خاور بھی اتنا ہی سزاوار ہے جتنا احتشام' ایک ماں سے اس کی بچی چھین کر اس نے ایک ماں کے دل پر قہر ڈھایا تھا۔“ سمیر شاہ ملول سے ہوکر بولے تو باسل حیات تڑپ اٹھا۔

”انکل آپ نے ڈیڈ کو ایسا گناہ کرنے سے روکا کیوں نہیں؟ کیوں مام کی بیٹی کو ایک میڈ کے ساتھ جانے دیا' کیوں انکل آپ کے ہوتے ہوئے اتنا بڑا ظلم مام کے ساتھ کیسے ہوگیا؟ آپ کیوں نہ اس بچی کو اپنے گھر لے گئے حورین آپ کو اپنی بہنوں کی طرح عزیز تھی ناں تو پھر آپ کے ہوتے ہوئے یہ سب کیسے ہوگیا؟“ باسل حیات خود پر بے پناہ ضبط کرنے کے باوجود رو دیا' سمیر شاہ نے انتہائی اذیت آمیز نگاہوں سے اس پل اسے دیکھا پھر بے پناہ رنجیدگی بھرے لہجے میں بولے۔

”بیٹا ان دنوں میں پاکستان میں نہیں تھا' میری ماں کو جگر کا کینسر ہوگیا تھا۔ لاسٹ اسٹیج پر معلوم ہونے پر میں بے پناہ بدحواس اور پریشان ہوکر انہیں علاج کی غرض سے امریکہ لے گیا تھا تقریباً چار ماہ بعد وہیں ان کا انتقال ہوگیا تو میں واپس پاکستان آیا اور یہاں مجھے یہ روح فرساں اطلاع ملی کہ خاور نے احتشام کی نفرت میں لالہ رخ کو حورین سے چھین کر اپنی پرانی ملازمہ کی بانجھ بیٹی کے حوالے کردیا تھا جو اسے خوشی خوشی اپنے ساتھ مری لے گئی تھی اور پھر وہاں لینڈ سلائیڈنگ کے

حادثے کا شکار ہوکر لالہ رخ دنیا سے چلی گئی تھی۔" سمیر شاہ اب بالکل خاموش ہوگئے تھے۔ایک بارش باہر برس رہی تھی اور ایک سمیر شاہ کے کمرے میں باسل بے آواز اس پل بچوں کی طرح رورہا تھا' نمی تو سمیر شاہ کی بھی آنکھوں میں تھی' پھر انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تو باسل کی ہچکیاں اس لمحے کمرے میں گونجنے لگیں۔

❀......❀......❀
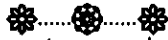
"برو اب آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں ناں؟ پلیز برو آپ فراز کی طرف سے بھی اپنا دل صاف کرلیں۔انہوں نے صرف میرے فورس کرنے پر میری مدد کی اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج آپ کی بہن آپ کے سامنے زندہ نہ بیٹھی ہوتی۔" ماریہ انتہائی لجاجت سے ابرام کا ہاتھ پکڑ کر بولی تو ابرام نے بے حد خفگی سے اس کے ہاتھ کو جھٹکا' پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"ماریہ یہ سب کچھ کرتے ہوئے تمہیں مام کا ذرا بھی خیال نہیں آیا کہ ان کے دل پر کیا گزرے گی؟ کتنی تکلیف اور دکھ پہنچے گا انہیں؟" فراز اس وقت آفس میں تھا ماریہ اور ابرام ہی اپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ماریہ اسے منانے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔

"کیوں نہیں ہوگا خیال برو وہ میری مام ہیں جو مجھے بے حد عزیز ہیں' مگر پلیز آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں' میں بہت مجبور تھی جیسکا نے سرپال اور میک کو میرے خلاف ثبوت دے دیئے تھے۔صرف موت ہی میرا مقدر بن جاتی اگر میں بروقت وہاں سے نکل نہ جاتی' مگر برو میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی' میں وہاں سے پہلے ہی بھاگ جانا چاہتی تھی۔ کیوں کہ اپنے ایمان کی حفاظت مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی۔" ابرام خاموش سا بیٹھا اس کی بات سنتا رہا' پھر دیرے سے قدرے توقف کے بعد بولا۔

"جیسکا کو اس کے کیے کی سزا مل گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" ماریہ بے ساختہ چونک کر ابرام کو دیکھتے ہوئے بولی۔ابرام نے بے اختیار ایک گہری سانس بھری' پھر گویا ہوا۔

"جیسکا اب اس دنیا میں نہیں ہے ماریہ وہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اپنی جان کی بازی ہار گئی تھی۔"

"واٹ......! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں برو یہ...... یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" پھر یک دم اس کا وجود جیسے بالکل ہی بے جان ہوگیا۔وہ صوفے پر ڈھے سی گئی۔جب کہ آنکھیں بے ساختہ بے دریغ آنسو بہانے لگیں۔

❀......❀......❀
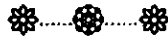
فراز نے لالہ رخ کو آج اپنے آفس میں بلالیا تھا وہ مہرو اور کامیش کے متعلق اس سے کچھ بات چیت کرنا چاہتا تھا' جب کہ اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ سے اس نے لنچ بھی یہیں پر منگوالیا تھا۔اچانک ہونے والی بارش نے موسم کو بے حد خوش گوار کردیا تھا لالہ رخ تو آنے کا ارادہ کینسل کرچکی تھی کیونکہ بارش میں جانے کی اس میں ہمت نہیں ہورہی تھی' مگر فراز شاہ نے بمعہ ڈرائیور گاڑی بھجوائی تو پھر اسے آنا پڑا' کھانے سے فارغ ہوکر وہ بڑی بے چینی سے فراز کے بولنے کی منتظر تھی جب ہی گرین ٹی کے سپ لیتے ہوئے وہ بڑی خوش دلی سے کہنے لگا۔

"لالہ تمہارے لیے ایک گڈ نیوز ہے۔" لالہ رخ نے اسے کافی بے صبری سے دیکھا' پھر اسے دوبارہ خاموش دیکھ کر اس بار وہ جھنجلا ہی اٹھی۔

"اُفوہ فراز میں کتنی دیر سے تمہارے بولنے کا انتظار کررہی ہوں اور تم ہو کہ کچھ بول کے ہی نہیں دے رہے' اب پلیز بتا بھی دو ناں۔" فراز نے اس کے صبیح چہرے پر چھائی بیزاری اور جھنجلاہٹ کے رنگوں کو دیکھا تو مسکرا کر بولا۔

"اوکے......اوکے تم پلیز ناراض نہ ہو' دراصل لالہ اس دن تو میں کامیش سے مہرو کے متعلق کوئی بات نہیں کرسکا ان

فیکٹ وہاں ہوا یوں کہ......" پھر فراز شاہ نے کلب میں ہونے والی سونیا اور کامیش کی جھڑپ کی بابت سب کچھ بتا ڈالا۔

"اوہ...... فراز یہ سب اچھا نہیں ہوا آخر سونیا کا پرابلم کیا ہے۔ وہ یہ سب کر کے کیا حاصل کرلے گی۔" لالہ رخ سب کچھ سن کر تاسف سے بولی تو فراز گویا ہوا۔

"تم سونیا کو چھوڑو اب میری آگے کی بات سنو۔" اس لمحے فراز کے لب و لہجے میں دبا دبا جوش اس نے صاف محسوس کرلیا تھا۔

"کامیش نے ڈیڈ سے خود کہا ہے کہ وہ جلد سے جلد کسی بھی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" فراز ڈرامائی انداز میں بولا تو لالہ رخ نے اسے ناسمجھی سے دیکھا۔ جب ہی فراز دوبارہ گویا ہوا۔ "ارے لالہ اپنا کامیش شادی کے لیے رضامند ہے بس تم فوراً سے پیشتر امی سے بات کرو میں اور ڈیڈ بس دو دن میں کامیش کو لے کر مہرو کا نکاح پڑھوانے آرہے ہیں۔" لالہ ہنوز ہونق پن سے اسے دیکھتی رہی جب ہی فراز سر پکڑتے ہوئے بولا۔ "اف لالہ تم اب بھی نہیں سمجھیں کیا، تم اتنی کند ذہن تو کبھی نہیں تھیں۔" اس پل لالہ رخ کی واقعی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اتنی بڑی خبر پر وہ کیا ری ایکشن دے۔

"مگر فراز پھر سونیا کا کیا ہوگا؟ وہ کامیش کی بیوی ہے اور......!"

"دیکھو لالہ میں نے تمہیں سونیا کے بارے میں جو کچھ بھی بتایا ہے اس کے اندر ذرا بھی کھوٹ نہیں ہے۔ وہ کامیش سے کبھی مخلص تھی ہی نہیں محض مجھ سے بدلہ لینے کے لیے اس نے کامیش سے شادی کی تم پلیز یہ فضول خرافات اپنے دماغ سے نکال دو کہ سونیا کے اوپر کوئی ظلم ہوگا۔" فراز اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے وہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ لالہ رخ اب خاصی مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

"ٹھیک ہے فراز تم آج شام امی سے آکر بات کرلو پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا طے کرتی ہیں۔" لالہ رخ سہولت سے بولی۔ پھر گھڑی دیکھتے ہوئے وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اب مجھے آفس ڈراپ کردو کیونکہ مجھے دیر ہورہی ہے۔" فراز اسے باہر تک چھوڑنے کی غرض سے لفٹ تک آیا تو اسی اثناء میں سمیر شاہ باسل حیات کے ہمراہ وہاں آن

پہنچے۔ لالہ رخ کو دیکھ کر دونوں ہی چونکے۔ جب کہ فراز باسل کو یہاں دیکھ کر خوش گوار حیرت سے گویا ہوا۔

''ارے باسل تم یہاں...... اور مجھ سے ملے بنا ہی جا رہے تھے۔ دس از ناٹ فیئر یار۔'' پھر معاً اسے کچھ خیال آیا تو وہ لالہ رخ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

''یہ میرے ڈیڈ ہیں سمیر شاہ اور یہ میری بہت اچھی فرینڈ ہیں لالہ رخ۔'' باسل اور سمیر دونوں کی کیفیت اس پل بالکل یکساں تھی دونوں منہ کھولے انتہائی چونک کر لالہ رخ کو دیکھتے رہے، جبکہ لالہ رخ نے یہ سن کر بہت احترام سے انہیں سلام کیا مگر سمیر شاہ تو بس یک ٹک سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھے جا رہے تھے جس کے نام نے ان کے اندر ایک عجیب سی ہلچل مچا دی تھی، باسل کی حالت بھی سمیر شاہ سے مختلف نہیں تھی۔ لالہ رخ ان دونوں کو اتنے عجیب وغریب انداز میں خود کو تکتا پا کر کچھ پزل سی ہوگئی، پھر قدرے گڑبڑاتے ہوئے فراز کو مخاطب کر کے بولی۔

''اچھا فراز میں اب چلتی ہوں کافی لیٹ ہوگئی ہوں۔'' ابھی وہ پلٹی ہی تھی کہ عقب سے اس نوجوان کی بے قراری آواز ابھری۔

''میم...... آپ وہی ہیں ناں جو مری کے ریسٹ ہاؤس ایورگرین میں جاب کرتی تھیں۔'' لالہ رخ حیران سی ہو کر واپس پلٹی پھر اس نوجوان کو قدرے غور سے دیکھا تو یک لخت ماضی کا ایک منظر پوری آب وتاب سے ذہن کے پردے پر روشن ہوگیا۔

''اوہ آپ تو وہی ہیں ناں جنہوں نے اس دن اس لڑکے کی پٹائی کی تھی ان فیکٹ میں آپ کو تھینکس کرنا چاہ رہی تھی مگر آپ وہاں سے چیک آؤٹ کر گئے تھے۔'' لالہ رخ باسل کو پہچان کر انتہائی خوش دلی سے بولی جب کہ سمیر شاہ ہنوز اسی پوزیشن میں کھڑے اسے دیکھتے رہے تھے۔ لالہ رخ سمیر شاہ کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے کافی پزل ہو رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے جانا چاہ رہی تھی۔ ''ٹھیک ہے فراز اب میں چلتی ہوں۔''

''آپ تو مری میں تھیں ناں پھر یہاں کیسے آ ئیں؟ میرا مطلب ہے کہ کراچی کسی کام سے آئی ہیں کیا۔'' باسل دوبارہ گویا ہوا تو لالہ رخ ایک پل کے لیے خاموش ہوئی۔ پھر چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولی۔

''میں اپنی فیملی کے ساتھ اب یہیں شفٹ ہوگئی ہوں۔''

''بیٹا آپ کے فادر کہاں ہوتے ہیں کیا نام ہے ان کا۔'' سمیر شاہ بالآخر بول اٹھے۔ لالہ رخ نے کافی الجھ کر انہیں دیکھا جب کہ فراز شاہ بھی اب ٹھٹک کر اپنے باپ کے عجیب وغریب ایٹی ٹیوڈ کو دیکھنے لگا تھا۔

''جی میرے فادر...... ان کی تو کچھ عرصہ پہلے ڈیتھ ہوچکی ہے۔ امیر علی نام تھا ان کا۔'' وہ سہولت سے بولی تو سمیر شاہ بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے فراز کو مخاطب کر کے خوش گواری سے گویا ہوئے۔ ''فراز بیٹا آپ نے تو کبھی اپنی فرینڈ سے ملوایا ہی نہیں۔''

''بس ڈیڈ موقع ہی نہیں ملا۔'' فراز نے مسکرا کر کہا تو لالہ رخ انہیں اللہ حافظ کہہ کر چلی گئی۔ جب کہ فراز بھی اسے نیچے تک چھوڑنے کی غرض سے اس کے ساتھ ہولیا۔

''باسل بیٹا دنیا میں صرف ایک ہی لڑکی کا نام لالہ رخ نہیں ہے۔'' سمیر شاہ نے گم صم کھڑے باسل کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ بے ساختہ اپنے دھیان سے چونکا پھر ایک گہری سانس بھر کر بولا۔

''انکل کاش یہی لالہ رخ ہوتی تو میں ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا انہیں مام کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیتا۔'' پھر کچھ سوچتے ہوئے قدرے توقف کے بعد کہنے لگا۔

''ویسے انکل ایک بات آپ نے نوٹس کی تھی ان کے چہرے پر تھوڑی بہت شباہت مام کی نہیں آ رہی تھی۔'' سمیر شاہ

نے اس لمحے بے تحاشہ چونک کر دیکھا جب لالہ رخ نے گفتگو شروع کی تھی تو کسی بہت جانے پہچانے کا انداز بیان انہیں بے ساختہ یاد آ گیا تھا۔

''مگر لالہ رخ تو بہت عرصہ پہلے مر چکی ہے باسل۔'' سمیر شاہ انتہائی عجیب سے انداز میں بولے۔

❀......❀......❀

وہ رات کافی دیر سے گھر لوٹا تھا' اس وقت بھی وہ گہری نیند میں تھا مگر سیل فون کی بجتی مسلسل بیپ نے اس کی نیند میں خلل پیدا کیا تھا۔ کامیش شاہ نے انتہائی دقتوں سے اپنی نیند پر قابو پا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل فون اٹھا کر آنے والی کال کو ریسیو کیا۔

''سر میں ناصر بات کر رہا ہوں۔'' کامیش شاہ کی سماعت سے اپنے ماتحت کی گھبرائی ہوئی آواز ٹکرائی تو کامیش تھوڑا الرٹ ہو کر بولا۔

''ہاں بولو ناصر کیا بات ہے؟'' حسب معمول وہ آج کل بہت اہم کیس پر کام کر رہا تھا کل رات بھی وہ ناصر کے ساتھ ہی تھا۔ اسے لگا کہ ناصر اس کیس کے حوالے سے کوئی خاص بات کرنا چاہتا ہے۔

''سر آپ نے ٹی وی دیکھا؟'' ناصر ہنوز لہجے میں بولا تو کامیش اپنے بیڈ سے اٹھتے ہوئے قدرے رعب سے گویا ہوا۔

''کیا بات ہے ناصر تم مجھے صاف صاف بتاؤ۔'' نیند اب پوری طرح سے اڑ چکی تھی' اس نے بے اختیار وال کلاک کی جانب دیکھا جو صبح گیارہ بجے کا اعلان کر رہی تھی' جب ہی ناصر کی دوبارہ آواز ابھری۔

''سر پلیز آپ خود ہی ٹی وی دیکھ لیجیے۔'' ناصر کے لہجے میں واضح ہچکچاہٹ تھی۔

''واٹ ربش ناصر' او کے میں آن کرتا ہوں۔'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا' پھر لائن ڈسکنکٹ کر کے سامنے دیوار پر لگی اسکرین کو ریموٹ کنٹرول کی مدد سے اس نے جونہی آن کیا تو سونیا کا چہرہ یک دم اسکرین پر روشن ہو گیا۔ وہ میڈیا کے سامنے پریس کانفرنس کرتے ہوئے اس کی ذات کی دھجیاں اڑا رہی تھی' جب ہی ایک صحافی نے حظ اٹھاتے ہوئے سوال داغا۔

''سونیا صاحبہ آخر کیا وجہ ہے کہ اتنا عرصہ خاموشی سے بقول آپ کے ایک کرپٹ اور بدکردار انسان کے ساتھ رہیں اور آج اچانک آپ نے اپنی زبان کھولی؟''

''دیکھیے ہر مشرقی عورت کی طرح میں نے بھی اپنا گھر بچانے کے لیے کامیش شاہ سے ہر ممکن طور پر سمجھوتا کرنے کی کوشش کی مگر وہ ظالم شخص اپنے کالے کرتوتوں سے باز نہیں آیا' شراب کے نشے میں دھت ہو کر وہ مجھے جانوروں کی طرح مارتا تھا' میرے سامنے غیر عورتوں کو گھر لاتا تھا' اب میں اور کیا کہوں آپ لوگوں سے۔'' اپنی بات کے ساتھ وہ کمال مہارت کے ساتھ اداکاری کے جوہر بھی دکھا رہی تھی۔ جب کہ کامیش شاہ نے انتہائی مشتعل ہو کر ریموٹ اٹھا کر اسکرین کو آف کیا۔ اس لمحے اس کے وجود میں بھانبھڑ جل اٹھے تھے۔ وہ کمرے کے اندر انتہائی طیش کے عالم میں چکر لگانے لگا۔ شدت ضبط سے اس کی آنکھوں میں جیسے لہو اتر آیا تھا۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

چاندنی ہتھیلی پر

نزہت جبین ضیاء

عیدالفطر کا چاند نظر آ گیا تھا۔ ہر طرف گہما گہمی تھی' عید کی آخری مراحل کی تیاریاں عروج پر تھیں' وہ لوگ جو اپنی خاص تیاریاں چاند رات کے لیے اٹھا رکھتے تھے ایسے لوگوں سے بازاروں میں رونقیں عروج پر تھیں' عید ایک ایسا تہوار ہے جس میں ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی حیثیت کے مطابق تیاریاں کرتے ہیں۔ صدیقہ بیگم کے گھر میں بھی چاند رات کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس بار جاذبہ بھی آئی ہوئی تھی' اس کا میاں آفس کے کام سے ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ گو کہ ہر جانب خوشگوار چہل پہل اور خوب صورت گہما گہمی تھی لیکن صدیقہ بیگم پچھلے آدھے گھنٹے سے اپنے کمرے میں مسلسل اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھیں۔ ان کے اندر بے چینی اضطراب اور بے کلی کا عالم تھا۔ دل و دماغ عجیب سی کشمکش کا شکار تھے۔ گزشتہ سال' حالات' واقعات سب کچھ ان کے ذہن میں طوفانی انداز میں اودھم مچا رہے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جیسے سلب ہو رہی تھیں۔ دل و دماغ میں ایک جنگ تھی' ایک جانب تکبر' انا' ضد' تفاخر' زیادتیاں تھیں تو دوسری جانب...... شرمندگی' ندامت' پچھتاوا' دکھ تھا...... سوچتے ہوئے دماغ ماؤف ہو رہا تھا تو ٹہلتے ہوئے پاؤں دکھنے لگے تھے۔ انہوں نے ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھایا اور پانی پی کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"یااللہ...... میں...... میں...... کیا کروں؟ میں نے...... کہاں کہاں...... کیا کیا ناجائز اور غلط کیا......" سوچوں کے در وا ہوتے چلے گئے۔

❁......❁......❁......❁

ہاجرہ بیگم نے نم آنکھوں سے اپنے سوتے ہوئے بچوں کی جانب دیکھا...... دو جوان ہوتی بیٹیاں اور ایک چھوٹا بیٹا...... یااللہ...... میں کس طرح ان معصوموں کی کفالت کر پاؤں گی؟ کس طرح اس زندگی کا سفر ان بچوں کے ساتھ طے کروں گی؟" انہیں اندازہ نہیں تھا کہ بشیر احمد یوں اچانک داغ مفارقت دے جائیں گے۔ یوں تو ساری زندگی ہاجرہ بیگم اور بشیر احمد میں انڈر اسٹینڈنگ نام کی کوئی چیز نہ رہی...... بشیر احمد کا رجحان روحانیت کی طرف زیادہ تھا' وہ ہاجرہ بیگم اور بچوں پر کم توجہ دیتے...... مگر ایک سہارا تو تھا' ایک آس اور تحفظ کا احساس تو تھا...... بچوں کے سر پر باپ کا سائبان تو تھا' گھر میں آمدنی کا واحد ذریعہ اچانک سب کچھ ختم ہو گیا...... باپ کا وجود بے شک ناتواں سہی مگر باپ کی موجودگی' ان کا دست شفقت ہی اولاد کے لیے باعث سکون اور مصروف عمل رہنے کے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔

ہاجرہ بیگم بہت چھوٹی سی تھیں جب ان کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ والدین کے علاوہ ان کا سگا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ غریب اور مفلس ماں باپ کی بیٹی تھیں' تن تنہا رہ گئیں۔ ایسے وقت میں تو سگے رشتے دار آنکھیں پھیر لیتے ہیں اور پھر کسی لڑکی کی ذمے داری لینا بہت بڑے دل کا کام ہوتا ہے۔ ایسے میں دور پرے کی رشتے دار خاتون جو خود بھی تنہا تھیں انہوں نے آگے بڑھ کر ننھی اور سہمی ہوئی ہاجرہ بیگم کو سینے سے لگایا۔ ہاجرہ' سکینہ بیگم کے ایک کمرے کے مختصر سے گھر میں آ گئی۔ سکینہ بیگم بیچاری بھی بہت دکھی تھیں ان کی چار اولادیں بچپن میں فوت ہو گئیں پھر شوہر کا بھی انتقال ہو گیا' وہ محلے کے بچوں کو قرآن پاک پڑھاتیں' کچھ شوہر کی پینشن آتی یوں ان کا گزارا ہو جاتا' ہاجرہ یہاں آ کر بہت مطمئن تھی۔ سکینہ بیگم اسے بہت پیار کرتیں اس کا ہر ممکن خیال رکھتیں' بدلے میں ننھی ہاجرہ سکینہ خالہ کے چھوٹے موٹے کام کر دیتی تھی...... جب ہاجرہ تیرہ برس کی ہوئی تو سکینہ بیگم کو اس کی شادی کی فکر ہوئی' اٹھان میں وہ اٹھارہ برس کی لگتی۔ اچھی صورت وشکل بھی تھی۔ پھر سکینہ بیگم بھی بیمار رہنے لگی تھیں۔ اس لیے انہوں نے ہاجرہ کے

بچپن سے ہی جہیز کے نام پر تھوڑا تھوڑا جمع کرنا شروع کردیا تھا۔ جب بھی سکینہ بیگم ہاجرہ کی شادی کی بات کرتیں ہاجرہ کا منہ بن جاتا۔

"خالہ میں نے کہیں نہیں جانا تمہیں چھوڑ کر...... میرے بغیر تم کیسے رہ پاؤ گی۔" وہ سکینہ بیگم سے لپٹ کر لاڈ سے کہتی۔

"ارے میری بچی! ساری مائیں اپنی رانیوں کو پرائے گھر رخصت کرتی ہیں...... سب بیٹیوں نے اگلے گھر جانا ہوتا ہے۔ پیچھے ماں باپ اکیلے رہ جاتے ہیں۔" سکینہ بیگم اسے سینے سے لگا کر جذب سے کہتیں ان کی آواز بھیگنے لگتی۔

"مگر خالہ...... تم! تم میری ماں سے بھی زیادہ عزیز ہو مجھے' کتنا پیار کرتی ہو مجھی خالہ اگر تم نہ ہوتیں تو میرا کیا بنتا؟ نہ جانے کن ہاتھوں میں چلی جاتی؟ نہ جانے کون سے راستے پر چل پڑتی......؟" ہاجرہ شدت جذبات سے رو دیتی۔

"ارے بے وقوف نہ ہوتو...... لو بھلا میں کیوں نہ ہوتی؟ اللہ پاک نے میرے لیے تیری صورت میں ایک پیاری سی دھی جو رکھی تھی اور یہ...... یہ تو کرم ہے میرے رب کا کہ اس نے اس نیکی کے لیے مجھے پسند کیا...... یہ تو میرے رب کی عطا ہوتی ہے کہ وہ کس انسان کو کس کام کے لیے چنتا ہے اور مجھے اس نیک کام کے لیے چن کر اس نے مجھ پر بڑا کرم کیا ہے۔"

"تمہاری ساری باتیں ٹھیک ہیں خالہ مگر...... جانا میں نے پھر بھی کہیں نہیں' میں چلی گئی تو تم کتنی اکیلی پڑ جاؤ گی۔"

"اچھا چلو ایک کام کرتے ہیں' تو اپنے جہیز میں مجھے بھی ساتھ سسرال لے کر چلی جانا۔" سکینہ بیگم مزاحیہ انداز میں کہتیں۔

"ہاں...... ہاں یہ ٹھیک ہے۔" وہ بچوں کی طرح تالیاں بجا کر خوش ہوجاتی' سکینہ بیگم اسے ہنستا دیکھ کر مسکرا دیتیں۔ ہاجرہ سولہ برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے لیے محلے کی خاتون کے توسط سے بشیر احمد کا رشتہ آ گیا۔

بشیر احمد چھوٹی موٹی جاب کرتے تھے بالکل اکیلے تھے آگے پیچھے کوئی نہ تھا' عمر بھی زیادہ تھی مگر شریف تھے کسی ہمدرد خاتون سے شادی کے خواہش مند تھے جہیز کی لالچ نہ تھی اپنے چھوٹے سے کچے گھر اور معمولی آمدن پر توکل کرنے والے تھے' یوں سکینہ بیگم نے رشتے والی خاتون کے کہنے پر یہ رشتہ طے کردیا۔ شادی بھی جلد ہی طے پائی۔ سکینہ بیگم کی آج کل طبیعت کافی خراب رہنے لگی تھی۔ ہاجرہ کو شادی کی خاص خوشی نہ تھی مگر یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ خالہ بھی ساتھ رہیں گی' سکینہ بیگم بھی مطمئن تھیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی میں ہاجرہ کے فرض سے سبکدوش ہوجائیں۔ یہ چھوٹا سا گھر بھی فیض چاچا کی ملکیت تھا' فیض چاچا سکینہ بیگم کے شوہر کے دوست تھے۔ انہوں نے بڑا خیال رکھا ہوا تھا' وہ دوسری گلی میں رہتے تھے کبھی کبھی چکر لگا کر چھوٹے موٹے کام نپٹا جاتے' وہ بھی ہاجرہ بیگم کو بہت پیار کرتے تھے۔

محلے کی ایک دو بوڑھی خواتین اور دو چار لڑکیوں نے چھوٹے سے صحن میں بیٹھ کر ہاجرہ بیگم کو ابٹن لگا کر مایوں کی رسم ادا کی۔ دوسری صبح ہاجرہ کا نکاح ہونا تھا اور شام کو رخصتی تھی' کل سے سکینہ بیگم کی طبیعت خراب تھی۔ کھانسی کے دورے پڑ رہے تھے۔ سانس بھی کھانسی کی وجہ سے رکتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ فیض چاچا محلے کے ڈاکٹر سے دوا بھی لے آئے تھے' رات ذرا خیریت سے گزری دوسری صبح نکاح کی رسم ہونی تھی' گلابی ریشمی سوٹ میں کرن لگے گلابی جارجٹ کے دوپٹے کے ہالے میں ہاجرہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ سکینہ بیگم نے کئی بار اس کی بلائیں لیں۔ ان کی طبیعت کافی خراب ہورہی تھی مگر...... وہ برداشت کررہی تھیں آج کے دن کا برسوں سے انتظار تھا اور آج...... وہ چاہتی تھیں کہ ہاجرہ خیر سے اپنے گھر کی ہوجائے۔

"بیٹی...... آج میں بہت خوش ہوں...... تیرے ماں باپ کے سامنے فخر سے جاؤں گی۔ ...اللہ پاک کے کرم

سے جس ذمے داری کو اپنے ہاتھوں میں لیا آج..... آج وہ پوری ہونے جارہی ہے ہاجرہ میری بیٹی اپنے گھر کو جنت بنا کر رکھنا۔ بشیر احمد وہ تمہارا مجازی خدا ہے اس کی اطاعت تم پر لازم ہوگی اسے کبھی شکایت کا موقع نہ دینا' اپنی فرماں برداری' حسن سلوک اور محبت سے اپنے گھر کو جنت بنا دینا..... گھر کو مکان تو ہر کوئی بنا سکتا ہے لیکن..... کسی مکان کو صحیح معنوں میں گھر بنانا عورت پر منحصر ہے۔" ان کی آواز لڑکھڑانے لگی تھی۔

"خالہ' تم فکر نہ کرو میں کبھی بھی کسی بھی حالت میں حرف شکایت زبان پر نہ لاؤں گی..... اور..... آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟ آپ ہوں گی ناں ہمیشہ میرے ساتھ..... میری راہنمائی کے لیے' جہاں ضرورت پڑی میں آپ سے مشورے لوں گی' دعائیں لوں گی' یہ پانی لیں۔" ہاجرہ نے کہتے ہوئے پانی کا گلاس سکینہ بیگم کے منہ سے لگایا اور ان کی پیٹھ سہلانے لگی۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ نمایاں تھی۔ سکینہ بیگم دھیرے سے مسکرادیں۔

"دیکھ ہاجرہ..... میرے پاس وقت نہیں ہے..... جو کام ہونے والا ہے اسے روکنا مت..... نکاح تو خیر سے ہوگیا آگے..... سوگ منانے مت بیٹھ جانا۔" ان کی آواز رندھ گئی اور آنکھیں اوپر کو چڑھنے لگیں۔

"خالہ..... خالہ کیسی باتیں کررہی ہو..... ایسا مت کہوں..... تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" ہاجرہ ان کے کمزور وجود کو بانہوں میں بھر کر رونے لگی۔

"جا..... بشیر احمد کے ساتھ شاد رہ....." بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو بہ مشکل کھول کر نظر بھر کر ہاجرہ کو دیکھا' اس کے سر پر لرزتا ہاتھ رکھا۔

"خالہ..... خالہ....." ہاجرہ پاگلوں کی طرح ان کے وجود سے لپٹ گئی۔ اسی لمحے ان کا بے جان ہاتھ اس کے سر سے کھسک کر ہاجرہ کی گود میں آگرا۔

"خالہ....." ہاجرہ اتنی زور سے چلائی کہ فیض چاچا کے ساتھ ساتھ بشیر احمد بھی اندر کی جانب بھاگے۔

سکینہ خالہ اسے چھوڑ کر دور..... بہت دور جاچکی تھیں۔

آج..... آج تو ہاجرہ کی رخصتی تھی..... مگر..... سکینہ خالہ چار کاندھوں پر سوار ہوکر اپنے آخری سفر پر روانہ ہوچکی تھیں۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں اور خشک پپڑی زدہ لرزتے ہونٹوں سے ساری رسومات دیکھتی رہی..... بچپن سے لے کر آج تک..... خالہ کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک لمحہ' ایک ایک پل یاد آرہا تھا۔ کتنے چاہ سے کتنے پیار سے ماں باپ کا پیار دے کر سکینہ بیگم نے اس کی پرورش کی تھی' کہیں بھی' کسی بھی موقع پر اسے ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور آج بھی یہ گلابی جوڑا جس پر گوٹے اور ستاروں کا کام تھا' کتنی محبت اور ارمانوں سے سکینہ بیگم نے اس کے نکاح کے لیے تیار کیا تھا۔ تدفین سے فارغ ہوکر بشیر احمد اس کے پاس کھڑے تھے۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی' گزشتہ ماہ وسال کی یادیں اشک بن کر آنکھوں سے رواں تھیں۔

"ہاجرہ..... اس موقع پر یہ کہنا تو مناسب نہیں لیکن میرے خیال میں تمہارا یہاں پر یوں تنہا رہنا قطعی نامناسب ہے۔ جب کہ یہ گھر بھی کرائے کا ہے۔" بشیر احمد نے کچھ ہمدردانہ اور کچھ ناصحانہ انداز میں بات کی۔

"جی۔" ہاجرہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ خالہ کی بات پر عمل کرتے ہوئے اس نے فوراً رضا مندی دے دی۔ "آپ کچھ دیر ٹھہر جائیں..... میں فیض چاچا کو گھر کی چابی اور کچھ سامان دے دوں پھر ساتھ چلتی ہوں۔" اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہ دوپٹہ کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

بشیر احمد باہر کی طرف نکل گئے۔ ہاجرہ بیگم نے کھڑے ہوکر کمرے کا جائزہ لیا' چھوٹے سے کمرے کے ایک کونے میں سکینہ بیگم کا پلنگ تھا جس پر سفید چادر بچھی ہوئی تھی جس کے کناروں پر ہاجرہ بیگم نے کروشیا کی باریک سی جھالر بنائی تھی۔ یہ بناتے وقت سکینہ بیگم سے کتنی ڈانٹیں کھائی تھیں اس نے' اس پر رکھا تکیہ جس کے غلاف پر ہاجرہ بیگم نے رنگین دھاگوں سے بیل بوٹے بنائے تھے اتنا پیارا اور نفیس کام دیکھ کر سکینہ بیگم نے انعام کے طور پر ہاجرہ کو سرخ اور ہرا دوپٹہ خرید کر دیا تھا۔ وہ دوپٹہ اب بھی

اس کے پاس رکھا تھا۔ چھوٹا سا پرانا صندوق جس پر گلابی سوتی کپڑا ڈال کر کور کیا تھا اور اس کپڑے پر کڑھائی کرتے ہوئے سوئی ہاجرہ کی انگلی میں چبھ گئی تھی تو سکینہ خالہ کتنی پریشان ہوگئی تھیں۔ دروازے کے پیچھے لوہے کی کھونٹی جس پر سکینہ خالہ کی تسبیح، چادر اور جائے نماز تہہ کرکے لٹکی ہوئی تھی، دیوار کے ایک طرف کونے میں لکڑی کا چھوٹا سا تختہ لگا تھا جس پر سکینہ خالہ کا قرآن پاک رکھا تھا۔ یہ ساری چیزیں سمیٹتے سمیٹتے اس کی آنکھوں میں بے تحاشا آنسو امڈتے رہے تھے ہر چیز سے وابستہ یادیں اسے بے چین کررہی تھیں۔ آج اس کی رخصتی تھی اور وہ...... اس طرح سے رخصت ہوکر سسرال جارہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ بیرونی دروازے کی طرف آگئی۔ فیض چاچا سامنے کھڑے تھے۔

''چاچا...... یہ گھر کی چابی لے لیں۔'' اس نے آہستہ سے آواز دی، فیض چاچا پاس آگئے۔ سکینہ بیگم سارے محلے کے لیے قابل احترام تھیں سب ہی ان کی وفات پر افسردہ تھے۔

''بیٹی...... تم رہ سکتی ہو یہاں پر کچھ دن۔'' فیض چاچا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''نہیں چاچا...... خالہ کی خواہش تھی کہ رخصتی آج ہی ہو...... بس مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔'' اس کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔ بشیر احمد ٹیکسی لاچکے تھے سر پر اچھی طرح چادر لے کر وہ ٹیکسی میں آبیٹھی۔ فیض چاچا نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں، کچھ محلے کی بوڑھی خواتین نے بھی سر پر ہاتھ رکھا۔ اس نے آخری بار حسرت بھری نگاہوں سے اس ٹوٹے پھوٹے اور بوسیدہ سے ویران مکان کو دل بھر کے دیکھا کہ جس پر سکینہ خالہ کے جانے کے بعد وحشتیں اور ویرانیاں برس رہی تھیں۔ زندگی کا ایک لمبا عرصہ اس گھر میں گزارا تھا۔ آج اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رابطہ ختم کرکے جارہی تھی۔ اس وقت جب کہ اس کے دل پر منوں بوجھ تھا، سکینہ بیگم کی جدائی برداشت کرکے نئے گھر، نئے ماحول میں خود کو سیٹ کرنا تھا۔ دل میں نہ جانے کیسے کیسے خدشات جنم لے رہے تھے۔ اب نئے گھر میں خود کو ایڈجسٹ کرنا تھا۔ ہاجرہ کے لیے بڑا صبر آزما اور کٹھن سفر تھا۔ کچھ دیر بعد ایک تنگ و تاریک گلی کے پاس ٹیکسی رک گئی، ایسے ماحول اور ایسی ہی گلیوں والے محلے میں ہاجرہ کا بچپن گزرا تھا، مغرب کا وقت ہوچلا تھا، ٹیکسی سے اتر کر وہ بشیر احمد کے معیت میں گلی میں داخل ہوئی خود کو چادر میں اچھی طرح چھپائے قرآن پاک سینے سے لگائے وہ سنبھل سنبھل کر چل رہی تھی۔ گلی انتہائی گندی تھی۔ دروازوں کے میلے پردوں کے پیچھے سے عورتیں اسے گھور رہی تھیں۔

''بشیر احمد دلہن لے آئے۔'' دبی دبی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ بشیر احمد ایک گھر کے آگے جاکر رکے تو ہاجرہ بھی رک گئی۔ بشیر احمد نے جیب سے چابی نکال کر دروازے پر لگا چھوٹا سا تالا کھولا۔ پلٹ کر اشارے سے ہاجرہ کو اندر آنے کا کہا تو ہاجرہ گھر کے اندر داخل ہوگئی۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی چھوٹا سا صحن تھا جس میں ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔

''اذان ہوگئی ہے تم نماز سے فارغ ہوجاؤ، میں بھی نماز پڑھ کر آتا ہوں۔'' صحن کے ایک جانب بنے ہوئے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ ہاجرہ بیگم نے طویل سانس لی اور پلنگ پر ٹک گئیں۔ ایک وہ کمرہ تھا جو الگ تھا جہاں بشیر احمد نماز پڑھنے گئے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری جانب ایک اور کمرہ تھا صحن کے کونے میں چھپر ڈال کر باورچی خانے کی شکل دے دی گئی تھی۔ ساتھ ہی غسل خانہ بنا تھا۔ صحن کے کونے میں نلکا لگا ہوا تھا۔ ہاجرہ نے نلکے سے وضو کیا اور نماز مغرب ادا کرنے کھڑی ہوگئی۔ سلام پھیر کر دعا مانگ رہی تھی کہ بشیر احمد آگئے۔

''تم نے...... یہاں...... صحن میں نماز پڑھی ہے کمرے میں کیوں نہیں پڑھی...... یہ کمرہ ہے ناں......؟'' آتے ہی تھوڑے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں...... صحن میں ہوا اچھی تھی اس لیے یہیں پڑھ لی۔'' جائے نماز تہہ کرتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔

"اچھا آج تو پڑھ لی لیکن آئندہ خیال رکھنا' خواتین کا یوں کھلے صحن میں نماز پڑھنا بہتر نہیں اگر آس پاس چھت پر سے کوئی نامحرم کی نظر پڑ جائے تو اچھی بات نہیں۔" ان کی بات پر ہاجرہ نے بے اختیار نگاہیں اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا کوئی اونچی بلڈنگ' کوئی عمارت ایسی نہیں تھی کہ جہاں سے صحن نظر آتا۔

"آئندہ خیال رکھوں گی۔" ہاجرہ نے کہا تو بشیر احمد سر ہلا کر رہ گئے۔ وہ جائے نماز لے کر کمرے کی طرف بڑھ گئی' بشیر احمد بھی پیچھے پیچھے آ گئے۔ دونوں بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"ہاجرہ میں معمولی سا آدمی ہوں چپڑاسی کی جاب ہے یہ میرا چھوٹا سا گھر ہے آگے پیچھے کوئی نہیں' معمولی سی تنخواہ ہے' میری اپنی مصروفیات ہیں' تمہیں ہر قسم کے حالات میں اسی طرح گزارا کرنا ہوگا' مجھ سے زیادہ پیسوں کی امید مت رکھنا' میرے اپنے کچھ اصول ہیں اور جس کی پابندی تمہیں کرنا ہوگی۔" وہ ایک لمحے کو رکے تو ہاجرہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"مجھے عورتوں کا یونہی باہر نکلنا' آپس میں ملنا ملانا' باتیں کرنا بالکل پسند نہیں' ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی پسند نہیں کیونکہ جب خواتین آپس میں ملتی ہیں تو سوائے غیبت' چغلیوں اور فیشن کے یا پھر اپنے اپنے شوہروں اور سسرال والوں کی برائیاں کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتیں' یہ بہت بڑا گناہ ہے' کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا غیبت کہلاتا ہے' جو نہایت بری بات ہے۔ خود کو گناہ گار کرنے کا طریقہ اس کی سزا بھی بہت بھیانک ہے۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ تم آس پاس کی عورتوں سے کوئی مراسم رکھو' یہ کمرہ جس کا دروازہ باہر کی جانب کھلتا ہے' یہ باہر والوں کے لیے ہے' تمہیں اس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں' بس صفائی وغیرہ کر دینا' وہاں پر میرے دوست وغیرہ آتے ہیں میں ان سے وہیں ملاقات کرتا ہوں۔ باقی یہ گھر تمہارا ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرنا اور طریقے سے چلانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ امید ہے تم میری باتوں کو سمجھ گئی ہوگی۔" بات مکمل کر کے بشیر احمد نے تھوڑا سا جھک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

کچھ باتیں ہاجرہ بیگم کی سمجھ سے بالاتر تھیں' ان کو بشیر احمد کی باتیں عجیب سی لگی تھیں مگر جو تھے جیسے بھی تھے اب وہ ہاجرہ کے شوہر تھے۔ جن کے ساتھ ہاجرہ کو ساری زندگی گزارنی تھی۔ ان کی مرضی اور ان کی پسند کے مطابق جینا تھا' بہتری اسی میں تھی کہ خوش اسلوبی کے ساتھ ان کی باتوں پر عمل کر کے زندگی کو سہل بنائے۔

زندگی کی عجیب سی شروعات ہوئی تھی۔ ایک جانب سکینہ خالہ کی جدائی کا حد درجہ صدمہ تھا جبکہ دوسری جانب اپنا گھر سنبھالنا اپنے ہونے کا احساس بھی تھا۔

"سنو اگر تم نماز کے بعد نیند لینا چاہو تو سو سکتی ہو' میں کچھ وظائف پڑھتا ہوں' پھر آٹھ بجے کے بعد دفتر جاتا ہوں' سات بجے کے بعد تک میرے وظائف چلتے ہیں اس دوران مجھے بلانے مت آنا وظائف ختم کر کے میں خود آ جاؤں گا۔" وہ باہر والے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے بولے۔

"میں سوتی نہیں' قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہوں۔" ہاجرہ نے جواب دیا۔

"چلو اچھی بات ہے' میں خود آ جاؤں گا وظیفے ختم کرنے کے بعد تم تلاوت کرو۔" بشیر احمد نے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

"وظائف یہاں پر پڑھے جا سکتے تھے ایسا کیا ہے وہاں پر؟" ہاجرہ نے دل میں سوچا اور پھر تلاوت قرآن پاک میں مصروف ہو گئی۔ سات بجے کے قریب ہاجرہ نے تلاوت ختم کی اور قرآن پاک رکھ کر باورچی خانے میں آ گئی۔ ڈبے سے آٹا نکال کر گوندھا' سامنے ایک پیالے میں چار انڈے رکھے تھے۔ آٹا گوندھ کر پراٹھے پکائے' چولھے پر چائے کا پانی رکھا اور دو انڈوں کا آملیٹ بنا لیا۔ تب ہی بشیر احمد بھی آ گئے۔ ہاجرہ نے ناشتے کی ٹرے سامنے رکھ دی۔

"تم نہیں کرو گی ناشتہ؟" بشیر احمد نے ناشتے کی ٹرے پر سرسری نظر ڈال کر گہری نظروں سے ہاجرہ کو دیکھا۔

"آپ پہلے کرلیں میں بعد میں کرلوں گی۔"

"نہیں تم اپنا ناشتہ بھی بنالو پھر دونوں ساتھ ناشتہ کریں گے۔" بشیر احمد نے کہا تو ہاجرہ کو ان کی یہ بات اچھی لگی اور وہ بھی ساتھ آ کر بیٹھ گئی اور ناشتہ کرنے لگی..... ناشتے کے بعد ہاجرہ فوراً گرم گرم چائے لے آئی۔

"اچھا میں چلتا ہوں، چھٹی کر نہیں سکتا بہت کوشش کی مگر کوئی دوسرا آدمی نہ ہونے کی وجہ سے بس دو دن کی چھٹی ہی ملی تھی۔" بشیر احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے جانے کے بعد اندر سے دروازہ بند کرلینا اور اگر کوئی بھی آئے تب بھی دروازہ مت کھولنا، گھر میں سودا سبزی ہے کھانا بنالینا شام کو میں آجاؤں گا۔ کام سے فارغ ہو کر آرام کرلینا اور اگر دل نہ لگے تو کچھ اسلامی کتب الماری میں رکھی ہیں وہ نکال کر پڑھ لینا، آس پاس کی عورتیں ممکن ہے ملنے آئیں مگر..... تم ان سے نہ ہی ملنا بہتر ہے۔" جاتے ہوئے خاص طور پر ایک بار پھر تاکید کر گئے تھے۔ ہاجرہ کو لگا جیسے قید خانے میں ہو کسی سے ملو نہیں، کسی سے بات مت کرو، باہر نہ جاؤ، بس گھر میں پڑی رہو اکیلے..... ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔

دروازہ بند کرکے کمرے میں آئی ناشتے کے برتن سمیٹ کر دھو کر باورچی خانے میں رکھے گھر کی تھوڑی بہت صفائی کی، بشیر احمد نے کہا تھا کہ ان کے کمرے کی صفائی کردینا، ویسے بھی ہاجرہ اس کمرے کو دیکھنا چاہ رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو ہر طرف اگربتی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ آستانہ جیسا بنا ہوا تھا، ایک طرف ڈائری، پین اور کچھ نقش تعویذ رکھے تھے۔ کچھ پانی کی بوتلیں، کچھ کتب بھی تھیں، ہاجرہ چونک گئیں۔ یعنی بشیر احمد تعویذات دیتے ہیں وہ کمرہ بند کرکے باہر آگئی۔ اسے یہ علم تو نہیں تھا کہ بشیر احمد ایسا کچھ بھی کرتے ہیں ہاں وہ مذہبی ہیں پردے کی پابندی کروائیں گے وغیرہ کا پتہ تھا مگر یہ سب کچھ..... یہ سب ہاجرہ کے لیے نیا تھا اس نے کہیں سنا تھا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ زندگی کا سفر تھوڑا کٹھن ہوجاتا ہے عملیات وغیرہ کی وجہ سے وہ لوگ بھی کبھی گردش کا شکار بھی ہوجاتے ہیں، دشمنیاں بھی ہوجاتی ہیں۔

"یااللہ..... تو نے رشتہ جوڑا ہے تو ہی سنبھالنے والا ہے، ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرنا میرے مولا۔" ہاجرہ نے ہاتھ اٹھا کر صدقِ دل سے دعا مانگی۔ معمول کے کام نپٹا کر وہ بوریت کا شکار ہی ہوتی رہی، وقت گزاری کے لیے ایک آدھ کتاب پڑھ لی شام پانچ بجے بشیر احمد آگئے۔

"کیا کرتی رہیں دن بھر.....؟" آتے ہی سلام کے بعد پہلا سوال کیا۔

"بس گھر کے کام اور کچھ دیر آرام کرلیا۔" جواب دے کر وہ باورچی خانے کی طرف آگئی چائے بنا کر لائی تب تک بشیر احمد منہ ہاتھ دھو کر آگئے تھے۔

"ایک بات پوچھوں؟" چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں بولو۔" کپ لیتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"بشیر احمد آپ لوگوں کو تعویذات دیتے ہیں؟"

"ہاں کیوں.....؟ کیا یہ غلط کام ہے دوسروں کی مدد کرنا، یا ان کو پریشانیوں سے نجات دلانا؟" جواب دے کر الٹا سوال بھی کرڈالا لہجہ کھردرا تھا۔

"نہیں، نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ گڑبڑائی۔

"میرا مطلب تھا یہ مشکل اور دقت طلب کام ہے، آپ نے یہ علم سیکھا ہے کیا؟" سارے دن جو سوال ذہن میں مچلتا رہا لب پر آگیا۔

"یہ جان کر تمہیں کیا کرنا ہے، تم نہیں سمجھو گی یہ سب۔" پھر ایک روشن اور چمکیلی صبح بشیر احمد اور ہاجرہ بیگم کی زندگی میں فریسہ آگئی۔ فریسہ بے حد حسین و جمیل، بالکل پریوں جیسی تھی، سرخ و سفید، نرم و گداز جیسے ہاتھ لگانے سے میلی ہوجائے، جہاں ہاجرہ بہت خوش تھی وہیں بشیر احمد بھی بہت شاداں تھے کہ اللہ پاک نے فریسہ کی صورت میں ان کے گھر اپنی رحمت نازل کی ہے، اب ہاجرہ کی مصروفیت میں اضافہ ہوگیا تھا۔

ہاجرہ نے فریسہ کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا، وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی نازک مزاج بھی تھی موسم کی ذرا سی

تبدیلی فوراً اس پر اثر انداز ہوتی' سردیوں میں فوراً ہی سردی کا اثر ہوجاتا تو گرمیاں آتے ہی اس کی سرخ وسفید نازک جلد پر گرمی دانے نکل آتے ہاجرہ بیگم اس کا بہت زیادہ خیال رکھتیں ابھی فریسہ دو سال کی ہی ہوئی تھی کہ صدیقہ پیدا ہوگئی فریسہ کے مقابلے میں صدیقہ صورت شکل اور رنگت کے لحاظ سے کم تھی' بشیر احمد تو خوش تھے لیکن ہاجرہ کو صدیقہ کو دیکھ کر تھوڑا سا برا ضرور لگا تھا' ایک تو بیٹی کے اوپر بیٹی پیدا ہوئی تھی دوسرے وہ شکل وصورت کے لحاظ سے بھی واجبی سی تھی۔ اب وہ باہر والوں کو مزید زیادہ ٹائم دینے لگے تھے' ڈیوٹی ٹائم میں بھی اضافہ کروالیا تھا۔ مہینے کے شروع میں لگی بندھی تنخواہ ہاجرہ بیگم کی ہتھیلی پر رکھ کر پھر وہ گھر کی تمام تر ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہوجاتے۔ مہنگائی تھی کہ دن بہ دن آسمان سے باتیں کررہی تھی' بچے بڑے ہورہے تھے' ان کی ضرورتیں اور اخراجات بھی بڑھنے لگے تھے لیکن گھریلوں امور سے بشیر احمد کو کوئی سروکار نہ تھا۔ کبھی کبھی ہاجرہ بیگم تنگ آ کر یا مالی مسائل سے پریشان ہوکر بشیر احمد سے گلہ کرتیں تو بدلے میں اتنا لمبا لیکچر سننے کو ملتا کہ وہ ان کا منہ تکتی رہ جاتیں۔

اس پر فریسہ کے ناز اور نخرے بھی بہت زیادہ تھے۔ وہ حسین بھی تھیں' نازک بھی اور اکثر بیمار بھی رہتی تھیں اس وجہ سے ہاجرہ بیگم کی اس پر خصوصی توجہ تھی۔ اس کی ایک ایک بات پر فوری عمل کرتی بھی تھیں اور صدیقہ سے کرواتی بھی تھیں کیونکہ کبھی کبھی فریسہ کو دورے بھی پڑجایا کرتے تھے۔

فریسا آٹھویں کلاس میں تھی صدیقہ چھٹی میں تھی۔ اس دن بھی گرمی اپنے عروج پر تھی۔ شام کا وقت تھا' ہاجرہ باورچی خانے میں تھیں' صدیقہ صحن بیٹھ کر سبق یاد کررہی تھی۔ سفیر چوزوں کو دانہ کھلا رہا تھا۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے فریسہ گرمی کی شدت سے گھبرا کر نہا کر آئی اور صحن میں بڑے پلنگ پر بیٹھ کر اپنے لمبے سیاہ بالوں کو کنگھا کرنے لگی۔ نہ جانے اچانک کیا ہوا کہ فریسہ چیخ مار کر پلنگ پر گر گئی اس کی بڑی بڑی آنکھیں پھیل گئیں' ہاتھ پیر اکڑ کر ٹیڑھے ہوگئے۔ گردن بھی ٹیڑھی ہوکر اکڑ گئی' منہ سختی سے بند ہوگیا' ہاتھ پیر ٹھنڈے برف ہوگئے' صدیقہ چیخ مار کر فریسہ کی طرف بھاگی' اس کی آواز سن کر ہاجرہ بھی دوڑی چلی آئیں۔

''فریسہ..... فریسہ کیا ہوگیا..... کیا ہوا میری بچی کو؟ ہاجرہ کے ساتھ ساتھ صدیقہ اور سفیر بھی رونے لگے فریسہ آنکھیں پھاڑے ایک سمت ہی دیکھے جارہی تھی۔ جیسے ہوش وحواس سے بیگانہ ہوچکی ہو' صدیقہ فوراً اس کے ہاتھ اور پیر مسلنے لگی تب ہی بشیر احمد بھی آگئے' انہوں نے فریسہ کی حالت دیکھی تو تیزی سے اس کی طرف بڑھے اسے اٹھایا اور بنا کچھ کہے اپنے آستانے کی طرف بڑھے' ہاجرہ بیگم نے کچھ کہنا چاہا تو ہاتھ کے اشارے سے انہیں کچھ کہنے اور آگے بڑھنے سے روک دیا اور فریسہ کو اندر لے جا کر دروازہ بند کرلیا۔

''یااللہ پاک میری بچی پر رحم کرنا میرے مولا..... یہ اچانک اسے کیا ہوگیا؟'' ہاجرہ بیگم وہیں پلنگ پر بیٹھ کر رونے لگیں' صدیقہ اور سفیر دائیں بائیں بیٹھ گئے' ان دونوں کے چہروں پر بھی پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور بشیر احمد فریسہ کو لے کر باہر آئے' فریسہ اب ٹھیک تھی مگر نڈھال سی تھی۔

''ٹھیک ہوناں فریسہ.....؟'' وہ دوڑ کر بیٹی کے پاس آگئیں۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے اب اسے کمرے میں لے جاؤ تھوڑی دیر سوجائے گی تو بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔'' بشیر احمد نے کہا۔ بعد میں بشیر احمد نے ہاجرہ سے کہا کہ فریسہ سے کہو یوں مغرب کے وقت بال کھولے کھلے صحن میں نہ نکلا کرے' کوئی بھی بد شے' بری چیز آس پاس سے گزرتی ہے وہ بھی آسیبی چکر میں آگئی تھی۔''

''ہائے میں مرگئی.....'' ہاجرہ بیگم نے بے ساختہ سر پیٹ لیا۔

''اب ایسا کچھ بھی نہیں ہے خوامخواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بس ذرا اس کا خیال رکھا کرو اور اس سے بھی

کہنا احتیاط کیا کرے۔" بشیر احمد نے بیوی کو اتنا پریشان دیکھ کر نرم لہجے میں سمجھایا۔

ہاجرہ بیگم کی کمر کی ہڈی میں تکلیف ہوگئی تو وہ زیادہ کام کرنے کے قابل نہ رہیں۔ فریسہ ویسے ہی نازک تھی کہ اب اس واقعے کے بعد تو ہاجرہ بیگم نے اس کو سر پر بٹھالیا اور سارا عتاب آ گیا معصوم صدیقہ پر اور ایسے میں ہاجرہ بیگم نے صدیقہ کو اسکول خیر باد کہنے کا بھی آرڈر دے دیا۔

"نہیں اماں، میں پڑھنا چاہتی ہوں، اسکول سے آ کر کام کرلیا کروں گی۔" صدیقہ نے احتجاج کیا۔

"نہ میری بچی، تو تو میری سمجھدار بیٹی ہے ناں؟ تو جانتی ہے کہ تیری آپا کی طبیعت خراب رہتی ہے، اب تو اس کے رشتے بھی آنے لگے ہیں اس کا اچھا سا علاج ہوگا تب ہی تو شادی ہوگی ناں اس کی...... اب اگر تو پڑھائی میں لگ گئی تو گھر کے کام کون کرے گا۔" ہاجرہ شیریں لہجے میں چمکارتے ہوئے کہتی تو صدیقہ اماں کا منہ تکتے رہ جاتی۔

فریسہ کی زندگی تو بالکل شہزادیوں جیسی ہوگئی تھی اپنی مرضی سے سونا، جاگنا اپنی مرضی سے اپنی پسند سے ہر کام کرنا، اگر ذرا سا کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف ہو بھی جاتا تو اس کی طبیعت فوراً خراب ہوجاتی اور ہاجرہ بیگم بری طرح ہول جاتیں، کسی نہ کسی طرح سے اس کی جائز اور ناجائز فرمائش پوری کردیتیں، فریسہ کو حکم چلانے اور مرضی کرنے کی عادت ہوگئی تھی وہ ہر کسی پر حکم چلاتی تھی، خاص طور پر صدیقہ ہی اس کے عتاب کا نشانہ بنتی۔ سفیر تو لڑکا تھا وہ زیادہ سامنے رہتا ہی نہیں تھا۔

کچھ دن اور گزرے کہ ایک رات یونہی سوتے میں بشیر احمد کا انتقال ہوگیا...... ہاجرہ بیگم کی دنیا اندھیر ہوگئی، سترہ سال کی فریسہ، پندرہ سال کی صدیقہ اور بارہ سال کا سفیر، ابھی تو ہاجرہ بیگم خود بھی جوان تھیں۔ تب ان کو احساس ہوا کہ مرد کا سہارا کتنا ضروری ہوتا ہے۔

"یا اللہ میں تنہا کس طرح ان کی ذمہ داریاں پوری کر پاؤں گی؟" یہ سوال کسی عفریت کی طرح ان کے سر پر منڈلا رہا تھا اور وہ خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کررہی تھیں شکر تھا کہ گھر ذاتی تھا ورنہ وہ لوگ کہاں جاتے؟ بشیر احمد کو ملنے والی تھوڑی سی رقم سے ہاجرہ بیگم نے فیض چاچا کی مدد سے باہر والے کمرے کے ساتھ چھوٹا سا باورچی خانہ بنوا کر کرائے پر چڑھا دیا۔ فیض چاچا بشیر احمد کی زندگی میں بھی آتے جاتے رہتے تھے اور بشیر احمد کو ان کی آمد پر بھی اعتراض نہ ہوا تھا۔ بشیر احمد کے انتقال کے بعد فریسہ کا اور زیادہ خیال رکھا جانے لگا، بقول اماں کے اسے باپ کی جدائی کا گہرا صدمہ پہنچا ہے۔

"یا اللہ کیا ابا صرف آپا کے مرے ہیں، میرا ان سے کوئی تعلق نہ تھا یا مجھے ان کی موت سے کوئی صدمہ نہیں۔ اماں کیا وہ صرف آپا کے ابا تھے میرے یا سفیر کے ابا نہیں تھے ہمیں ان کے جانے کا کوئی دکھ کوئی صدمہ نہیں؟" ایک بار تو جھنجلا کر صدیقہ نے ہاجرہ بیگم سے سوال کر ہی لیا۔

"صدیقہ میری بچی تو عقل مند ہے، برداشت اور حوصلے والی وہ...... کمزور ہے ناں...... اس لیے کہتی ہوں۔" صدیقہ کو سینے سے لگا کر ہاجرہ کہتی تو صدیقہ چپ ہوجاتی۔ صدیقہ ویسے بھی اپنی عمر سے پہلے سمجھدار ہوگئی تھی۔ اتنی سی عمر میں بڑی تندہی اور مستقل مزاجی کے ساتھ گھر کو سنبھال لیا تھا مگر...... اس کے نصیب میں حکم دینا نہیں بس حکم کی تعمیل کرنا ہی تھا۔

فیض چاچا کے توسط سے فریسہ کے لیے رشتہ آ گیا، لڑکے والے فریسہ کی خوب صورتی پر فریفتہ ہوگئے تھے اور فوری شادی کرنا چاہتے تھے۔ لڑکا کسی آفس میں جاب کرتا تھا اور ان کے محلے سے کچھ فاصلے پر رہائش تھی۔

"اماں آپا کی شادی ہوجائے گی تو وہ گھر کے کام کس طرح کر پائیں گی ان کو تو کچھ کرنے کی عادت ہی نہیں۔" صدیقہ نے ہاجرہ سے سوال کیا۔

"بیٹی جب ذمہ داری پڑتی ہے تب کام بھی ہوجاتے ہیں ویسے لڑکے کی ماں کو اس بات پر اعتراض نہیں ہے کہ فریسہ کو کام کی عادت نہیں، مگر ہم اسے چھوٹے موٹے کام کرنا سکھا دیں گے۔" ہاجرہ کی بات پر صدیقہ سر ہلا کر رہ گئی۔

کچھ دن اور گزرے شادی کی تیاریاں ہوئیں اور جمال اور اس کی والدہ کچھ لوگوں کے ساتھ آئے' نکاح ہوا اور فریسہ دلہن بن کر سسرال چلی گئی۔ دلہن بن کر بھی اس پر غضب کا روپ چڑھا تھا' جمال عام سی شکل کا نوجوان تھا ہر کوئی اس کی قسمت پر رشک کررہا تھا کہ پریوں جیسی دلہن ملی ہے۔ جمال کی والدہ بھی بہت خوش تھیں کہ سارے عزیز واقارب اور جاننے والوں میں سب سے خوب صورت اور کم عمر بہو ان کی ہے۔ ادھر سسرال میں فریسہ کا اچھی طرح استقبال کیا گیا' جمال اور اس کی والدہ تو تھے اور فریسہ ان لوگوں کو دل وجان سے پسند آئی تھی۔ شروع شروع میں لاڈ اور چاؤ ہی کیے جاتے ہیں نئی نویلی دلہن کے ناز نخرے اٹھائے جاتے ہیں۔

لڑکی چاہے کتنی ہی حسین وجمیل کیوں نہ ہو' اپنے ساتھ کتنا ہی جہیز لے کر آئے' اپنے گھر میں شہزادیوں کی طرح رہتی ہو مگر' سسرال میں آ کر اسے خود کو ضرور بدلنا پڑتا ہے سسرال آخر سسرال ہی ہوتا ہے' میکے میں نازوں' نخروں میں پلنے والی لڑکی کو بھی سسرال میں آ کر گھر بار سنبھالنا پڑتا ہے' ذمے داریاں نبھانی پڑتی ہیں' شروع شروع میں تو جمال کی اماں بہو کے ناز نخرے برداشت کرگئیں کہ کچھ دن میں بہو خود سیٹ ہوجائے گی مگر فریسہ کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی اور وہ امید سے ہوئی تو ہل کر پانی پینا بھی اس کے لیے مشکل ترین عمل تھا' بوڑھی ساس آخر کب تک بہو کے ناز نخرے برداشت کرتیں گو کہ وہ دادی بننے کی خبر سن کر بہت خوش تھیں مگر ان کی بوڑھی ہڈیوں میں اب اتنا دم کہاں تھا کہ بہو کے کام بھی کریں' وہ دبی دبی زبان میں سمجھاتیں۔

''تھوڑی بہت ہمت کرنی پڑے گی' یوں بیٹھی ہی رہو گی تو مشکل ہوجائے گی ہر لڑکی اس عمل سے گزرتی ہے' مگر ہمت' حوصلے اور برداشت سے کام لینا پڑتا ہے۔'' مگر فریسہ کو ان کی باتیں بری لگتیں وہ ہر ایک بات کو بڑھا چڑھا کر جمال کے سامنے بیان کرتی اور جمال کبھی اماں کو سنا دیتا تو کبھی فریسہ کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتا' آپس کی چخ چخ اور تو تو میں میں اتنی زیادہ بڑھی کہ فریسہ بیگم غصے میں آ کر میکے چلی آئیں۔

''لاکھ سمجھایا کہ بیٹی سسرال میں اونچ نیچ ہوجاتی ہے' اس طرح سے کوئی گھر چھوڑ کر نہیں آ جاتا' تم شادی شدہ ہو' کل کو ماں بھی بن جاؤ گی خود میں تھوڑی ہمت پیدا کرو۔''

''اماں...... یہ ساری غلطی آپ کی ہے...... آپ نے آپا کو یہاں پر اس طرح پالا کہ ان کو ہلنے تک نہ دیا۔ اتنا آرام' اتنی ٹھاٹ والی زندگی گزاری ہے انہوں نے میں سمجھاتی تھی کہ آگے چل کر مشکل ہوگی مگر آپ سمجھتی نہیں تھیں۔'' صدیقہ کی بات پر ہاجرہ نے تاسف سے سر ہلایا' لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی فریسہ یہاں سے واپس جانے کو تیار نہ ہوئی' ہوتی بھی کیوں؟ اسے یہاں رہ کر بھلا کون سی پریشانی تھی' ایک تو فطرتاً حاکم مزاج' نزاکت اور پھر اس وقت وہ جس دور سے گزر رہی تھی ان سب باتوں کو لے کر فریسہ بیگم تو اور زیادہ نخرے کرنے لگی تھیں۔

فریسہ کے ہاں پیارا سا بیٹا پیدا ہوا' جمال اور اس کی والدہ دیکھنے آئے وہ لوگ بہت خوش تھے اور ساری باتیں بھلا کر فریسہ کو واپس گھر لے جانا چاہتے تھے' مگر فریسہ نے صاف کہہ دیا کہ اب تو بچہ بھی ہوگیا میں بچے کو سنبھالوں گی یا کام کروں گی' اگر گھر میں ملازمہ کا انتظام ہوسکتا ہے تو میں گھر چلوں گی ورنہ یہیں رہوں گی' جمال نے بہت سمجھایا ہاجرہ بیگم اور جمال کی امی نے بھی ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن فریسہ تو جانا ہی نہیں چاہتی تھی اسے میکے جیسا آرام بھلا کہاں مل سکتا تھا' یہاں پر صدیقہ تھی ناں اس کا ہر حکم بجالانے کے لیے' اس کے اشاروں پر ناچنے کے لیے' جمال کئی بار آیا' سمجھایا مگر فریسہ کی ناہاں میں نہ بدل سکی' جمال بھی مرد تھا آخر کب تک برداشت کرتا اس نے بھی تنگ آ کر طلاق کے کاغذات بھیج دیئے۔ ہاجرہ بیگم سر پیٹ کر رہ گئیں۔ یااللہ یہ نئی پریشانی سر پر آ پڑی تھی' گھر کے اخراجات چلانا ویسے بھی مشکل تھا' پھر صدیقہ کی شادی بھی کرنی تھی' ہاجرہ بیگم اس کے لیے کچھ نہ کچھ جوڑ رہی تھیں۔ سفیر ایک کریانے کی دکان پر کام کررہا تھا۔ فریسہ

کے قرض سے سبکدوش ہوکر ہاجرہ بیگم ذرا مطمئن ہوئی تھیں کہ فریبہ بیگم پھر سے سینے پر مونگ دلنے آ گئی تھی۔

اس روز رات کو سفیر دکان سے واپس آرہا تھا علاقے کی لائٹ گئی ہوئی تھی وہ نسبتاً اندھیری گلی کراس کرکے جیسے ہی باہر نکلا سامنے سے آتے ہوئے موٹر سائیکل سوار نے سفیر کو ٹکر ماردی‘ سفیر زمین پر گر گیا‘ وہ زخمی ہوگیا تھا‘ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے موٹر سائیکل سوار بھاگ گئے‘ سامنے مسجد سے نکلتے ہوئے اسلم مرزا کی نظر سفیر پر پڑی تو وہ دوڑتے ہوئے اس کے قریب آئے‘ سفیر کے پیر میں چوٹ لگی تھی اور معمولی خراشیں آئی تھیں مگر وہ خوفزدہ ہوگیا تھا۔

”کیا ہوا بیٹا...... زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟“ اسلم مرزا نے سفیر کو اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں زیادہ چوٹ نہیں لگی پاس ہی میرا گھر ہے میں چلا جاؤں گا۔“ سفیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”میرے ساتھ قریبی کلینک سے دوا لے کر انجکشن لگوالو۔“ اسلم مرزا نے کہا تو سفیر اس کے ساتھ کلینک کی طرف چل دیا۔

جب پیر پر پٹی بندھوا کر سفیر اسلم مرزا کے ساتھ گھر آیا تو ہاجرہ بیگم پریشان ہوکر اس کی سمت دوڑیں۔

”یہ کیا ہوگیا سفیر......؟“ صدیقہ بھی باورچی خانے سے دوڑی چلی آئی۔

”موٹر سائیکل سے ٹکر ہوگئی ہے مگر اللہ کا شکر ہے معمولی چوٹیں ہیں میں ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا انجکشن لگوادیا ہے آپ فکر نہ کریں۔“ اسلم مرزا نے کہا تو ہاجرہ بیگم نے اسلم مرزا کو دیکھا۔ ستائیس اٹھائیس سالہ‘ قدرے بھاری جسامت اور عام سی شکل والے مگر حلیے سے شریف آدمی دکھائی دے رہے تھے۔

”اماں...... یہ صاحب وہاں سے گزر رہے تھے انہوں نے مجھے اٹھایا اور قریبی کلینک لے گئے تھے۔“ سفیر نے ہاجرہ بیگم کو اسلم مرزا کو بغور دیکھتا پا کر بتایا۔

”شکریہ آپ کا۔“ صدیقہ بیگم نے آہستہ سے کہا تو اسلم مرزا نے صدیقہ کی طرف دیکھا عام سے کاٹن کے سوٹ پر ململ کا سفید دوپٹہ لپیٹے وہ عام سی شکل والی سیدھی سادی لڑکی اچھی لگی تھی۔

”شکریہ کی بات نہیں بس اللہ نے کرم کردیا یہ دوائیں پابندی سے کھلادیں۔“ اسلم مرزا نے دوا کا شاپر صدیقہ بیگم کی طرف بڑھایا۔

”بیٹا اللہ پاک تمہیں اجر دے‘ پانی تو پیتے جاؤ۔“ ہاجرہ بیگم نے اسلم مرزا کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں جی شکریہ‘ بس نماز پڑھ کر گھر جارہا تھا اماں کھانے پر انتظار کررہی ہوں گی۔“ اسلم مرزا نے نرم لہجے میں کہا اور سلام کرکے واپس پلٹ گئے۔

❀......❀......❀......❀

کافی دنوں بعد بڑی آپا آئی تھیں‘ گھر میں کافی چہل پہل تھی۔ آج کل اماں اپنے منجھلے بیٹے کے لیے لڑکی کی تلاش میں تھیں اور بڑی آپا کو اسی سلسلے میں بلایا گیا تھا۔ اماں جان کی نظر میں کوئی لڑکی جچتی ہی نہیں تھی‘ بڑی بہو بھی خوب تلاش کرکے لائی تھیں‘ اب اسلم میاں کے لیے ایسی لڑکی تلاش کررہی تھیں جس کے آگے پیچھے کوئی پوچھنے والا نہ ہو‘ کم گو ہو‘ سیدھی سادی اور معصوم لڑکی جو زیادہ بولنا بھی نہ جانتی ہو‘ اماں جان کو خود مختاری کی عادت تھی اور بہو بھی ایسی چاہیے تھی کہ ان کے اشاروں پر لبیک کہہ سکے۔ شام ہوتے ہی فضیلہ بیگم نے کچے آنگن میں پانی چھڑک کر چارپائیاں بچھا کر ان پر چادریں ڈال دی تھیں‘ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں سے صحن میں لگے موتیا اور چنبیلی کی مہک سے آنگن مہکنے لگا تھا۔ سب لوگ چارپائی پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اماں جان کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑی آپا تھیں پھر انور مرزا پھر اسلم مرزا اور سب سے چھوٹی بیٹی فضیلہ تھیں۔ بڑی بہو خدیجہ بیگم تھیں۔ اماں جان کی حیثیت گھر میں جابر حکمران جیسی تھی۔ ان کی بات کے آگے کسی کو بولنے کا کوئی حق نہ تھا۔ آج بھی وہ لوگ اسلم مرزا کے لیے ایک لڑکی دیکھ کر آئے تھے۔ بڑی آپا‘ خدیجہ بیگم اور فضیلہ کو لڑکی پسند آ گئی تھی‘ لڑکی تو اماں جان کو ٹھیک

ہی لگی تھی مگر اعتراض تھا تو لڑکی کی والدہ پر کہ وہ بڑی تیز عورت ہے۔

''مجھ سے سوالات کررہی تھی بتاؤ ذرا لڑکی کی ماں تھی اسے تو جھک کر بات کرنی چاہیے تھی مگر......''

''اماں اتنی خرانٹ بھی نہیں تھیں وہ..... آپ ان کی بیٹی کا رشتہ لینے گئی ہوتو وہ بھی کچھ تو لڑکے کے بارے میں پوچھیں گی ناں۔'' بڑی آپا کو اماں جان کے اعتراض سے اختلاف تھا۔

''سوال کرنا الگ بات ہے' لیکن وہ تو بال کی کھال نکال رہی تھی۔ مجھے ایک آنکھ نہیں بھائی وہ۔ ہمارے اسلم میاں تو سیدھے سادے سے ہیں ساری زندگی ماں بیٹی انگلیوں پر نچاتی رہیں گی۔''

''ارے اماں کیسی باتیں کررہی ہیں۔'' فضیلہ بھی بول پڑی۔

''بس چپ کرو سب' میں نے کہہ دیا نہیں تو بس نہیں' آگے کچھ نہیں سننا چاہتی میں۔'' اماں جان نے انگلی اٹھا کر حتمی انداز میں کہا۔

''لو میاں اسلم ہوچکی تمہاری شادی اس طرح تو۔'' بڑی آپا پلٹ کر اسلم مرزا سے مخاطب ہوئیں وہ لڑکی بڑی آپا کی سسرالی رشتے دار تھی' اس لیے بڑی آپا کو زیادہ برا لگ رہا تھا۔ اماں جان کو تو عادت تھی ہر لڑکی میں کوئی نہ کوئی خامی نکال کر ریجیکٹ کردیتیں۔ کسی کے ابا اشتہاری ملزم لگتے تو کسی کا بھائی دہشت گرد نظر آتا' کسی کی اماں تیز طرار لگتی تو کسی کے بھائی بہن بدتمیز اور گنوار لگتے' پچھلے تین سالوں سے یہی سلسلہ تھا' اب تک بیسیوں لڑکیاں دیکھ چکی تھیں مگر معیار پر نہ اتری تھی۔ اسلم مرزا بیچارے سیدھے سادے انسان تھے۔ مستقل مزاجی اور صبر شکر کے ساتھ انتظار کررہے تھے۔

❁ ..... ❁ ..... ❁ ..... ❁

جمعے کا دن تھا' اسلم مرزا جمعہ پڑھ کر مسجد سے نکلے تو سامنے ہی سفیر نظر آ گیا۔

''السلام علیکم بھائی۔'' سفیر کی نظر اسلم مرزا پر پڑی تو اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام کیسے ہو یار اور یہاں پر؟'' اسلم مرزا نے سلام کا جواب دے کر سوال کرڈالا۔

''دکان پر کام کرتا ہوں نماز کا وقفہ ہے تو یہاں نماز پڑھنے چلا آیا۔'' دھوپ کی تمازت سے خود کو بچانے کے لیے ہاتھوں کا چھجہ بنا کر جواب دیا۔ ''آپ یہیں پر نماز پڑھنے آتے ہیں؟''

''ہاں قریب ہی آفس ہے میرا' آ ؤ لنچ کرتے ہیں۔'' اسلم مرزا خوش دلی سے بولے۔

''ویسے میرا نام اسلم مرزا ہے۔''

''اوہ' میں سفیر ہوں سفیر احمد۔ شکریہ اسلم بھائی میں گھر سے کھانا لے کر آتا ہوں' میری آپا پکا کردیتی ہیں کھانا۔'' سفیر نے شائستگی سے کہا۔

''آپا......'' کے نام پر اسلم مرزا کو سانولی سی صدیقہ یاد آ گئی۔

''اوہ گڈ...... ویسے کون کون ہے تمہارے گھر میں؟'' ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا۔

''میں' اماں' ایک شادی شدہ آپا اور چھوٹی آپا اور ایک بھانجا۔'' سفیر نے تفصیل بتائی۔ ''میرے ابا جی فوت ہوچکے ہیں اور میں ہی مرد ہوں گھر میں بڑا۔'' سفیر کے لہجے میں اعتماد تھا۔

''اوہ......'' اسلم مرزا نے تاسف سے کہا۔ ''تم مجھے اچھے بچے لگے ہو دل کررہا ہے تم سے باتیں کرنے کو' تمہیں برا تو نہیں لگ رہا؟'' اسلم مرزا مزید بات کرنا چاہ رہے تھے۔

''نہیں اسلم بھائی۔'' سفیر نے مسکراتے ہوئے کہا اسلم مرزا کو سفیر کی فیملی میں دلچسپی ہوگئی تھی اور ترس بھی آرہا تھا۔

''تمہارے ابا جی نہیں ہیں تو گھر کے اخراجات......؟'' اسلم مرزا کہنے کو کہہ گئے مگر پھر ہچکچاہٹ آڑے آ گئی۔

''ابا جی کی پینشن ہے' گھر کا کرایہ اور کچھ میری آمدنی' آپا بچوں کو قرآن پاک بھی پڑھاتی ہیں۔ الحمدللہ سب کچھ

اچھے سے ہو جاتا ہے۔" سفیر نے پراعتماد لہجے میں کہا تو اسلم مرزا نے غور سے اسے دیکھا جو مطمئن تھا۔

"گڈ یار بہت اچھی بات ہے' اچھا میں چلتا ہوں' ان شاء اللہ پھر ملیں گے۔" مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی جی ان شاء اللہ" سفیر نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور دونوں مخالف سمتوں کی طرف اپنے اپنے راستے پر ہو لیے۔ نہ جانے کیوں اسلم مرزا کے ذہن میں اچانک ایک خیال سا آیا کہ وہ بڑی آپا سے صدیقہ کے حوالے سے بات کریں گے' اچھے شریف اور غریب لوگ ہیں۔

❁......❁......❁......❁
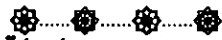
اتوار کا دن تھا' آج بھی بڑی آپا آئی ہوئی تھیں' مسئلہ وہی تھا کہ اسلم مرزا کے لیے مناسب لڑکی کی تلاش ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ موقع غنیمت دیکھ کر اسلم مرزا نے بڑی آپا سے صدیقہ کے حوالے سے بات کی۔

"کیا مطلب......؟ کیا تم ان کے گھر آتے جاتے ہو......لڑکی سے ملے ہو اور اس کی ماں کیسی بے شرم ہے کہ......؟" اماں جان کن سوئیاں لیتے ہوئے حسب عادت منفی خیالات کا اظہار کرنے لگیں۔

"اف اماں جان' ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" اسلم مرزا نے درمیان سے ان کی بات کاٹی۔ "ایک بار لڑکے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا تو میں اسے گھر لے کر گیا تھا تو وہاں پر بچے کی اماں اور بہن کو دیکھا یوں ایک بات میرے ذہن میں آ گئی' اگر مناسب سمجھیں تو آپ لوگ دیکھ لیں...... سمجھ آئے تو بات کریں ورنہ نہیں...... میں کوئی محبت کے چکر میں نہیں پڑا نہ کبھی اس سے کوئی بات کی' چند لمحوں کے لیے اسے دیکھا بس......غریب اور سیدھے سادے لوگ نظر آئے' یتیم لڑکی ہے تو خیال آ گیا۔" اسلم مرزا کی تفصیلی صفائی سے اماں جان نے سکون کا سانس لیا' ورنہ وہ تو لڑکی سمیت اس کے خاندان کے بخیے ادھیڑنے کی مکمل تیاری کر چکی تھیں۔ "اور آپا ابھی تو یہ بھی خبر نہیں کہ اس کا رشتہ ہو چکا ہے یا نہیں۔" اماں اور بڑی آپا دونوں ہی خاموش ہو کر سوچنے لگی تھیں۔

سیدھی سادی اور معصوم سی صدیقہ جو سر جھکائے مستقل کام میں مصروف تھی۔ ہاجرہ بیگم کم گو سیدھی سی اور اماں جان کے سامنے پزل پزل سی تھیں۔ گھر صاف ستھرا تھا ہر کونے سے سلیقہ جھلک رہا تھا اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ صدیقہ مکمل گھریلو لڑکی ہے جس کی پرورش گھر پر ہوئی' سلائی کڑھائی' پکوان سے لے کر ہر کام میں ماہر' چاق و چوبند اور کم گو فریسہ تو سامنے ہی زیادہ دیر کو نہ آئی' بیٹا بیمار تھا اس لیے اسے لے کر ہسپتال چلی گئی تھی۔

اماں جان گھاگ خاتون تھیں یوں بے شمار لڑکیوں کو ریجیکٹ کرنے کے بعد اسلم مرزا کا قرعہ صدیقہ بیگم کے نام نکلا' اماں جان اور بڑی آپا دیکھ رہے تھے کہ شادی اور جہیز کے نام پر ہاجرہ بیگم معمولی انتظام ہی کر سکتی ہیں' اس لیے رشتہ طے کر دیا گیا۔

نیا گھر' نیا ماحول' نئے ساتھی اور نئی زندگی کے خوش کن تصور سے صدیقہ بیگم ہولے ہولے مسکرا رہی تھیں۔ اسلم مرزا سنجیدہ' سوبر اور اچھے انسان لگے تھے' اب اس کا اپنا گھر ہوگا صدیقہ کے لیے یہ خیال ہی خوش کن تھا۔ جلد ہی صدیقہ بیگم رخصت ہو کر سسرال آ گئیں۔ خدیجہ بیگم ان کو چھوٹے سے سجے سجائے کمرے میں پہنچا کر چلی گئی تھیں' انہوں نے کمر سیدھی کر کے کمرے کا جائزہ لیا' چھوٹا سا کمرہ' جواب صدیقہ کی ذاتی ملکیت تھا' مختصر سے فرنیچر کے ساتھ اسے بہت اچھا لگا۔ یہی تو وہ چاہتی تھی' اپنی مرضی سے سجانا' بنانا اور سیٹ کرنا' وہ آپ ہی آپ مسکرا دی۔

تھوڑی دیر میں اسلم مرزا آ گئے' صدیقہ نے سر جھکا لیا۔

"السلام علیکم!" بیڈ پر بیٹھ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" دھیرے سے جواب دیا۔

"میرے گھر میں خوش آمدید صدیقہ' مجھے اتنا تو اندازہ ہے کہ تمہیں سمجھانے یا بتانے کی ضرورت نہیں' تم سمجھدار لڑکی ہو مگر...... مگر میں کچھ باتیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔" اسلم مرزا نرم اور ملائم لہجے میں مخاطب تھے۔

"جی......" صدیقہ نے نظریں اٹھائیں۔

”صدیقہ اماں جان مزاجاً تھوڑی سخت ہیں‘ انہیں بہت جلد غصہ آجاتا ہے‘ چھوٹی چھوٹی باتوں کو محسوس کرلیتی ہیں‘ برداشت نہیں ہے ان میں‘ کچھ عمر کا تقاضا بھی ہے لیکن دل کی بری نہیں ہیں‘ تمہیں ان کا خاص خیال رکھنا ہوگا اور کوشش کرنا کہ انہیں کوئی بات بری نہ لگے‘ ان کی ضروریات اور کھانے پینے کا خاص خیال رکھنا‘ ہاں ان شاء اللہ میری طرف سے تمہیں کوئی شکایت نہ ہوگی‘ اماں جان کی مرضی اور منشاء کے مطابق یہاں ہر کام ہوتا ہے‘ ان کو کسی کی دخل اندازی پسند نہیں‘ انہیں یہ بات بالکل پسند نہیں کہ ان کی مرضی کے بغیر کوئی بھی کام ہو یا ان کے فیصلے اور مرضی کے آگے کوئی اپنی بات کو اہمیت دے اس لیے تمہیں خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا ہوگا۔“

”اف...... مطلب کہ مجھے یہاں پر بھی صرف احکامات کی تعمیل کرنی ہوگی‘ دوسروں کی مرضی کے آگے سر جھکا کر جینا ہوگا‘ دوسروں کے مزاج اور پسند کا خیال رکھتے ہوئے اپنی زندگی گزارنی ہوگی۔“ یہ بات اس کے دل میں پھانس کی طرح اٹک کر رہ گئی۔ سارے منصوبے‘ ساری خواہشیں‘ آرزوئیں اور پلاننگ‘ سب ریت کی مانند ڈھے گئے۔

”چل صدیقہ...... جگہ ضرور بدلی ہے مگر تیری اوقات‘ تیری ڈیوٹی اب بھی وہی ہے۔“

”کیا سوچ رہی ہو صدیقہ......؟“ اسلم مرزا کی محبت بھری آواز پر وہ چونکی۔

”جی ان شاء اللہ آپ کو یا کسی کو بھی میری طرف سے شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔“ وہ پھیکی ہنسی ہنس کر بولی۔

زندگی کی نئی صبح ہوچکی تھی وہ حسب معمول فجر کے وقت اٹھ گئی اور ابھی نماز سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ دھاڑ سے کمرے کا دروازہ کھلا صدیقہ نے اٹھ کر دروازہ کھول کر یونہی کواڑ بند کردیئے تھے۔ کیونکہ باہر بھی چہل پہل تھی۔ صدیقہ جو نماز سے فارغ ہوکر جائے نماز تہہ کررہی تھی دروازہ کھلنے پر چونک کر دروازے کی جانب دیکھا اور اماں جان کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر جلدی سے ان کے پاس آگئے احتراماً جھک کر سلام کیا۔

”وعلیکم السلام! چلو جا کر ناشتے کی تیاری کرو۔“ عجلت میں سلام کا جواب دے کر کہا اور آرڈر دے دیا۔

”جی......“ صدیقہ بیگم کو لگا جیسے انہوں نے سننے میں غلطی کی ہو وہ کل رات کی دلہن تھی اور آج...... آج ناشتہ بنوایا جارہا تھا۔

”بی بی شکیلہ کے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ پاس سے ملنے نہیں دے رہا ماں کو میں بنا نہیں سکتی اس لیے یہ زحمت تمہیں ہی کرنی پڑے گی اور یہ کوئی اچنبھا تو نہیں‘ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوا تھا ہماری ساس کے الفاظ تھے سہرا لگا دو کھونٹی سے آٹا لے لو روٹی کو سمجھیں؟“ ان کی تیز آواز پر اسلم مرزا بھی جاگ گئے تھے اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور اماں جان کو سلام کیا۔

”وعلیکم السلام!“ کہہ کر اماں جان جس تیزی سے آئی تھیں اسی تیزی سے واپس پلٹ گئیں۔ صدیقہ بیگم نے اسلم مرزا کو غور سے دیکھا وہ نظریں چرا گئے۔

”واہ جی واہ صدیقہ بیگم تم نے بھی کیا نصیب پایا ہے‘ کل شادی ہوئی اور آج باورچی خانہ سنبھالو وہ تو پھر بھی میکہ تھا جہاں ماں تو تھیں یہاں پر ساس اور وہ بھی کس طرح کی ساس تھیں اس کا اندازہ صدیقہ کو ایک رات میں ہی ہوگیا تھا۔ اپنی مرضی‘ حکم اور خواہشات سب مٹی میں ملنے والے تھے۔ دلہناپے کے دن بھی نصیب میں نہ تھے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ریشمی دوپٹہ اتار کر پلنگ پر رکھا اور کاٹن کا دوپٹہ سر پر اوڑھ کر کمرے سے باہر آگئیں۔ باورچی خانہ بے حد گندہ تھا‘ ہر چیز بکھری ہوئی تھی‘ پہلے سارا سامان سمیٹ کر مناسب جگہوں پر رکھا پھر آٹا گوندھ کر پراٹھے بنا کر چنگیر میں رکھے انڈے فرائی کیے اور اٹھ کر اماں جان کے کمرے میں آئی۔ بڑی آپا اور اسلم مرزا بھی وہیں تھے۔ بڑی آپا کا بچہ سوگیا تھا۔ انہوں نے ناشتہ لگانے میں مدد کی...... دوپہر کے لیے قورمہ پکانا تھا‘ پیاز کاٹتے کاٹتے صدیقہ کی آنکھوں سے بہنے والے پانی میں آنسو بھی شامل ہوگئے‘ یوں تو گرہستی سنبھالنا ہر عورت کا مقدر ہوتی ہے لیکن شادی

کے دوسرے دن یوں کسی نے باورچی خانہ سنبھالا ہوگا' اماں جان کی تیز وطرار فطرت کی وجہ سے خاندان والے بھی کٹے ہوئے تھے۔ وہ باورچی خانے میں پیڑھی پر بیٹھی پیاز کاٹ رہی تھی اور سامنے برآمدے میں اسلم مرزا اماں جان کے پیر دبا رہے تھے۔

قورمہ بہت اچھا پکا تھا مگر کسی نے لب نہ کھولے' فضیلہ دن چڑھے سو کر اٹھی تھی وہ ویسے ہی لاڈ اور نخروں میں پلی تھی اس کی شادی بھی ہونے والی تھی اس لیے اماں جان اس کے زیادہ ہی لاڈ اٹھاتی تھیں اس کا رشتہ بھی کراچی سے باہر طے ہوا تھا۔ دعوت ولیمہ کے نام پر بس صدیقہ کے گھر والوں کو کھانے پر بلایا گیا تھا۔ ہاجرہ بیگم صدیقہ کو ایک دو دن کے لیے میکے لے جانا چاہتی تھیں کہ ان کے ہاں رسم تھی۔ اماں جان سے اجازت لی تو انہوں نے سختی سے منع کردیا۔

"یہ کیا رسم ہوئی بھلا..... اتنے برس اپنے ساتھ بٹھا کر رکھا اور ایک دن سسرال میں گزارا نہیں کہ پھر سے یاد آ گئی۔ نہ بی بی' ہمارے یہاں ایسی کوئی رسم نہیں ہوتی اور شادی کے بعد لڑکیوں کے لیے سسرال پہلے اور بعد میں سب کچھ..... سسرال کے اصول وضوابط پر چلنا چاہیے۔"

ہاجرہ بیگم بے چاری چپکی ہو رہیں' صدیقہ بیگم کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی' وہ ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بے بسی سے اماں جان کو دیکھتی رہیں' ہاجرہ بیگم' فریسہ اور سفیر واپس لوٹ گئے۔

میکہ' میکہ ہوتا ہے صدیقہ کا دل بھر آیا تھا' صدیقہ ایک دن میں ہی سب کچھ سمجھ گئی تھی' اسلم مرزا انتہائی ڈرپوک اور دبو قسم کے تھے اماں سے نظریں ملا کر بات بھی نہیں کرتے تھے۔ بس سر جھکائے ان کے آگے پیچھے پھرتے رہتے' ان کا ہر حکم بجالاتے' ان کی ایک آواز پر دوڑے چلے جاتے۔ اماں جان کے سامنے اسلم مرزا کو صدیقہ بھی نظر نہ آتیں' لیکن اکیلے میں وہ صدیقہ کا بہت خیال رکھتے' اس سے پیار محبت کی باتیں کرتے' صدیقہ کے لیے یہی غنیمت تھا۔ اسے گزارا تو کرنا تھا' بہرحال عرصہ دراز سے دیکھے گئے سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔ اپنی مرضی' آزادی اور اپنی پسند..... یہ سب ایک خواب بن کر بکھر چکا تھا۔ یہاں تو پلنگ کی چادر بھی بدلنی ہوتی تو اماں جان کی اجازت درکار ہوتی۔

دو چار دن رہ کر بڑی آپا واپس سسرال لوٹ گئیں' جاتے ہوئے فضیلہ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ شادی کو دو ماہ ہو چکے تھے اس روز صدیقہ صبح اٹھی تو طبیعت بہت بوجھل سی تھی۔ سر گھوم رہا تھا اور چکر آ رہے تھے' وہ دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ اسلم مرزا نے آگے بڑھ کر ان کو بیٹھنے میں مدد دی اور پریشان ہو کر اماں جان کو بلا لائے۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اماں جان کو دیکھ کر صدیقہ جلدی سے بولیں۔

"اے لو..... تم تو یونہی بدحواس ہو کر دوڑے پھر رہے ہو' میں بھی پتہ نہیں کیا قیامت آ گئی' چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں بیوی کے پیچھے بھاگے بھاگے مت پھرا کرو..... یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے' خیر سے تم باپ بننے والے ہو۔" اماں جان کی جہاندیدہ نظریں ایک لمحے میں ہی بھانپ چکی تھیں۔

"جی.....!" صدیقہ کے ساتھ ساتھ اسلم مرزا بھی چونکے' دونوں کے چہروں پر خوشگوار حیرت تھی۔

"چلو اٹھو' پانی پیو اور پھر ناشتہ بناؤ میں تمہیں سرکاری ہسپتال لے چلوں گی؟ اسلم میاں تم زیادہ فکر مت کرنا اور آفس چلے جانا۔" اماں جان نے چند لمحے مل کر دونوں کو یہ خوشی منانے کا بھی موقع نہ دیا۔ اسلم مرزا جو ابھی تک خوش کن احساس کی زد میں تھے اماں جان کی بات پر لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور صدیقہ بھی ہمت کر کے باورچی خانے کی طرف آ گئیں یہ دن لڑکی کے لیے ویسے ہی بہت کٹھن اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ ایک تو صدیقہ کمزور تھیں اوپر سے کام کا مسلسل بوجھ اور اس پر فضیلہ کے سسرال والوں نے شادی کی جلدی مچادی' بڑی آپا بھی آ گئیں تھیں ان کے بچے' وہ گھر کی ذمہ داریاں اوپر سے فضیلہ اور شکیلہ کے بازاروں کے چکر' صدیقہ بیگم تو کھن

چکر بن کر رہ گئی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے فضیلہ کی شادی ہوئی اور وہ رخصت ہو کر دوسرے شہر چلی گئی اور صدیقہ کی ڈلیوری کا وقت بھی قریب آ گیا اور جاذبہ پیدا ہوئی۔ اماں جان پوتی کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ اسلم مرزا اور صدیقہ بھی خوش تھے ماں باپ بننے کا احساس ہی اتنا خوشگوار ہوتا ہے ایک ہفتہ بڑی آپا نے گھر سنبھالا پھر اپنے گھر واپس لوٹ گئیں۔ صدیقہ کی ذمہ داری میں اضافہ ہو گیا تھا گھر کے بے شمار کاموں کے ساتھ ساتھ جاذبہ کے بھی ڈھیر سارے کام آن پڑے تھے اوپر سے اماں جان کی ہدایات، احکامات اور فرمائشیں عروج پر ہوتیں، جاذبہ ابھی تین سال کی ہوئی کہ جنید پیدا ہو گیا، اماں جان تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں کہ گھر میں پوتا بھی آ گیا تھا۔ وہ جاذبہ سے بھی بہت پیار کرتی تھیں کہ اب جنید بھی آ گیا تھا۔ ان کو بچوں کا ذرا سا بھی رونا برداشت نہ ہوتا، ہلکی سی خراش بھی لگ جاتی تو شامت صدیقہ کی آ جاتی، وہ کاموں کے ساتھ ساتھ بچوں کا خیال رکھتی۔

❁......❁......❁......❁

اسلم مرزا کے دوست کھانے پر آنے والے تھے، دوپہر کے سارے کام ادھورے پڑے تھے۔ اوپر سے بریانی اور سویاں بھی پکانی تھیں۔ بچے تھے کہ مستقل تنگ کر رہے تھے اماں جان کی صرف زبان ہی چلتی تھی بچوں کو سنبھالنا ان کے بس کا کام نہیں تھا، چولہے پر یخنی چڑھا کر وہ جنید کو لے کر کمرے میں آ ئی فیڈ کروانے بیٹھی تو جاذبہ آ گئی۔

''اماں...... میری گڑیا کو یہ کپڑے پہنا دیں۔'' گڑیا صدیقہ کی جانب بڑھائی۔

''بیٹا دادی سے بولو مجھے جنید تنگ کر رہا ہے۔'' صدیقہ نے نرمی سے کہا۔

''نہیں، اماں تم پہناؤ، دادی کو نہیں آتا۔'' جاذبہ نے ضدی لہجے میں کہا۔

''جاذبہ گڑیا، جنید کے کپڑے گیلے ہو گئے مجھے بدلانے ہیں آپ دادی سے کہو وہ پہنا دیں گی یا تھوڑا سا صبر کر لو۔'' وہ دوبارہ سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''نہیں، نہیں ابھی [illegible]ئیں۔'' جاذبہ [illegible]رتے ہوئے اسی لہجے میں بولی۔

''جاذبہ خدمت کرو، سمجھتی کیوں نہیں، کیوں ضد کر رہی ہو تم بڑی ہو۔'' اس بار صدیقہ جھنجلا کر تھوڑے تیز لہجے میں بولی۔ دادی کے بے جا لاڈ، پیار کی وجہ سے جاذبہ بدتمیز اور ضدی ہو گئی تھی۔

''آپ ہی پہنائیں گی۔'' کہہ کر جاذبہ نے گڑیا صدیقہ کی طرف پھینکی۔ گڑیا جنید کے منہ پر آ کر گری اور جنید زور سے رونے لگا۔ صدیقہ نے آگے بڑھ کر جاذبہ کو ایک تھپڑ لگا دیا۔ جاذبہ اتنی زور سے چلا کر روئی کہ دوسرے کمرے میں سوتی ہوئی اماں جان بھاگی چلی آئیں۔

''دادی، دادی، اماں نے زور سے تھپڑ مارا یہاں پر۔'' دادی کو دیکھ کر جاذبہ نے مزید زور سے چلا کر فریاد کی۔

''ہائے میری بچی، میری جان۔'' اماں جان نے اسے سینے سے لگا کر قہر آلود نظروں سے صدیقہ کو دیکھا جاذبہ کے سرخ و سفید گال پر انگلی کے نشان دیکھ کر وہ تو آپے سے باہر ہو گئیں۔

''تم ماں ہو یا جلاد، تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟ معصوم بچی کے گال سرخ انگارہ کر دینے کی۔'' آؤ دیکھا نہ تاؤ آگے بڑھ کر صدیقہ کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔

''اماں...... اماں...... جان۔'' صدیقہ گال پر ہاتھ رکھے آنکھیں پھاڑے اماں جان کو دیکھنے لگی۔ یہ قطعی غیر متوقع اور انتہائی نامناسب ردعمل تھا صدیقہ کو اماں جان سے یہ توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ ایسا بھی کر سکتی ہیں۔

''اماں جان...... میں ماں ہوں اس کی۔'' ڈبڈبائی آنکھوں سے وہ بہ مشکل اتنا ہی کہہ پائی۔

''ماں ہو تو ماں بن کر رہو، مائیں جلاد نہیں ہوتیں، ہم نے پھولوں کی طرح پالا ہے اور یہ تم جہیز میں نہیں لائی تھیں یہ ہماری نسل، ہمارا خون ہے، اگر آئندہ ہمارے بچوں کو انگلی بھی لگائی ناں تو...... اس سے زیادہ بھی کچھ ہو سکتا ہے۔'' اماں جان جاذبہ کو لے کر کمرے سے نکل گئیں۔

''اف خدایا۔'' صدیقہ نے اپنا سر تھام لیا دوپٹے سے

آنکھیں صاف کیں۔ ”یااللہ یہ کیسے اصول ہیں؟ کہ اپنی اولاد پر جس کو میں نے تخلیق کے مراحل سے گزر کر جنم دیا..... اس پر بھی میرا حق نہیں ہے‘ یہ اولاد بھی ان کی ہے میں صرف پیدا کرنے کے لیے آئی ہوں..... نہ میری مرضی چل سکتی ہے‘ نہ میری بات مانی جاتی ہے۔“ سارے ارمان تو مٹی میں مل ہی چکے تھے لیکن آج‘ آج اسے اپنی اولاد کے حق سے بھی دستبرداری کا حکم مل چکا تھا۔

دن پر دن گزرتے رہے‘ حالات کیسے بھی ہوں ہمارے فیور میں ہوں یا ہمارے خلاف اچھے ہوں یا برے ہنستے ہوئے یا روتے ہوئے‘ وقت تو گزرتا ہی چلا جاتا ہے سو صدیقہ کی زندگی کے ماہ و سال گزرتے چلے گئے‘ بچے بڑے ہوگئے تھے۔ جاذبہ میٹرک میں آ گئی تھی۔ جنید آٹھویں کلاس میں تھا فضیلہ کے بھی تین بچے ہوگئے تھے۔ وہ بھی کبھار ہی میکے آتی گھریلو ذمہ داریوں اور فاصلوں کی وجہ سے وہ سسرال میں رہتی‘ بڑی آپا کا انتقال ہوگیا۔ اماں جان کے انتقال کے بعد صدیقہ کو لگا جیسا سے قید سے رہائی مل گئی ہو‘ گزشتہ سترہ برس سے اماں جان نامی خوف اور ایک دہشت وہ ایک لمحے ہی میں ختم ہوگیا۔ ان کی سارے گھر میں گونجتی کراری آواز ایک دم ہی خاموشیوں کی نذر ہوگئی۔ اماں جان کے بے بس اور لاچار بے جان وجود کو دیکھ کر صدیقہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہوں نے ساری زندگی اس گھر پر ایسے حکومت کی تھی کہ لگتا تھا کہ یہاں سانس لینے کے لیے بھی ان کی اجازت درکار ہوگی آج..... وہی چیختا‘ چنگھاڑتا وجود کیسے بے حس و حرکت دوسروں کے رحم و کرم پر تھا۔ صدیقہ کو جھرجھری سی آ گئی۔ اسلم مرزا بہت زیادہ مضمحل تھے ان کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی‘ ان کی مرضی اور مشورے کے بغیر ہلتے بھی نہیں تھے۔ اماں جان کی آخری رسومات بھی ان کی ہدایات کے مطابق ادا کردی گئیں۔ فاتحہ کے معاملے میں بھی ان کی مرضی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔

دسویں کی فاتحہ ہوئی‘ فضیلہ بھی اپنے بچوں سمیت واپس لوٹ گئی‘ سب سے پہلے صدیقہ بیگم نے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کیا۔ انہیں ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ اماں جان کی موت سے انہیں آزادی نصیب ہوئی ہو۔ وہ اب جو چاہے کرسکتی ہیں‘ اب انہیں روکنے ٹوکنے والا‘ پابندیاں لگانے والا کوئی نہیں ہے۔ اب وہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کچھ کرسکتی ہے۔ سب سے پہلے تو صدیقہ بیگم نے گھر کی سیٹنگ بدلی۔ اماں جان کا پلنگ چھت پر ایک کونے میں ڈال دیا۔ ان کے کپڑے محلے کی غریب خاتون کو دے دیئے۔ جاذبہ اور جنید سے بھی ان کا رویہ سرد ہوگیا تھا۔ بچے پہلے ہی دادی کے انتقال پر غم سے نڈھال تھے اوپر سے صدیقہ بیگم کا رویہ بھی تکلیف دہ تھا۔ اسلم مرزا تو ویسے بھی خاموش طبع سیدھے سادے اور صلح پسند آدمی تھے۔ اب تک تو اماں کے آگے سر جھکایا‘ بیوی کے سامنے پزل پزل رہے‘ صدیقہ بیگم بھی اماں جان کی کھل کر شکایت نہ کرتیں مگر ان کی آنکھوں میں اتنے گلے‘ شکوے ہوتے کہ اسلم مرزا ان سے نظر ملا کر بات کرنے سے بھی کتراتے تھے۔ اب تک ان کو صدیقہ بیگم مظلوم ہی لگتیں اس لیے وہ بیچارے اپنی جگہ چپ رہتے‘ بولنے کی عادت ویسے بھی نہیں تھی۔

”جنید..... تم رات کو نو بجے کے بعد گھر سے باہر نہیں رہو گے..... نو بجے سے پہلے ہر صورت گھر آجایا کرو۔“ صدیقہ بیگم کی آواز پر پڑھتے ہوئے جنید نے سر اٹھا کر قدرے حیرانی سے ان کو دیکھا کیونکہ گزشتہ ایک سال سے وہ رات کو ٹیوشن پڑھنے جاتا تھا اور واپسی رات دس بجے ہوتی تھی۔

”کیوں اماں خیریت؟“ حیرانی سے سوال کیا۔

”کیوں کا کیا مطلب.....؟“ لہجے میں رعونت تھی۔ جاذبہ نے بھی حیرانی سے ماں کی طرف دیکھا کہ یہ اماں کو کیا ہوگیا؟

”مطلب یہ ہے اماں کہ میں ایک سال سے اظہار کے بھائی سے ٹیوشن پڑھنے جاتا ہوں اور..... وہ اسی ٹائم فارغ ہوتے ہیں‘ یہ بات تو آپ کو بھی معلوم ہے ناں.....“

”ہاں..... مگر اب میں نے کہہ دیا کہ رات نو بجے کے

بعد تم باہر نہیں رہو گے تو نہیں رہو گے بس۔" زندگی میں پہلی بار ایسا حاکمانہ لہجہ اتنی قطعیت۔

"صدیقہ اس کی پڑھائی کا مسئلہ ہو جائے گا ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟" اسلم مرزا نے قدرے حیرانی سے صدیقہ بیگم کے سخت اور سپاٹ چہرے کی جانب دیکھا۔

"اسلم میاں...... تم تو چپکے ہی رہو تو بہتر ہے تمہیں تو زبان کھولنے کی بھی عادت کہاں ہے۔" صدیقہ بیگم کے لہجے میں بلا کا طنز تھا انہوں نے آنکھیں پھیلا کر بیوی کی جانب دیکھا۔

"ساری زندگی تو میں تمہاری اماں جان کے اشاروں پر ناچی رہی ہوں رل رل کر زندگی گزاری ہے سہم سہم کر جیتی رہی ہوں اب بھی اپنی مرضی کی زندگی نہ گزاروں فرائض ادا کرتی رہی حقوق کا خیال کسی نے نہ کیا...... اولاد پر بھی حق نہ چلا سکی...... اب اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہوں...... اپنے وجود کی حیثیت کے ساتھ...... تو...... تو اب اب تمہیں کیا اعتراض ہے؟" اسلم مرزا جو اماں کے سامنے دبو بنے رہتے اب اچانک سے بیوی کو بدلتے دیکھا تو خاموش رہنے میں ہی بھلائی سمجھی۔ دونوں بچے حیران تھے۔ جنید نے احتجاج کرنے کی ناکام کوشش کی مگر پھر خود ہی خاموش ہو گیا اور ٹیوشن ٹائم بدل دیا۔ جاذبہ نے میٹرک کرلیا تھا اب کالج میں تھی۔ جاذبہ اپنی کمرے میں لیٹی رسالہ پڑھ رہی تھی کہ صدیقہ بیگم آ گئیں۔

"جاذبہ ہر وقت پڑی رہتی ہو جوان لڑکیوں کے یہ لچھن نہیں ہوتے چلو اٹھو اور رات کے کھانے کی تیاری کرو۔"

"جی......!" جاذبہ نے آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھا آج پہلی بار وہ ایسی بات کر رہی تھیں۔

"ہاں ہاں بہت ہو چکا آرام بہت ناز نخرے اٹھوا لیے ہیں...... اب کچھ گھر داری بھی سیکھو دادی محترمہ نے تو لاڈ پیار میں بگاڑ کر رکھ دیا اور خود تو چل بسیں اگلے گھر جاؤ گی تو کوئی بھی ان کا نام تک نہیں لے گا سارے میرے نام پر ہی فاتحہ پڑھیں گے۔ ماں کو ہی الزام دیں گے کوسنے مجھے پڑیں گے کہ بیٹی کو کچھ نہ سکھایا...... میں یہ بھی نہیں کہہ پاؤں گی کہ بیٹی کو صرف پیدا میں نے کیا تھا سارے حق تو اس کی دادی کے پاس تھے۔" صدیقہ بیگم کا لہجہ تلخ تھا۔ "اور سنو کل سے کالج کی چھٹی اور اب صرف گھر میں رہ کر گھر کے کام کاج کرو گی اور دوسرے کام سیکھو گی۔" جاتے ہوئے پلٹ کر نیا حکم صادر کیا۔

"اماں اللہ کے لیے ایسا تو مت کریں کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ مجھے انٹر تو کرنے دیں۔" جاذبہ جو پہلے ہی ان کی باتوں پر حواس باختہ تھی یہ بات سن کر اسے رونا آ گیا۔

"مجھے وہی ہوا ہے جو ایک ماں کو ہونا چاہیے...... جسے ماں سمجھا ہی نہیں گیا محض ایک نوکرانی ایک آیا کی سی زندگی گزاری ہے میں نے لیکن اب کان کھول کر سن لو...... اب اس گھر میں وہی ہوگا جو میں چاہوں گی بہت سسک سسک کر زندگی گزاری ہے میں نے...... اب یہ نہیں ہوگا۔ اب مجھے اپنی حیثیت منوانی ہے۔" دل کا غبار نکال کر صدیقہ بیگم جا چکی تھیں اور جاذبہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔ صدیقہ بیگم نے ایسا پلٹا کھایا کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی صدیقہ بیگم ہیں جو سر جھکائے منہ بند کیے سب کے احکامات پورے کرتی رہتیں جن کے منہ میں زبان نہ تھی اب ہر وقت اسی منہ سے شعلے اگلتی رہتیں۔ اپنی محرومیوں کا بدلہ اپنی اولاد سے لینے پر اتر آئی تھیں۔ جاذبہ نے کالج کو خیرباد کہہ دیا بچے چپ چپ رہنے لگے صدیقہ بیگم ہر وقت کچھ نہ کچھ بڑبڑاتی رہتیں اپنی برسوں سے چھپی فرسٹریشن الفاظ کی صورت نکالتی رہتیں گھر کی بیشتر ذمہ داری جاذبہ پر ڈال دی تھی۔ ماں اور بچوں کے درمیان ایک خلیج جو حائل تھی وقت کے ساتھ ساتھ وہ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔

گھر کے حالات کچھ بدلے ضرور تھے اسلم مرزا نے کمیٹیاں وغیرہ ڈال کر گھر کی حالت بہتر کرلی تھی ایک پورشن بنا کر کرائے پر چڑھا دیا تھا۔ جاذبہ کے لیے رشتے دیکھے جانے لگے تھے۔ صدیقہ بیگم جاذبہ پر خاص نظر رکھتیں راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کے کمرے میں جھانکتی

رہتیں۔ وہ چھت پر جاتی تو چپکے سے اسے دیکھتی رہتیں کہ کہیں کسی سے بات تو نہیں کررہی' کسی کو دیکھ تو نہیں رہی عجیب نفسیاتی سی ہوگئی تھیں' جب جنید سوجاتا تو اس کا بیگ چیک کرتیں' اس کی پینٹ کی جیبوں کی تلاشی لیتیں' اس کی کتابوں کاپیوں کو جھٹک جھٹک کر چیک کرتیں' بات بات پر ٹوکتیں' بے جا پابندیاں لگاتیں' انہیں لگتا تھا کہ وہ یہ سب کرنے کا حق رکھتی ہیں۔ اپنی مرضی چلانا' اپنی پسند زبردستی دوسروں پر مسلط کرنا' گھر کے نظام کو اپنی مرضی اور منشا کے مطابق چلانا اس پر سو فیصد حق ان کا ہے اس طرح سے وہ کبھی کبھی ناجائز بات بھی کر جاتیں اور ان کو اس بات کا احساس تک نہ ہوتا کہ وہ غلط کررہی ہیں۔

اچانک ایک رات اسلم مرزا کو دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ ہوسکے' شوہر کے مرنے کے بعد وہ مزید چڑچڑی اور بدمزاج ہوگئی تھیں' میکے میں بھی کوئی سپورٹ کرنے والا نہیں تھا۔ فریسہ کا بھی عقد ثانی ہوچکا تھا' وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسلام آباد میں تھی۔ ہاجرہ بیگم کا انتقال ہوچکا تھا اور سفیر بھی بیرون ملک جاچکا تھا۔ جاذبہ اور جنید جو خود بھی باپ کے چلے جانے پر غم سے نڈھال تھے ہر وقت ماں کی دلجوئی میں لگے رہتے صدیقہ بیگم کی عدت ختم ہوئی تو فواد کا رشتہ آ گیا' فواد اسلم مرزا کے آفس میں کام کرتا تھا اور ان کے انتقال پر آیا تھا۔ اسے شریف اور سیدھے سادے اسلم مرزا بہت اچھے لگتے تھے۔ جب اس نے جاذبہ کو دیکھا تو اسے اچھی لگی۔ یتیم بچی تھی اور بھائی بھی چھوٹا' اس لیے فواد کے دل میں ہمدردی کا جذبہ بھی ابھرا تھا۔ فواد کا رشتہ منظور کرلیا گیا۔ جنید کو بھی فواد کے توسط سے آفس میں جاب مل گئی تھی۔ صدیقہ بیگم نے اس کے لیے لڑکیاں تلاش کرنا شروع کیں۔ کیونکہ اب ان کو کام کی عادت نہیں رہی تھی اس لیے دونوں بہن بھائی کی شادی ساتھ کرنے کا فیصلہ کرلیا' جاذبہ کے سسرال میں سے ہی ایک لڑکی اذکیہ صدیقہ بیگم کو پسند آ گئی۔ اسلم مرزا کو آفس سے مناسب رقم ملی تھی' پھر کچھ کمیٹیاں بھی تھیں صدیقہ بیگم نے جاذبہ کے لیے کچھ جوڑ کر بھی رکھا تھا۔ شادیاں الحمدللہ احسن طریقے سے انجام پاگئیں۔ جاذبہ رخصت ہوکر فواد کے ساتھ چلی گئی اور اذکیہ دلہن بن کر گھر میں آ گئی۔ اذکیہ کو جنید نے سرسری طور پر دیکھا تھا اسے بھی اذکیہ اچھی لگی تھی۔ اس کے خیال میں اذکیہ جیسی لڑکی صدیقہ بیگم کے ساتھ گزارا کرسکتی ہے۔ اذکیہ پڑھی لکھی' سمجھدار اور سلجھی ہوئی اچھی صورت شکل کی لڑکی تھی۔

شادی کے تین چار دن تک تو صدیقہ بیگم نے اذکیہ کو کوئی کام کرنے نہ دیا۔ اوپر کے کام کے لیے ماسی تھی اور کھانا صدیقہ بیگم پکارہی تھیں۔ اذکیہ کو خود بھی یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ آرام سے بیٹھی رہے اور صدیقہ بیگم کام کریں۔ تین چار دن بعد صبح اٹھ کر اذکیہ خود ہی کچن میں آ گئی۔ کچن کی حالت بہت ابتر ہورہی تھی۔ ہر چیز پھیلی ہوئی تھی۔ چولہوں پر ابلے ہوئے دودھ کے نشانات نمایاں تھے' باقاعدہ تہہ لگی ہوئی تھی۔ گندے برتنوں کا ڈھیر گو کہ ماسی دھوتی مگر بے ترتیبی سے پھیلا پڑا تھا۔ اس نے جنید کے آنے سے پہلے کچن کی تمام تر چیزیں مناسب جگہ پر رکھ کر کچن کو درست حالت میں کردیا تھا۔

''کہاں ہو......؟'' جنید نے خمار آلود آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کچن میں تھی۔'' وہ مسکرائی۔

''کچن میں تم......؟'' جنید نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں جی۔'' اذکیہ جنید کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اماں کام کریں' اب آپ یہ بتائیں ناشتے میں کیا لیں گے۔'' اذکیہ نے پیار سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بھئی...... ہماری بیگم صاحبہ اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے جو بھی کھلادیں۔'' جنید نے مخمور لہجے میں کہا۔

''اذکیہ......اذکیہ۔'' تب ہی باہر سے صدیقہ بیگم کی تیز آواز آئی' اذکیہ گھبرا کر جلدی سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی سمت دوڑی۔

''جی اماں۔''

''یہ باورچی خانے میں تم گئیں تھیں صبح صبح۔''
''جی اماں۔'' اذکیہ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ یقیناً اماں سے داد تحسین ملے گی وہ خوش ہوں گی۔
''دیکھو اذکیہ یہ گھر میرا ہے اور یہاں پر صرف میرے اصول چلتے ہیں۔ میں اپنی سہولت سے ہر کام کرتی ہوں' اپنی سہولت سے ہی ہر چیز رکھی تھی تم نے دو منٹ میں سارے کا سارا باورچی خانہ الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔''
''الٹ پلٹ......!'' اذکیہ ان کی بات پر ششدر رہ گئی۔''اماں میں نے تو بس سمیٹا ہے۔'' وہ منمنائی۔
''کس نے کہا تھا تمہیں یہ سب کرنے کو؟''
''اماں سوری مگر مجھے آپ کا باورچی خانے میں کام کرنا اچھا نہیں لگتا' اس لیے کیا ہے۔ آپ آرام کریں اب میں سنبھال لوں گی۔''
''واہ بی بی واہ...... ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے تمہیں آئے اور مجھ بڑھیا کو کونا پکڑوا رہی ہو۔ میرے ہی گھر میں مجھے بے دخل کرنے چلی ہو۔''
''اماں اللہ نہ کرے...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' صدیقہ بیگم کی بات پر اذکیہ نے ان کی طرف دیکھا۔ آواز سن کر جنید بھی آ گیا تھا۔ اذکیہ سر جھکائے کھڑی تھی اور اماں اس سے ایسے سوال جواب کر رہی تھیں جیسے اس نے کوئی گناہ کر دیا ہو۔
''اماں آپ غلط سمجھ رہی ہیں' میرا ایسا مطلب قطعی نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کوئی کام نہ کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا یہ سب...... جنید میں نے صرف یہی سوچ کر کام کیا' کچن کی صفائی کی۔'' وہ نم آنکھیں لیے جنید کی جانب پلٹی۔
''اوکے...... اماں جیسا چاہیں تم ویسا کرو اماں کی مرضی کے بغیر کچھ مت کرنا۔'' جنید نے اسے آنکھ کے اشارے سے چپ رہنے تاکید کی اور زبان سے اماں کے حق میں تھوڑے سخت لہجے میں کہا۔ جنید کی بات پر صدیقہ بیگم کے چہرے کے تناؤ میں کچھ کمی واقع ہوئی۔
''میرے لیے سادی روٹی' رات کا سالن اور شہد لے کر آؤ ناشتے کے لیے۔'' صدیقہ بیگم چبھتی ہوئی نظر اذکیہ پر ڈال کر تیکھے لہجے میں آرڈر دے کر اپنے کمرے کی جانب چلی گئیں۔ اذکیہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ اس نے خوشی خوشی کام کی ابتدا کی تھی اس کا خیال تھا کہ اماں اسے سراہیں گی' خوش ہوں گی مگر انہوں نے تو بالکل ہی الٹی بات کی' منفی سوچ تھی ان کی' روٹی بیلتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ناشتہ لے کر اماں کے کمرے میں آئی' اماں تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ وہ ٹرے سامنے رکھ کر پلٹی۔
''سنو لڑکی۔'' تیز آواز پر اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔
''آئندہ سے اس بات کا خیال رکھنا کہ اگر گھر کے کسی کونے سے کوئی فالتو تنکا بھی اٹھانا ہو تو پہلے مجھ سے اجازت لینی ہوگی۔ میں اپنے گھر کے معاملات میں کسی کی بھی دخل اندازی برداشت نہیں کرتی۔ تم بہو ہو تو بہو بن کر رہو ساس بن کر مرضی چلانے کی ضرورت نہیں۔'' ناشتے کی ٹرے اپنے قریب کھسکاتے ہوئے ایک بار پھر وارننگ دی۔
''جی بہتر اماں' کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ سے پوچھے بنا کوئی بھی کام نہ کروں۔'' سعادت مندی سے جواب دیا اور کمرے سے نکل گئی۔
اذکیہ پر اپنی پوزیشن اور حیثیت کی دھاک بٹھا کر صدیقہ بیگم خاصی مطمئن تھیں' یہ بات تو انہوں نے پہلے سے ہی سوچ رکھی تھی کہ پہلی فرصت میں اذکیہ کی اچھی طرح سے کلاس لیں گی تاکہ وہ آئندہ کے لیے محتاط ہو جائے اور قدم قدم پر ان سے ڈرتی رہے اور ان کی مرضی کے بنا ایک قدم بھی نہ اٹھا سکے۔ جبکہ اذکیہ کو یہ بات بری طرح دل پر جا کر لگی تھی۔ آخر اس نے ایسا کیا غلط کیا؟ چیزوں کو سلیقے اور ترتیب سے رکھنا' صفائی کرنا' یہ سب اس کی غلطیوں مین شمار کیا جا رہا تھا۔
''کیا گھر کی صفائی کرنے کے لیے اماں کی اجازت درکار ہوگی......؟ کیا خالی برتنوں کی صفائی کرنا یا ان میں سودا ڈالنا یہ بات بھی اماں سے پوچھ کر کرنا پڑے گی' اسے اندازہ

نہیں تھا کہ صدیقہ بیگم اتنی ہٹلر مزاج ہوں گی اتنی بڑی ڈکٹیٹر ہوں گی جنید کا ناشتہ لے کر آئی تو جنید بھی فریش ہو کر آ گیا تھا۔

"کیا ہوا جاناں......؟" جنید نے اس کا اداس چہرہ دیکھ کر سوال کیا۔

"آپ کو نہیں پتہ کہ کیا ہوا؟" اس کی آنکھوں میں آنسو نمایاں تھے۔

"اوہ میری جان۔" جنید نے بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "پلیز اذکیہ...... میری جان میں اماں کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں ان کی باتوں کو دل پر مت لیا کرو یار...... پتہ نہیں کیوں وہ ایسی ہو گئی ہیں...... صحیح اور غلط کی پہچان نہیں رہی بس وہ جو کہیں وہ ہی صحیح سمجھتی ہیں۔ میری خاطر تم ان کی باتوں کو اگنور کر دیا کرو پلیز۔" جنید نے اسے بانہوں میں بھر کر محبت سے چور لہجے میں کہا تو وہ نم آنکھوں سے جنید کو دیکھنے لگی۔ جنید کی محبت بھری آغوش میں آ کر ساری تلخی بھول چکی تھی۔

"جنید......" صدیقہ بیگم کی تیز آواز پر جنید ہڑبڑایا۔

"ارے یار ادھر ظالم نظریں اور ادھر ظالم سماج یہاں تو دل بھر کے رومانس بھی نہیں کر سکتا۔" جنید جھنجلا کر اسے چھوڑ کر باہر کی سمت دوڑا۔

"میری دوائیں ختم ہونے والی ہیں وہ لا کر دے دینا۔" جنید کو باہر بلوانے کا بودا سا جواز پیش کیا اب بھلا وہ کیسے جنید اور اذکیہ کو کمرے میں اتنی دیر برداشت کر پاتیں کچھ نہ کچھ بہانہ تو بنانا تھا ناں۔

"اماں ابھی تین دن باقی ہیں آپ کی دوائیں ختم ہونے میں...... ابھی آپ کی دوائیں تو ہوں گی ناں۔" جنید نے تاریخ کا حساب لگا کر کہا۔

"ہاں ہاں پتہ ہے مجھے بھی میں نے کہا یاد دلا دوں حالات کا کوئی بھروسہ نہیں رہتا۔ کل کلاں کو خراب ہو جائیں تو......" بہانے کو مزید مستحکم بنانے کے لیے لمبا چوڑا جواز پیش کیا۔

"اماں ابھی حالات کے پیش نظر میں ہمیشہ آپ کی ایکسٹرا دوا لا کر دیتا ہوں کیوں پریشان ہوتی ہیں آپ خوامخواہ۔" جنید کی بات پر وہ کھسیا گئیں۔

"اچھا بیٹا...... معاف کر دو غلطی ہو گئی مجھ بڑھیا سے کہ تمہیں تمہاری خلوت سے نکالا مخل ہو گئی تمہاری باتوں میں۔"

"افوہ اماں ناراض کیوں ہوتی ہیں میں تو بس ایک بات کہہ رہا تھا یہ بتائیں ناشتے کے بعد والی دوا آپ نے لے لی......؟" جنید ان کے پاس بیٹھ کر نرم لہجے میں بولا۔

"ہاں لے لی۔" انہوں نے منہ پھیر کر جواب دیا۔

"ارے پیاری اماں ناراض مت ہوا کریں۔" جنید صدیقہ بیگم کے پیر تھام کر عاجزی سے بولا۔

"اچھا میں ناشتہ کر لوں ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"جاؤ۔" بدستور منہ پھولا ہوا تھا۔ جنید کمرے سے نکل گیا تھا۔

جاذبہ بہت کم آتی وہ بھی صدیقہ بیگم کا رویہ دیکھتی تو اسے بہت افسوس ہوتا مگر وہ کیا کر سکتی تھی۔ اسے یہاں آ کر بھی کوفت ہوتی۔ اس سے بہتر تو وہ اپنے سسرال میں خوش اور مطمئن رہتی وہ بہت کم آیا کرتی جنید اور اذکیہ سے وہ سیل پر بھی رابطہ کر لیتی اور سب کی خیر خیریت معلوم ہو جاتی۔ اذکیہ کی طبیعت خراب ہوئی تو پتہ چلا کہ اس کے گھر خوشخبری آنے والی ہے۔ جنید کو بچے بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ تو سن کر خوشی سے بے قابو ہو گیا تھا۔ جنید اذکیہ کا بہت خیال رکھتا تھا صدیقہ بیگم کو جنید کا اتنا خیال رکھنا بہت کھلتا وہ وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ کہتی رہتیں ہدایات بڑھ گئی تھیں۔ اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا آنے جانے ہر چیز پر ٹوکنا روکنا عروج پر تھا۔ اس حالت میں بھی اذکیہ گھریلو امور برابر انجام دیتی رہتی۔ پھر ان کی زندگی میں کسوئی آ گئی۔ کسوئی کے بعد اسد بھی پیدا ہو گیا۔ صدیقہ بیگم وقت کے ساتھ ساتھ مزید چڑچڑی اور بدمزاج ہو گئی تھیں۔ بلڈ پریشر اور شوگر کی وجہ سے ہر وقت جھنجلاہٹ اور بیزاری کا شکار رہتیں۔ حتیٰ کہ کسوئی اور اسد سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اذکیہ جانفشانی اور تندہی سے صدیقہ بیگم کا ہر حکم بجا لاتی

جاذبہ ملنے کے لیے آتی تو صدیقہ بیگم اس سے بھی بس لیے دیے رہتیں۔ کبھی کبھی اذکیہ کو بہت برا بھی لگتا مگر دن بھر کی تلخیوں کے بعد جب رات کو جنید اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اسے سینے سے لگا لیتا، اس کی حوصلہ افزائی کرتا اور کھل کر اس کے صبر اور برداشت کی تعریف کرتا تو وہ ساری تلخیاں بھول جاتی اسے جنید کی محبت کا بہت سہارا تھا۔

موسم آتے جاتے رہے، دن گزرتے رہے کسوئی چار سال کی اور اسد تین سال کا ہو چکا تھا۔ دونوں بچے دادی کے کمرے میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جاذبہ کے بھی دو بچے ریان اور شجاع تھے وہ جڑواں تھے تین سال کے ان بچوں کو بھی نانی سے لگاؤ نہیں تھا، اگر کبھی کھیلتے ہوئے بچے صدیقہ بیگم کے بستر پر چڑھ جاتے تو صدیقہ بیگم آپے سے باہر ہو جاتیں کہ گندے پیروں سے میرا بستر خراب کر دیا یا پانی گرا دیا یا میری سنبھال کر رکھی ہوئی چیزیں اِدھر اُدھر پھینک دیں۔ مجھے نماز پڑھنے نہیں دی، غرض یہ کہ بچوں کی موجودگی بھی ان کو برداشت نہ ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اذکیہ کو صدیقہ بیگم پر ترس آ جاتا اسے لگتا کہ جیسے اماں نفسیاتی مریضہ بن گئی ہوں۔ اس کا دل چاہتا کہ اماں کو کسی ڈاکٹر کو دکھائیں مگر پھر ڈر کے مارے چپ ہو جاتی کہ اس بات کو لے کر اماں طوفان مچا دیں گی۔

❁....❁....❁....❁

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ رمضان المبارک میں صدیقہ بیگم کی عبادات میں بھی اضافہ ہو جاتا تو ہدایات میں بھی اضافہ ہو جاتا، اذکیہ خود بھی نماز روزے اور عبادتوں کے ساتھ ساتھ دونوں بچوں کی ضروریات کا خیال رکھتی، ساتھ ساتھ صدیقہ بیگم کی ہدایات پر بھی عمل درآمد جاری ہوتا۔ سحری میں یہ بننا ہے، افطار وقت سے پہلے تیار کر دیا کرو اور اذکیہ سخت گرمی میں روزے کی حالت میں نڈھال ان کے احکامات کے پیچھے اِدھر اُدھر بھاگتی رہتی، اذکیہ نے وقت سے پہلے اماں کے لیے عید کے دو بہترین جوڑے سلوا کر رکھ لیے تھے۔

رمضان المبارک اختتام کی جانب رواں دواں تھا تب ہی جاذبہ کے شوہر فواد کو آفس کے کام کی وجہ سے فوری ملک سے باہر جانا پڑا جاذبہ کو میکے آئے ہوئے بھی کافی وقت ہو گیا تھا وہ جنید اور اذکیہ کے کہنے پر عید منانے یہاں آ گئی تھی۔ ویسے بھی جاذبہ کو اذکیہ سے قدرتی لگاؤ اور ہمدردی تھی اور وقتاً فوقتاً جاذبہ اذکیہ کو ستائشی کلمات سے نوازتی رہتی کہ گزشتہ پانچ سال سے وہ مستقل مزاجی اور تسلی کے ساتھ اماں کی زیادتیوں کو بنا اف کیے برداشت کیے جا رہی تھی۔ کسی معاملے میں، کہیں بھی جھول نہ تھا۔ اس کے باوجود بھی اسے صدیقہ بیگم کی طرف سے منفی باتیں اور طنز ہی سننے کو ملتا، چاند رات آ گئی تھی۔ جنید بچوں کو لے کر بازار گیا تھا۔ بچے بہت خوش تھے ریان اور شجاع پہلی بار چاند رات کو گھر سے باہر نکلے تھے۔ ان کو یہاں آ کر بہت اچھا لگ رہا تھا، بچے واپس آ کر سو گئے، اذکیہ عید کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ صدیقہ بیگم بھی دوا لے کر ٹائم پر سو چکی تھیں۔ کام کے دوران اذکیہ چائے پکانے لگی اور جنید اور جاذبہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ اذکیہ چائے لے کر آئی تو جاذبہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔

”اذکیہ سچ میں تم بہت گریٹ ہو، تم نے جس طرح سے اتنے سال گزارے ہیں، بغیر کوئی حرف شکایت زبان پر لائے اماں کی بے جا پابندیاں، روک ٹوک، ناجائز احکامات اور اماں کی ڈکٹیٹر شپ برداشت کی ہے دل کرتا ہے کہ تمہیں سلوٹ کروں۔ تم نے ہر قسم کے حالات کا ہنستے ہوئے مقابلہ کیا، اگر شاید میں بھی تمہاری جگہ ہوتی تو کم از کم احتجاج ضرور کرتی۔“ کہتے ہوئے جاذبہ کو رونا آ گیا۔

”ارے آپی پلیز یہ تو میرا فرض تھا۔ میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ میرا گھر ہے، میرا شوہر بچے اور ماں کی جگہ اماں ہیں، آپی پتہ ہے آپ کو بچپن میں میرے والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، میں تو ٹھیک طریقے سے ان کی خدمت بھی نہ کر پائی، ان سے ڈھنگ سے بات بھی نہ کر پائی، میں نے ہوش سنبھالا تو اماں کو بستر سے لگے ہی دیکھا، بس میں ان کو دور سے دیکھا کرتی، نہ جانے ان کو کون سا مرض تھا کہ میرا ان کے پاس جانا منع تھا۔ میرا دل کرتا تھا کہ میری

دوسری سہیلیوں کی طرح میں بھی اماں کے سینے سے لگ کر سوؤں میری اماں بھی صبح صبح میرے لیے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ بنائیں مجھے تیار کرکے اسکول بھیجیں واپسی پر دروازے پر کھڑی میرا انتظار کریں میرے ساتھ کھیلیں میری گڑیا کے کپڑے سی کردیں میرے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے کریں چاندرات کو اپنے ہاتھوں سے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائیں میرے لیے گوٹے کناری کے کپڑے تیار کریں لیکن...... لیکن...... میری معصوم خواہشات میری چھوٹی چھوٹی سی تمنائیں سب دھری کی دھری رہ گئیں جب...... اماں...... ہمیں چھوڑ کر بہت دور چلی گئیں...... میرے دل میں ایک کسک تھی ایک چھپی ہوئی بچپن کی معصوم سی خواہش میں نے ماں کو لے کر بہت سے خواب اپنی پلکوں پر سجائے تھے آپی میں ہمیشہ سوچا کرتی تھی کہ جب میری شادی ہوگی تو میں اپنی ساس سے وہ سارے لاڈ اٹھواؤں گی جو میرے دل میں کسک کی طرح موجود ہیں اور وہ خواہش بھی پوری کروں گی کہ ان کی دل بھر کے خدمت کروں گی ان کی گود میں سر رکھ کر بہت سارا روؤں گی ساری تشنگی ساری حسرتیں بھول جاؤں گی اور جب یہ بات میں اپنی سہیلیوں سے کہتی تو سب خوب ہنستیں اور میرا خوب مذاق اڑاتیں کہ بھلا ساس بہو میں کبھی اتنا پیار دیکھا ہے؟ میں یقین سے کہتی کہ میں یہ روایت توڑ کر دکھاؤں گی...... آپی میں نے اپنے طور پر تو یہ ساری کوشش کی...... لیکن......" جنید اور جاذبہ ایک ٹک اس کے اداس چہرے اور بھیگے لہجے کو دیکھے جارہے تھے۔ جاذبہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا۔

"میری بہن میری جان تم نے اپنے طور پر سب کچھ کیا تم اتنی ٹوٹی ہوئی اتنی بکھری ہوئی لڑکی تھیں تمہیں سچے پیار کی ضرورت تھی لیکن تمہیں سوائے اماں کی جھڑکیوں طنز ڈانٹ ڈپٹ اور بے جا پابندیوں کے کچھ بھی نہ ملا تم کتنی معصوم ہو۔" جاذبہ جذبات میں آ کر باقاعدہ رونے لگی تھی۔ اسے اذکیہ پر بہت ترس آرہا تھا۔

"ارے آپی پلیز آپ روئیے نہیں سچی بات یہ ہے کہ مجھے اماں سے کوئی شکایت نہیں میں نے نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور مجھے یہاں آ کر گزشتہ حالات جان کر اس بات کا اندازہ ہوگیا ہے کہ اماں کا دادی کے مرنے کے بعد ایسا رویہ کیوں ہوگیا؟ آپ لوگوں سے اور پھر مجھ سے وہ پہلے دن سے ہی اتنی روڈ اور سختی سے کیوں پیش آتی ہیں آپی اماں جیسی خواتین کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو بچپن سے ہی ایک قسم کی فرسٹریشن احساس محرومی کا شکار ہوتے ہیں ان کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں حاکمانہ مزاج چھپا ہوتا ہے جس کی ان کو شدید خواہش رہتی ہے وہ مکمل حکمرانی کرنے کی خواہش دل میں دبائے رکھتی ہیں ان کی شدید خواہش رہتی ہے کہ وہ اپنے گھر پر راج کریں اپنے شوہر اور بچوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلائیں اور جیسا کہ میں نے سنا ہے دادی کا رویہ اماں کے ساتھ بہت خراب تھا اور وہ دادی کے رویے کی وجہ سے اندر سے بالکل ٹوٹ چکی تھیں کہ ان کو خود کو سمیٹنا بھی مشکل لگتا تھا ان کے وہ خواب مٹی میں مل گئے جو آنکھوں میں سجا کر وہ دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھیں نہ وہ گھر پر حکمرانی کرسکیں اور نہ شوہر پر حتیٰ کہ آپ لوگوں پر بھی وہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کرسکیں مارنا تو بہت دور کی بات ہے وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ اور بے بس سمجھنے لگیں اپنے گھر میں اپنی حیثیت نہ ہونے کا صدمہ دل پر لیتی گئیں اور پھر جب دادی کا انتقال ہوگیا تب ان کو لگا جیسے وہ آزاد ہوگئی ہیں اور اس طرح کے ترسے ہوئے لوگوں کے لاشعور میں جو برسوں سے چھپی خواہشات ہوتی ہیں وہ ذرا سا موقع ملتے ہی پورے زوروشور کے ساتھ باہر آجاتی ہیں اور جس پر وہ اپنی فرسٹریشن یا برسوں پرانا غبار نکال سکیں وہی ان کے عتاب کی زد میں آتے ہیں اسی لیے دادی کے مرنے کے بعد انہوں نے ساری فرسٹریشن آپ لوگوں پر نکالی اور جب ہماری شادی ہوئی تو یقیناً وہ خود کو غیر محفوظ سمجھنے کے ڈر سے پہلے دن سے ہی مجھے کنٹرول میں کرنے کے لیے میرے ساتھ یہ رویہ رکھا ان کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں جنید ان سے باغی نہ ہوجائیں سچ آپی مجھے کبھی کبھی اماں پر بہت ترس بھی آتا ہے مجھے ان سے کوئی

شکایت نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کو صرف پیار محبت اور لگن کے ساتھ ہی ٹھیک کیا جاسکتا ہے' گزشتہ پانچ چھ سالوں سے میں برابر یہی کوشش کررہی ہوں اور امید واثق ہے کہ ایک نہ ایک دن میں اماں کو ضرور بدل دوں گی بس آپ میرے لیے دعا کیجیے آپ کی دعا اور جنید کا ساتھ ہے تو میں کبھی بھی نہیں ہاروں گی۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں اتنی اچھی اتنی مدلل اور عقل مندی والی باتیں کررہی تھی کہ جنید حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اور جاذبہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اذکیہ کے ہاتھ چوم لے کتنی پیاری' کتنی مخلص اور کتنی بہادر تھی یہ چھوٹی سی لڑکی۔

صدیقہ بیگم کو عادت تھی کہ اکثر راتوں کو اٹھ کر جنید اور اذکیہ کی کن سوئیاں لیتی تھیں کہ کہیں کوئی ایسی بات پکڑ میں آجائے کہ جس کو لے کر اذکیہ کے لتے لے سکیں' حسب عادت آج بھی پانی پینے کو اٹھیں تو پہلے اذکیہ کے کمرے کی جانب آ گئیں کہ دیکھوں تو نند بھاوج اور بھائی مل کر کیا کیا باتیں کررہے ہیں مگر اندر سے آتی ہوئی آوازوں نے ان کے قدم جکڑ لیے'اذکیہ کی باتوں نے انہیں ہلا ڈالا تھا کتنی اچھی اور معصوم تھی وہ کل کی بچی جس نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ ساری کدورتیں' ساری دھند پل میں مٹادی تھی۔ اذکیہ کی باتوں نے ان کا پتھر جیسا دل لمحے میں موم کر ڈالا تھا۔ وہ الٹے پاؤں اپنے کمرے میں واپس آ گئیں اور پچھلے ایک گھنٹے سے اضطرابی کیفیت کا شکار تھیں۔

"یااللہ مجھے معاف کردینا میرے مالک' میں بھی کتنی پاگل تھی اپنی محرومیوں کا بدلہ اپنی اولاد سے ہی لے رہی تھی۔ میں اپنے بچوں سے ہی عداوت کررہی تھی۔ میرا زمانہ تو پھر بھی دوسرا تھا' اگر...... اذکیہ آج کی لڑکی چالاک اور چلتر باز ہوتی تو' کہاں میری زیادتیاں برداشت کرتی وہ تو دوسرے دن ہی میرا گھر میرے منہ پر مار کر میرے بچے کو لے کر چلی جاتی...... اوہ تو اذکیہ اچھے خاندان کی' محروم اور پیار کی ترسی ہوئی بچی تھی جو اچھے دنوں کے انتظار میں چپ چاپ میری ہر غلط اور ناجائز بات پر بھی لبیک کہا۔ کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہ لائی' میں نے کتنی بار چھپ چھپ کر باتیں سنیں کبھی بھی دن میں ہونے والی باتوں کا ذکر جنید کے سامنے نہ کیا ہمیشہ ہنستی مسکراتی اور خوش اسلوبی کے ساتھ مصروف عمل رہی' یااللہ میں نے کیا کیا......؟" سوچ سوچ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ احساس ندامت سے خود کو ملامت کیے جارہی تھیں۔ باہر کی لائٹیں آف ہوچکی تھیں۔ غالباً اذکیہ کام سمیٹ کر لیٹ گئی تھی لیکن صدیقہ بیگم کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی۔ ان کا دل چاہ رہا تھا ابھی اٹھ کر اذکیہ سے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں' زیادتیوں کی معافی مانگ لیں' فجر سے کچھ دیر پہلے آنکھ لگی۔

صبح فجر کے وقت سب لوگ اٹھ گئے تھے۔ بچے بھی اٹھ کر خوشی خوشی نہا دھو کر عید کی تیاری کررہے تھے۔ اذکیہ نماز پڑھ کر کچن میں آ گئی تھی تاکہ ناشتے کی تیاری مکمل کرسکے' جاذبہ اور جنید کی آنکھ ابھی نہیں کھلی تھی' اذکیہ ان لوگوں کو اٹھانے کی غرض سے کچن سے باہر آئی جیسے ہی صدیقہ بیگم کے کمرے کے سامنے سے گزری انہوں نے آواز لگائی۔

"جی اماں......" وہ بھاگ کر ان کے کمرے میں آ گئی۔

"ادھر بیٹھو۔" نرمی سے کہے گئے جملے پر اذکیہ نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا ویسے تو عام دنوں میں فجر کی نماز کے وقت وہ چائے کو لے کر شور مچارہی ہوتی تھیں اور آج...... وہ پاس ٹک گئی۔

"تم کس مٹی کی بنی ہوئی ہو......؟" عجیب وغریب لیکن نرم لہجے میں کیے گئے سوال پر اذکیہ نے حیرت سے ان کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں کرختگی' طنز یا نخوت کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ نرمی' ندامت اور سادگی نمایاں تھی۔

"جی اماں میں سمجھی نہیں؟" وہ بدستور حیران تھی۔

"ادھر آؤ میرے قریب۔" وہی میٹھا لہجہ اذکیہ اور قریب آ گئی اور حیرت سے صدیقہ بیگم کو دیکھا۔ صدیقہ بیگم نے اسے سینے سے لگالیا اور زاروقطار رونے لگیں۔ "میری

بچی..... مجھے معاف کردے میں نے تیرے ساتھ نہ جانے کیا کیا زیادتیاں کیں اور تم نے ایک بار بھی پلٹ کر مجھے جواب نہیں دیا۔ میری ناجائز بات کو بھی پتھر کی لکیر سمجھ کر عمل کیا..... ایک بار بھی پلٹ کر مجھے جواب نہ دیا' کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہ لائی..... اور میں..... گھٹیا سوچ رکھنے والی جاہل عورت..... جو اپنے ساتھ ہوا' اس سے زیادہ زیادتیاں تیرے ساتھ روا رکھیں' قدم قدم پر تیری تذلیل کی..... یہ بھی نہ سوچا کہ وہ معصوم بچے جو میرے اپنے ہیں وہ میرے پاس آنے کو ترستے ہیں' اپنی ضد اور انا کے چکر میں اپنے بچوں سے بھی دور رہی' میں نے تو جہالت کی انتہا کردی..... مجھے کہاں معلوم تھا کہ تو بھی ایک ترسی ہوئی بکھری ہوئی اور دکھی بچی ہے..... تو ماں کے پیار کو ترسی ہوئی ہے' ایک آس' ایک امید لے کر یہاں آئی تھی۔ میں نے تیرے سارے ارمان' ساری اچھی سوچیں اور اچھی باتیں سب کچھ خاک میں ملا کر صرف اور صرف حکومت کرتی رہی' زیادتیاں کرتی رہی' مجھے معاف کردے میری بچی۔'' اذکیہ جو حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں صدیقہ بیگم کو دیکھ رہی تھی تڑپ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''نہیں اماں پلیز معافی مانگ کر آپ مجھے گناہ گار نہ کریں' میرے لیے یہی بہت بڑی اور خوشی کی بات ہے کہ آپ مجھے سمجھ گئی ہیں..... آپ نے مجھے بیٹی کہہ کر سینے سے لگایا..... میری برسوں کی تشنگی کو تو ایک لمحے میں مٹا ڈالا آپ نے اماں..... میں اسی ایک لمحے کے انتظار میں ہی تو برسوں سے سولی پر ٹنگی تھی..... ماں کی ممتا کا لمس پانے کو بے چین بے قرار میرے دل کو آپ نے ممتا کی ٹھنڈی چھاؤں کی آغوش میں لے کر سیراب کر ڈالا۔'' اذکیہ بھی زار و قطار روتے ہوئے ان کے ہاتھوں کو چوم رہی تھی۔

''ہاں میری بچی اللہ پاک نے مجھے اب جتنی بھی زندگی دی ہے' میں تجھے اتنا پیار دوں گی کہ تیری ساری تشنگی ختم ہوجائے گی' میرے معصوم اور چھوٹے چھوٹے بچے یہاں آتے ہوئے سہم جاتے تھے کہ دادو کا بستر خراب ہوگا' نانو ڈانٹیں گی' ان کے کمرے کے آگے شور نہ کرو' ان کی چیزوں کو ہاتھ مت لگاؤ' ان کے روم میں مت جاؤ' دادو ڈانٹیں گی' دادو غصہ کریں گی۔'' صدیقہ بیگم اپنی کوتاہیاں قبول کرتے ہوئے نادم ہوئے جارہی تھیں۔ دروازے میں جنید' جاذبہ اور چاروں بچے کھڑے حیرت اور خوشی سے اندر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ جنید اور جاذبہ کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہی صدیقہ بیگم ہیں۔

''ادھر آؤ میرے بچو.....'' صدیقہ بیگم نے دروازے کی جانب دیکھ کر اشارہ کیا تو سارے دوڑے چلے آئے' سب کو اپنے سے لپٹائے صدیقہ بیگم روتے ہوئے سارا غبار نکال دینا چاہتی تھیں۔ گھر کا مکدر ماحول ایک دم ہی خوشگوار ہوگیا تھا۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور اس عید کو ہم سب کے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا گہوارہ بنادیا' آج اس عید کو ہم سب مل کر بھرپور طریقے سے منائیں گے۔ سب لوگ عید کی تیاریاں کرو ناشتے کے بعد سب کو میری طرف سے عیدی بھی ملے گی۔'' صدیقہ بیگم نے کسوی' اسد' ریان اور شجاع کو پیار کرتے ہوئے کہا تو بچے خوش ہوگئے۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے اتنی ہمت' حوصلہ اور برداشت دی کہ آج میں سرخرو ہوئی۔'' اذکیہ نے دل میں سوچا جبکہ جنید محبت بھری ستائشی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''عید مبارک.....'' قریب آکر کانوں میں کہا تو اذکیہ نے مسکراتے ہوئے وکٹری کا نشان بنایا۔

میری عید تم سے ہے

زارا رضوان

''تین دِن ہوگئے تمہیں دیکھے ہوئے' تمہیں دیکھے بغیر میرے دِن کس طرح گزر رہے تھے' تم اندازہ نہیں کرسکتی' کب سے تمہارا اِنتظار کررہا تھا آج آئی ہو پورے چار دِن بعد' ہمیشہ کی طرح بیگانی بن کر پاس سے یوں گزر گئی جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ کب تک دِل کو پتھر بنائے رکھو گی۔ خدارا اب تو دوستی کا ہاتھ تھام لو۔ میں تمہارے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ اگر تم نے کوئی جواب نہ دیا تو میں سیدھا تمہارے گھر پہنچ جاؤں گا رِشتہ لے کر' کہوں گا تمہاری رضامندی سے آیا ہوں۔'' اِتنی بڑی دھمکی سن کر وہ شدتِ خوف سے کانپنے لگی۔ خط کا ہر لفظ اُسے خنجر محسوس ہورہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کوئی تیز چاقو سے اس کی عزت کو تار تار کرنے کے درپے ہو۔ چور نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھا اور کانپتے ہاتھوں سے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ڈسٹ بن کی نذر کردیا۔

یہ سلسلہ کئی ماہ سے جاری تھا۔ کالج کے سامنے سڑک کے کنارے ایک درخت تھا۔ جہاں ہر کوئی اپنی مطلوبہ بس کے اِنتظار میں کھڑا ہوتا تھا تو کوئی چھاؤں کی غرض سے کھڑا ہوتا۔ وہیں ایک روز وہ وین کا اِنتظار کررہی تھی جب کسی اجنبی نے اسے مخاطب کیا۔ تحریم نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تو سر پر سوار ہی ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد وین آگئی تو اُس نے کلمہ شکر اَدا کیا اور عہد کیا کہ اب اُس پیڑ کے نیچے کھڑی نہ ہوگی۔ کچھ دِنوں تک وہ یہ بات بھول گئی۔ ایک دِن اُس نے پتھر پر کاغذ لپیٹ کر اس کی طرف پھینکا۔ بہت ہی عامیانہ اور تھرڈ کلاس حرکت تھی۔ ایک پل کو تو تحریم سن ہوکر رہ گئی لیکن پتھر پر لپٹا خط اب بھی نہ اُٹھایا تھا۔

''اُٹھالیں مس ورنہ ہاتھ میں لیٹر پکڑا دوں گا۔'' سب سے نظریں بچا کر اُس نے کہا اور جھٹ بائیک اسٹارٹ کرکے یہ جا وہ جا۔ تحریم پریشان ہوگئی۔ یہ وہی لڑکا تھا جو کچھ دِن پہلے اسے تنگ کررہا تھا۔

ہر دو تین دِن کے بعد سب سے نظریں بچا کر کاغذ کو بال کی شکل دے کر اس کی طرف پھینک دیتا جس میں فون نمبر دینے کی استدعا اور دوستی قبول کرنے کی درخواست ہوتی۔ تحریم کا دِل مٹھی میں آجاتا۔ وہ کسی کو کچھ بتانے کی ہمت کر رہی تھی نہ خود کچھ کرسکتی تھی۔

''اگر وہ واقعی گھر پہنچ گیا تو؟ یااللہ میری مدد فرما' کیوں میرے پیچھے پڑگیا ہے یہ۔ کیسے روکوں اسے؟ کس کس کو یقین دِلاؤں گی......''

''تحریم۔'' سر گھٹنوں میں دیئے وہ رو دینے کو تھی لیکن سعیدہ بیگم کی آواز سن کر فوراً کتاب کھول لی اور پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

''کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' سعیدہ بیگم نے اُس کے چہرے کو دیکھ کر پوچھا جو زرد ہورہا تھا اور آنکھیں چھلکنے کو بے تاب۔

''جی جی بالکل ٹھیک ہے۔'' وہ ایک دم بوکھلا گئی جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

''لگ تو نہیں رہی۔'' سعیدہ زمان نے ایسے دیکھا جیسے یقین کرنا چاہ رہی ہوں کہ آیا وہ سچ کہہ رہی ہے۔

''سر میں بہت درد ہے۔''

''تم بیٹھو میں کھانا یہیں لادیتی ہوں۔ کھانا کھا کر ٹیبلیٹ کھالینا اور آرام کرنا۔''

''نہیں امی بھوک نہیں۔ ایک کپ چائے کا مل جاتا تو......''

''میں لاتی ہوں۔'' سعیدہ بیگم کے جاتے ہی تحریم کو اپنی بوکھلاہٹ کا احساس ہوا۔ ''امی کیا سوچتی ہوں گی؟ کیا ان کو اعتماد میں لے کر سب بتا دوں؟ نہیں نہیں' ایسا نہیں کرسکتی وہ پریشان ہوجائیں گی۔ پیپرز میں کچھ دِن باقی ہیں پھر کون سا کالج جانا ہوگا۔'' وہ سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی۔

☆......☆☆☆......☆

''کیا بات ہے تحریم؟ میں دیکھ رہی ہوں تم پچھلے کئی دِنوں سے پریشان ہو؟'' سعیدہ زمان نے پوچھا تو چائے کا کپ ہونٹوں تک لے جاتے تحریم کے ہاتھ لمحہ بھر کو کانپے لیکن جلد ہی خود پر قابو پالیا۔ ماں کی نظروں سے ہاتھوں کی کپکپاہٹ چھپ نہ سکی۔

''نہیں امی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ اِمتحان سر پر ہیں اس لیے تھوڑا......''

''جھوٹ مت بولو۔ آج سے پہلے تو اِمتحانوں کو سر پر سوار نہیں کیا؟'' سعیدہ زمان نے قدرے غصے سے کہا۔

''امی یقین کریں ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر ہوتی تو آپ کو بتاتی؟'' لہجے کو بہت حد تک نارمل کیا۔

''پکی بات ہے؟ دیکھو اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔''

''امی ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ سے شیئر کرتی بلکہ ضرور شیئر کرتی۔ آپ بس دُعا کیجیے کہ اللہ کامیاب کرے۔'' تحریم نے اپنے لہجے اور بوکھلاہٹ پر کافی حد تک قابو پاکر سعیدہ بیگم کو اپنے تئیں مطمئن کردیا تھا۔

''اللہ کامیاب کرے۔'' اُنہوں نے صدقِ دِل سے دُعا دی لیکن مطمئن وہ اب تک نہ ہوئی تھیں۔

☆......☆☆☆......☆

''ہیلو تحریم! کہاں گم ہو؟'' ہانیہ نے اسے سوچ میں گم دیکھ کر چٹکی بجائی تو وہ ایک دم چونکی۔

''ہاں ہاں سب ٹھیک ہے۔ بس یونہی طبیعت کچھ......''

''طبیعت خرابی کا بہانہ مت بنانا۔ طبیعت خراب کم از کم ایسے تو نہیں ہوتی۔ فرق ہے اِس میں اور پریشانی میں۔'' ہانیہ نے فوراً بات کاٹ کر کہا تو تحریم سر جھکانے کے سوا کچھ نہ کرسکی۔

''بولو بھی کیا مسئلہ ہے تم مجھ سے شیئر کرسکتی ہو۔'' ہانیہ نے اپنا ہاتھ تحریم کے ہاتھ پر رکھا تو اُس نے اپنے دِل کا بوجھ ہلکا کرنے میں عافیت جانی اور اسے ساری صورت حال بتادی۔

''یہ بات ہے۔ کب سے پیچھے لگا ہوا ہے؟''

''ڈھائی ماہ پتہ نہیں کون ہے کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟ ہر دوسرے دِن حاضر ہو جاتا ہے۔'' تحریم کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''لوفر ہوتے ہیں ایسے لڑکے۔ کسی نہ کسی کو پھنسانے کے لیے ایسی اوچھی حرکتیں کرتے ہیں۔ اسے تو میں ٹھیک کروالوں گی۔'' ہانیہ نے کہا۔

''اُس نے گھر آنے کی دھمکی دی ہے ہانی۔ اگر وہ واقعی آ گیا تو......؟''

''میرے بہنوئی پولیس میں ہیں۔ ان کو کہوں گی۔ وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جائے گا تمہارے گھر آنا تو دور کی بات ہے۔ کل سے یہ تمہیں نظر نہیں آئے گا۔'' ہانیہ نے یقین دہانی کرائی۔

اور ویسا ہی ہوا جیسا ہانیہ نے کہا تھا۔ وہ پھر کبھی نظر نہ آیا۔ تحریم نے سکھ کا سانس لیا اور پیپرز کی تیاری دِلجمعی سے کرنے لگی۔ جیسے ہی تحریم کے اِمتحان ختم ہوئے مسز زمان کو اس کی شادی کی فکر لاحق ہوگئی اور ایک جگہ مناسب رشتہ

دیکھ کربات پکی کردی۔

☆......☆☆......☆

''کیسی ہو کہاں غائب تھی اِتنے دِن میرے میسجز کا جواب کیوں نہیں دے رہی؟'' تحریم سے گلے ملتے ہانیہ نے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔

''ارے ارے سانس تو لو میں ٹھیک ہوں اللہ کا کرم ہے۔ دراصل آج تمہیں شادی کا کارڈ دینے آئی ہوں۔'' تحریم نے جواب دیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''شادی۔ آہاں۔ شکر ہے تمہیں بھابی مل گئی۔'' ہانیہ نے کارڈ پکڑتے ہوئے کہا۔

''ہانیہ......'' ہانیہ نے سوالیہ نظروں سے تحریم کو دیکھا۔

''یہ میری شادی کا کارڈ ہے۔ احسن بھائی کی شادی بڑی عید کے بعد طے پائی ہے۔'' مسکراتے ہوئے اُس نے بتایا۔

''مبارک ہو تمہیں۔'' ہانیہ کے الفاظ اس کے لہجے اور چہرے کے تاثرات کے منافی تھے جسے تحریم نے محسوس کیا۔

''کیا ہوا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''

''یہ کیسی بات کی تم نے؟ مجھے بھلا خوشی کیوں نہیں ہو گی۔ اچانک سنا تو تھوڑا حیران ہوں۔ تم نے تو مزید پڑھنا تھا ناں؟''

''ہاں پڑھنا تھا مگر امی نے کہا اتنی پڑھائی کافی ہے۔ اُن کے آگے بولنے کی ہمت نہیں کرسکتی۔ بات ان کی بھی درست ہے۔ جتنا شعور آیا کافی ہے۔ البتہ شوہر نے اِجازت دی تو ضرور پڑھوں گی آگے۔'' اُس ڈر کو زبان پر نہ لاسکی جس کی وجہ سے وہ ماں کی بات مان گئی تھی۔ اُسے معلوم تھا ہانیہ اسے قائل کرلے گی' قائل وہ ہونا نہ چاہتی تھی۔ اُس شخص کا خوف اِس قدر حاوی تھا کہ وہ خود کو اب تک اس سے نکال ہی نہ پائی تھی۔ حالانکہ ہانیہ کے کہنے کے مطابق اُس دِن کے بعد سے وہ اسے نظر تک نہ آیا تھا۔ آخری پیپر والے دِن تحریم نے اس کی جھلک دیکھی پر وہم سمجھ کر جھٹک دیا کیونکہ وہ ہوتا تو سامنے آتا ضرور۔ پر اُس انسان کا خوف پنجے گاڑے ہوئے تھا۔

''اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔ آمین۔''

''شکریہ ہانیہ۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔ بہت کام باقی ہیں۔''

''کس کے ساتھ جاؤ گی؟'' ہانیہ نے پوچھا۔

''بھائی کے ساتھ۔''

''کیا مطلب؟ احسن بھائی کے ساتھ آئی ہو؟ وہ باہر کھڑے ہیں اور تم نے مجھے بتایا نہیں۔ حد کرتی ہو یار۔ ان کو اندر بلا لیتی یا کم ازکم بتادیتی میں باہر بھجوادیتی کچھ حد کرتی ہو۔''

''ارے یار اِتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ بس کھڑے کھڑے ہی لائے ہیں مجھے۔ تب ہی تو زیادہ وقت بیٹھ نہیں سکی۔''

''تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ میں ان کو کولڈ ڈرنک بھجوادوں۔'' وہ تحریم کو چھوڑ کر کچن میں بھاگی۔

''حماد بھائی یہ کولڈ ڈرنک باہر دے آئیں۔'' ٹرے حماد کو پکڑائی جو ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتا ہوا وہاں سے گزر رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' تحریم نے فوراً سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہیں؟'' حماد نے ٹرے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بالکل ٹھیک ہے مگر احسن بھائی باہر کھڑے کھڑے جم گئے ہیں اِس بیوقوف کی وجہ سے۔'' ہانیہ نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا تو تحریم ہنس دی۔

''خیر سے آئی تھی تحریم؟'' جیسے ہی وہ گئی حماد نے ہانیہ سے پوچھا۔ جواب میں ہانیہ نے کچھ کہنے کی بجائے شادی کا کارڈ آگے رکھ دیا۔ وہ کتنی ہی دیر کارڈ ہاتھوں میں لیے بیٹھا رہا۔ ہانیہ کا اِس وقت کچھ بھی کہنا بیکار ہوتا لہٰذا وہ چپ چاپ وہاں سے چلی گئی۔

ہم آپ اپنا مقدر سنوار لیتے مگر
ہمارے ہاتھ کفِ کوزہ گر نہیں آیا

☆......☆☆......☆

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ کتنا کہا تھا مجھے اپنی محبت کا اظہار کرنے دو یا میری محبت کی خوشبو اُس تک پہنچا دو مگر تم نے......تم نے۔" اس نے چھت کو گھورتے ہوئے کہا تو آنسوؤں نے بات مکمل ہونے سے پہلے آنکھوں میں ڈیرہ جمالیا۔ ہانیہ کا دل بھر آیا۔ آج پہلی بار اُس نے حماد کو اس قدر غمگین اور بکھرا ہوا دیکھا تھا۔ چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر حماد کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"حماد بھائی ایسی کون سی بہن ہوگی جو اپنے بھائی کی خوشی نہ چاہتی ہوگی؟ میں چاہتی تھی مناسب وقت آنے پر بات کی جائے اور امی آپ کا رشتہ لے کر جائیں۔ مجھے کیا پتہ تھا سب اِتنی جلدی ہوجائے گا۔ میرا یقین کریں حماد بھائی۔" ہانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی خوشیوں کو واپس لائے۔

"محبت......مل جائے تو سکونِ زندگی اور اگر نہ ملے تو اِنسان کو مار دیتی ہے ختم کردیتی ہے روح تار تار ہوجاتی ہے جھلسا کر رکھ دیتی ہے سارا وجود میں تو اب تک سمجھ نہیں پایا کہ زندہ کیوں ہوں۔"

"حماد بھائی یک طرفہ محبت کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ میں جانتی ہوں یہاں غلطی مجھ سے ہوئی اور سزا آپ کو ملی۔" آنسوؤں کا پھندا اس کے گلے اٹکا۔

"ہانی......" حماد سے اس کا رونا دیکھا نہ گیا۔ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی جان سے پیاری اور حماد کی تو اُس میں جان تھی۔

"تم نے کوئی غلطی نہیں کی ہانی۔ تم وہی چاہتی تھی جو ہر بہن چاہتی ہے کہ والدین رشتہ لے کر جائیں بجائے اِس کے کہ لڑکا خود پہلے اِظہارِ محبت کرے۔ تم نے وہی کیا جو واقعی کرنا چاہیے۔"

"بھائی اُن کے گھر کا ماحول الگ قسم کا ہے۔ تحریم فرماں بردار ہے۔ اُس نے وہی کیا جو اس کے والدین چاہتے ہیں۔ ہم سب کی طرح وہ بھی جانتی ہے کہ والدین اولاد کے لیے برا نہیں سوچ سکتے۔ تبھی میں چاہتی تھی امی رِشتہ لے کر جائیں تا کہ اِنکار کی کہیں گنجائش نہ ہو۔" ہانیہ

نے مزید صفائی دی۔
"اگر میری محبت میں اثر ہوا تو وہ مجھے ضرور ملے گی۔"
"کیا مطلب؟ آپ کو اب بھی ملنے کی اُمید ہے جبکہ اس کی شادی ہے۔" ہانیہ حماد کی بات سن کر حیران ہوئی۔
"کچھ نہیں تم جاؤ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" ہانیہ نے مزید کچھ کہے بنا چلی گئی۔

☆......☆☆......☆

شادی کا دِن بھی آن پہنچا ہانیہ سارا وقت تحریم کے ساتھ رہی۔ جب بھی حماد کی طرف دیکھتی دِل بے چین ہو جاتا۔ احسن کے ساتھ کھڑا حماد گاہے بگاہے تحریم پر نظر ڈالتا تو اُس کے پہلو میں بیٹھے شخص کو دیکھ کر اپنے دل پر بوجھ محسوس کرتا۔
"کاش تمہاری شادی اِتنی جلدی نہ ہوتی۔" ہانیہ نے تحریم کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہا۔
"جلد یا بدیر ہونی تو تھی ناں۔" تحریم نے نظریں جھکائے جواب دیا۔
"جلدی ہونی تھی تو حماد بھائی کے ساتھ کیوں نہیں۔" ہانیہ کو بے وقوفی کا احساس ہوا۔
"میں ابھی آتی ہوں۔" وہ سہولت سے وہاں سے اُٹھ گئی۔ تحریم اس کی بات پر اُلجھ گئی پر بات کو قابلِ غور نہ سمجھ کر خاموش رہی۔ وقت کا کام ہے گزرنا سو گزر گیا اور تحریم رخصت ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

☆......☆☆......☆

آواز سن کر تحریم سمٹ سی گئی، مدھم مسکراہٹ ہونٹوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ ارمغان نے گھونگھٹ اُٹھایا تو تحریم کا سر مزید جھک گیا۔
"میں نے کہا تھا نہ میں تمہارے گھر پہنچ جاؤں گا رشتہ لے کر۔" تحریم کو اپنی سماعت پر شبہ ہوا۔
"دیکھ لو۔ اپنا کہا سچ کر دِکھایا۔" منہ دِکھائی کے لیے لائی گئی انگوٹھی اس کے سامنے پھینکتے ہوئے ارمغان حیدر نے کمینگی سے کہا تو بت بنی تحریم کا سر سرعت سے اوپر اُٹھا۔ اُس شخص کو مجازی خدا کے روپ میں دیکھ کر دِل کٹ کر رہ گیا۔
"یا اللہ...... یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا؟ آخر کون سا گناہ کیا تھا جس کی اِتنی بڑی سزا ملی؟" وہ دِل ہی دِل میں اللہ سے شکوہ کناں ہو رہی تھی۔
"میں ایک شریف لڑکی ہوں اور شریف لڑکیاں ایسے راہ چلتے لڑکوں کی دوستیاں قبول نہیں کرتیں۔ اگر آپ مجھے پسند کرتے تھے تو اوچھی حرکتوں کی بجائے سیدھے طریقے سے رِشتہ میرے گھر بھیج دیتے۔" تحریم نے دِل پر جبر کر کے کہا۔ جو بھی تھا اب وہ اس کا شوہر تھا۔
"پسند...... نو وے۔ میں صرف دوستی کرنا چاہتا تھا تحریم زمان۔ میری منگنی دو سال پہلے ہی میری محبت یعنی میری خالہ زاد کزن کے ساتھ طے ہو چکی ہے۔" ٹائی اُتار کر بیڈ پر پھینکی۔
"پھر مجھ سے شادی کیوں کی؟" تحریم کی آنکھوں میں شکوہ تھا جسے وہ بے حس دیکھ نہ سکا۔
"بدلہ۔" جوتے اتارتے ہوئے مختصر جواب دیا۔
"کیسا بدلہ...... میں نے کیا کیا؟"
"تم نے کیا نہیں کیا...... اُس پولیس والے کو بھیج کر میری جو اِنسلٹ کروائی اس کا بدلہ، دو دِن حوالات میں مار کھائی اُس کا بدلہ، میرے منہ اور جسم پر مار کے جو نشانات پڑے اس کا بدلہ۔ پھر کہتی ہو تم نے کیا کیا، منہ میں جب تک کسی سے بدلہ نہ لے لوں سکون کا سانس نہیں لیتا اور تم وہ ہو جس نے مجھے ذلیل کروایا۔" جوتا اُتار کر شدت سے سامنے دیوار پر دے مارا۔ تحریم کا جسم لرز رہا تھا۔
تحریم کہہ نہ سکی کہ تم جیسے اوباش اور آوارہ لڑکوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے جو لڑکیوں کو سرِ راہ تنگ کرتے ہیں۔ جتنے ماہ اس کی وجہ سے وہ اذیت میں رہی یہ مار کم تھی جو اسے دو دِن پڑی۔ وہ کہہ نہ سکی۔ زندگی گزارنے کے لیے اسے خاموش ہی رہنا تھا مگر یہ اس کی بھول تھی۔ اس کی سزا اِتنی طویل نہ تھی۔
"میں نے جو کیا اپنی عزت بچانے کی خاطر۔" وہ سسک اُٹھی۔

''خاموش' ایک لفظ اور نہیں تحریم زمان۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر چلایا تو تحریم کا دِل لرز گیا۔ وہ بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئی۔

''میں...... میں تحریم ارمغان حیدر ہوں آپ کی بیوی۔'' اُس نے ضبط سے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا جیسے خود اِس حقیقت کو جھٹلانا چاہتی ہو۔

''بیوی' ہنہ صرف ایک رات کے لیے بلکہ یوں کہہ لو کہ چند گھنٹوں کے لیے دیکھتا ہوں کیسے عزت بچا سکو گی اپنی۔ کیا جواب دو گی سب کو کہ کیوں پہلی ہی رات شوہر نے چھوڑ دیا؟ بات کرتی ہو عزت کی۔'' ارمغان نے حقارت سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''میں ارمغان حیدر تمہیں پورے ہوش و حواس میں طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں۔''

''نہیں...... نہیں ایسا مت کریں۔'' اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے جیسے یہ ناپسندیدہ لفظ ٹل جائے گا۔ کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلے الفاظ کب واپس آتے ہیں۔ اُس کے بعد کیا ہوا اُسے کچھ خبر نہ تھی۔

☆......☆☆......☆

''شکر ہے تمہیں ہوش آیا۔'' سعیدہ زمان نے اس کے ہوش میں آتے ہی کلمہ شکر اَدا کیا۔

''کاش میں کبھی ہوش میں نہ آتی۔ بے ہوشی میں ہی مر جاتی۔'' وہ سسکی۔

''اللہ نہ کرے۔'' زمان صاحب تڑپ اُٹھے۔

''ایسی زندگی کی خواہش کس لڑکی کو ہوگی ابو جان؟ کون ہوگی جو ایک ہی رات میں لٹ کر ماں باپ کی دہلیز پہ آنے کے بعد بھی زندہ رہنا چاہتی ہوگی؟ آپ لوگوں کی عزت پر دھبہ لگ گیا۔ مر جاتی تو آپ لوگ کچھ بھی کہہ دیتے کہ کیوں مری۔ مگر اب، اب کس کس کو جواب دیں گے۔'' تحریم نے سچائی بیان کی۔

''اللہ نے یہ تھوڑی سی تکلیف دے کر ہمیں بہت بڑی تکلیف سے بچالیا ہے بیٹا۔ اُس کا جتنا شکر اَدا کریں کم ہے۔'' سعیدہ زمان نے کہا تو تحریم نے حیرانگی سے دیکھا۔

''یہ تکلیف تھوڑی سی ہے؟''

''ہاں گڑیا یہ تکلیف تھوڑی سی ہے۔ اُس تکلیف کے مقابلے میں بہت کم جو شاید تمہیں بعد میں ملتی۔ ارمغان جیسے لڑکے سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ جن لوگوں کے ساتھ رِشتہ لے کر آیا تھا وہ اس کے والدین نہیں تھے۔ وہ گھر بھی ان کا نہیں تھا۔ کچھ دِنوں کے لیے کرائے پر لیا گیا تھا۔ شکر ہے وہ بد ذات جانے سے پہلے ایک اچھا کام کر گیا جو تمہاری اطلاع ہمیں دے دی ورنہ جانے تم کب تک وہاں بے ہوش پڑی رہتی۔'' احسن نے تفصیل بتائی۔

''آخر اُس نے یہ سب کیوں کیا؟ کیوں کھیلا ہماری بچی کی اور ہماری عزت سے۔'' زمان صاحب سر پکڑے بیٹھے تھے۔ رِشتے داروں کے سوالوں سے خائف تھے۔ ابھی تک کسی کو خبر نہ تھی اِس واقعے کی مگر یہ بات چھپی بھی نہ رہ سکتی تھی۔

''اُس نے یہ سب مجھ سے بدلہ لینے کے لیے کیا۔'' تحریم نے ساری بات گھر والوں کو بتادی۔

''تو تم اس لیے پریشان رہتی تھی۔ میں نے پوچھا بھی تھا مگر تم نے نہ بتایا۔ اگر مجھے بتا دیتی تو آج یہ دِن نہ دیکھنا پڑتا۔'' مسز زمان نے افسوس سے کہا۔

''امی اگر بتا بھی دیتی تو کیا کر لیتے ہم؟ وہی جو ہانیہ کے بہنوئی نے کیا۔ پھر بھی وہ ایسے ہی رِشتہ لے کر آتا۔ ہم نے کون سا دیکھا ہوا تھا اسے۔'' احسن نے کہا تو زمان صاحب نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''احسن ٹھیک کہہ رہا ہے۔ چلو جو ہونا تھا ہو گیا۔ لکیر کو پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''لکیر ساری زندگی پیٹی جائے گی ابو۔ بار بار ڈھکے چھپے لفظوں میں کبھی واضح لفظوں میں ہماری عزت کو تار تار کیا جائے گا' مجھے گناہ گار ٹھہرایا جائے گا' طلاق یافتہ ہونے کا طعنہ دیا جائے گا۔ مرد جیسا بھی ہو اُس پر ایک حرف نہیں آتا۔ عورت بے گناہ ہو کر بھی گناہ گار ہو جاتی ہے۔'' وہ سسک پڑی۔

"آہ..... یہی تو ہمارے معاشرے کا المیہ ہے۔ مرد کچھ بھی کرلے اُس پر کوئی حرف نہیں آتا ہر بات سے بری الذمہ۔ عورت باحیا' پاک دامن اور بے گناہ بھی ہو تو معاشرہ اسے جینے نہیں دیتا۔ بار بار اس کی روح کو طنزیہ باتوں' طعنوں کے نشتر چلا کر زخمی کیا جاتا ہے۔" حریم نے پہلی بار زبان کھولی۔ اُس نے اپنے والد کو دیکھا جن کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ ایک ہی دِن میں وہ برسوں کے بیمار دکھنے لگے تھے۔

"میرے اور ابو کے ہوتے تمہاری روح کو کوئی چھلنی نہیں کرے گا۔ میں دیکھتا ہوں لوگ کیسے باتیں بناتے ہیں۔"

"مارنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں بھائی پر بولنے والی کی زبان نہیں روک سکتے۔ ابھی تو آپ کے سسرال والوں کو علم نہیں اِس بات کا۔" حریم نے کہا جو تحریم کے گرد بازو حائل کرکے بیٹھی ہوئی تھی جیسے اسے زمانے کی تپتی دھوپ سے بچانا چاہتی ہو۔

"علم ہو بھی جائے تو کیا کرسکتے ہیں بیٹا۔ احسن تم رشتہ داروں اور دیگر احباب کو فون کرکے بتادو کہ مجبوری کی بنا پر ولیمہ کینسل کردیا ہے لڑکے والوں نے۔ آئندہ کی دیکھی جائے گی کیا ہوتا ہے۔ اب تم لوگ جاؤ۔ تحریم کو آرام کرنے دو۔ حریم تم یہیں رہنا بہن کے پاس۔" زمان صاحب نے کہا اور سست قدموں سے چلے گئے۔ مسز زمان نے تحریم کو پیار کیا اور احسن کی پیروی میں کمرے باہر چلی گئیں۔

☆.....☆☆☆.....☆

نک سک سی تیار ہانیہ اپنی والدہ کے ہمراہ تحریم کے گھر پہنچی تو سناٹا دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ اسے لگا سب ہال کے لیے نکل چکے ہیں۔ گھڑی کی طرف دیکھا جو ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی اِس حساب سے وہ آدھا گھنٹہ پہلے پہنچے تھے۔

"امی لگتا ہے سب جاچکے ہیں۔"

"ہاں شاید مگر کوئی نہ کوئی تو ہوگا ورنہ گھر لاکڈ ہوتا۔" ہانیہ کی والدہ نے کہا۔

"ہانیہ آپ..... السلام علیکم آنٹی۔" ہانیہ اور اس کی والدہ کو دیکھ کر احسن پریشان ہوگیا۔ اُس نے تو ولیمہ کینسل کی اِطلاع سب کو دے دی تھی۔ اس کے علم میں نہ تھا کہ ہانیہ مدعو ہے۔

"حماد بھائی چھوڑ گئے ہیں تاکہ ہال آپ لوگوں کے ساتھ چلے جائیں۔ ان کو کچھ کام تھا اور ہال کافی دور ہے اس لیے۔" احسن کو دیکھ کر اُس نے کلمہ شکر ادا کیا' ساتھ ہی ہمیشہ کی طرح عادتاً تفصیلی جواب دیا۔

"لگتا ہے سب ہال جاچکے ہیں۔"

"نہیں آنٹی سب گھر پر ہی ہیں۔ دراصل کچھ وجوہات کی بناء پر ولیمہ کینسل کردیا گیا ہے۔"

"سب ٹھیک تو ہے احسن بھائی؟" ہانیہ کو حماد کی بے چینی یاد آئی۔ اُس کا دِل تحریم کو لے کر بے چین تھا۔

"آپ لوگ آیئے بیٹھیں پلیز۔" احسن کو یاد آیا تو بیٹھنے کا کہا۔

"بتایئے کیا ہوا؟" ہانیہ نے بیٹھتے ہی پوچھا۔ احسن نے ساری بات ان کو بتادی۔

"تم لوگوں نے چھان بین نہیں کروائی تھی؟" ہانیہ کی والدہ نے پوچھا۔

"گھر کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ ابھی کچھ ٹائم پہلے ہی شفٹنگ کی ہے اس لیے لوگوں سے مراسم نہیں۔ لڑکے کی نئی جاب لگی تھی۔ وہاں جاکر معلوم کیا تھا سب نے کہا اچھا لڑکا ہے بظاہر کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی۔"

"کیسے کیسے لوگ ہیں دُنیا میں۔ بدلہ لینے کے لیے کوئی اِس حد تک کیسے جاسکتا ہے۔ ایک لڑکی کی نہیں پوری فیملی کی عزت خراب کردی تف ہے ایسے اِنسان پر میں ذرا سعیدہ سے مل لوں۔" ہانیہ کی والدہ دُکھی دِل سے بولیں اور احسن کے ساتھ سعیدہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ہانیہ وہیں خاموش بیٹھی رہی۔

☆.....☆☆☆.....☆

"دُعا کا کوئی رنگ نہیں ہوتا مگر یہ رنگ لے آتی ہے اثر رکھتی ہے۔ مجھے دُعاؤں کی قبولیت کا یقین تھا۔" ہانیہ کی بات سن کر حماد نے کہا تو ہانیہ نے عجیب نظروں سے اپنے

بھائی کو دیکھا۔

''آپ بہت مطلبی ہیں۔ اُس کی زندگی خراب ہوگئی' انکل آنٹی کی عزت پر بات آ گئی اور آپ کو......'' ہانیہ نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

''محبت مطلبی اور خودغرض بنا دیتی ہے شاید مگر اللہ گواہ ہے میں نے دِل سے اس کی خوشیوں کے لیے دُعا کی تھی۔ اپنے دِل کو سمجھا لیا تھا اُس کا نام کسی اور کے ساتھ جڑ چکا ہے۔ پھر بھی پتہ نہیں کیوں ہانی میرا دِل بار بار کہتا تھا وہ میرا مقدر و نصیب ہے' مجھے لگتا تھا اسے میرا ہی ہونا ہے۔ تحریم کی زندگی ضرور روشن ہوگی ہانی۔ جیسے روشنی اندھیرے کو چاٹ لیتی ہے بالکل اِسی طرح میں اس کی زندگی کا اندھیرا بھی دور کردوں گا۔ میں اُس کو اندھیرے سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے جاؤں گا۔ انکل آنٹی کا کھویا ہوا وقار ان کو واپس ملے گا۔''

''اِن شاءاللہ۔'' ہانیہ نے دِل سے کہا۔

''تمہیں امی سے جلد بات کرنا ہوگی۔ اب کی بار تاخیر نہیں کرنی گڑیا۔''

''بالکل نہیں بھائی۔ میں آج ہی بات کروں گی امی سے ایسا کرتی ہوں سنبل آپی اور فرقان بھائی کو بھی فون کر کے بلا لیتے ہیں۔'' حماد نے کچھ کہے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔

ہانیہ نے امی سے بات کی اور انہیں حماد کی محبت کے بارے میں بتایا کہ کس طرح وہ تحریم سے خاموش محبت کرتا ہے اور اس کی شادی کو لے کر کسی قدر پریشان تھا۔ امی سوچ میں پڑ گئی تھیں۔ ایک طلاق یافتہ کو بہو بنا کر لوگوں کی باتوں کا سامنا کرنا انہیں مشکل لگ رہا تھا لیکن اولاد کی محبت میں وہ ہار گئیں اور ہانیہ نے انہیں قائل کرلیا تھا' جب ہی وہ حماد کا رشتہ لے جانے پر تیار ہوئیں تھیں۔

☆......☆☆......☆

''ہم کیا کہیں بہن۔ آپ سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں تو بہتر۔ یہ کچھ دِنوں یا مہینوں کا سفر نہیں عمر بھر کی بات ہے۔'' زمان صاحب نے رسانیت سے کہا۔

''ہم نے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہے انکل۔ ہم اِس رشتے کے لیے آنا چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے یہ سب ہوگیا۔'' ہانیہ نے کہا۔

''بھائی صاحب میں یقین دِلاتی ہوں آپ کو ہم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ تحریم سب تلخیاں بھول جائے گی۔''

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں بہن بلکہ ہم مشکور ہیں اور آپ کی اعلیٰ سوچ کے معترف بھی۔'' سعیدہ زمان نے پہلی بار زبان کھولی۔ وہ اب تک بے یقینی سی سب باتیں سن رہی تھیں۔

''تحریم کا پتہ نہیں کیا ردِعمل ہو۔ ابھی اِس بات کو کچھ دِن بھی نہیں گزرے کہ وہ بھول سکے۔'' احسن نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''وقت سب ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ بے شک پیچھے اچھا برا ماضی چھوڑ جاتا ہے مگر ہم اس کے پیچھے بھاگ کر اپنا حال و مستقبل داؤ پر نہیں لگا سکتے۔'' فرقان علی نے کہا۔

''تحریم سے میں بات کرلوں گی وہ میری بات کو سمجھے گی۔'' مسز سعیدہ زمان نے کہا۔

''بس پھر بات پکی ہوگئی۔ ڈیڑھ ماہ بعد خیر سے رمضان ہے۔ ہم آخری عشرے میں شگن دے جائیں گے اور عید کے تیسرے دِن بارات لے کر پہنچ جائیں گے اپنی دُلہن لینے۔'' ہانیہ کی امی نے بات پکی کردی۔ حریم نے سب کا منہ میٹھا کروایا۔

☆......☆☆......☆

گھر میں سب ویسے ہی چل رہا تھا جیسے کوئی نئی بات نہ ہوئی ہو۔ تحریم آہستہ آہستہ اِس فیز سے نکل رہی تھی۔ زمان صاحب اور احسن نے مل کر سب حالات سنبھال لیے تھے۔ اسے کسی بات کے لیے جواب دہ نہ ہونا پڑا۔ کس طرح دونوں نے مل کر ہینڈل کیا' کس طرح احسن کے سسرال والوں کو قائل کیا تحریم کو کچھ پتہ نہ چلا۔ رمضان شروع ہوگئے۔ تحریم نے اُسی طرح اہتمام کیا جیسے وہ پہلے کرتی تھی۔ اُسی طرح خشوع و خضوع سے عبادت کی

روزے رکھے۔ اکیسویں روزے کو مسز تنویر، ہانیہ، سنبل، فرقان باقاعدہ شگن کے لیے آئیں۔

"کیسی ہو تحریم؟" ہانیہ نے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"اچھی ہوں۔" سنجیدگی سے جواب دیا۔

"وہ تو ہم سب کو پتہ ہے کہ تم بہت اچھی ہو۔" سنبل نے کہا۔

سب باتیں کرنے لگے۔ افطاری میں کچھ دیر باقی تھی۔ افطاری کے بعد مسز زمان نے تحریم کو تیار ہونے کا کہا۔

"کس لیے؟" وہ حیران ہوئی۔

مسز تنویر کا ارادہ ظاہر کرتے اس کے سامنے کپڑے اور جیولری رکھتے ہوئے کہا۔ لہجے میں جھجک و خوف تھا جانے اس کا کیا ری ایکشن ہو۔

"شگن......! کیسا شگن؟" وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

"میں بتاتی ہوں آنٹی آپ کو امی بلا رہی ہیں۔" ہانیہ نے مسز زمان کی مشکل آسان کی۔

"ہم نے حماد بھائی کے لیے تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔ آج چھوٹی سی رسم کرنے آئے ہیں اور عید کے تیسرے دِن شادی۔"

"واٹ......! اِتنا سب کچھ ہوگیا اور کسی نے مجھے مطلع کرنا ضروری نہ سمجھا۔ میری زندگی کا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے کرسکتے ہیں؟"

"وہ تمہارے والدین ہیں تمہارا برا نہیں چاہیں گے تحریم۔ ہاں پہلے جو ہوا اُس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اُنہوں نے اپنے طور پر تسلی کرکے شادی کی تھی۔ یہ بات تم سے اس لیے چھپائی کہ تم جس فیز میں تھی اِس بات کو نہ سمجھتی بلکہ تم سمجھتی کہ ہم یہ سب ہمدردی میں کررہے ہیں۔" ہانیہ نے رسان سے سمجھایا۔

"یہ میں اب بھی کہہ سکتی ہوں؟ وہ کڑا اور سخت وقت گزر گیا لیکن مجھ پر لگا دھبہ نہیں مٹا نہ مٹ سکتا ہے۔" تحریم نے طنز کیا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔ حماد بھائی تمہیں بہت پہلے سے پسند کرتے تھے۔ مجھ سے کئی بار اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کیا پر میں چاہتی تھی کہ پہلے تمہارے پیپرز ہوجائیں پھر امی کو بتاؤں گی۔ مگر اُس سے پہلے ہی سب ہاتھ سے نکل چکا تھا۔"

"واقعی سب ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ میں تہی داماں ہوں کسی کو کیا دے سکتی ہوں؟" اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی بھول ہے آپی۔ جو گزر چکا ہے برا وقت تھا۔ اب اچھا وقت آپ کا منتظر ہے۔ آپ نے پہلے بھی امی ابو کا مان رکھا تھا ان کی پسند پر سر جھکا کر۔ اب بھی ان کا مان رکھ لیں۔ یقین مانیں اِس بار آپ کا مان نہیں ٹوٹے گا۔" حریم نے اُس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بیٹیاں تو ہوتی ہی والدین کا مان ہیں جو ہمیشہ سے ہی اُن کا مان رکھتی آئی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ اُن کے والدین کبھی غلط نہیں کریں گے نہ ان کا برا سوچیں گے۔ وہ اپنی بیٹی کو سب دیتے ہیں مگر یہ جو قسمت ہے ناں اِس کے آگے بے بس ہوجاتے ہیں۔ حوا کی بیٹی ہار جاتی ہے قسمت کے ہاتھوں۔" ہانیہ کی امی نے حریم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اب کی بار حوا کی بیٹی جیتے گی تحریم۔ حماد بھائی تمہیں کبھی ہارنے نہیں دیں گے۔" ہانیہ نے یقین دہانی کروائی۔

"اگر سب مردوں کی سوچ حماد بھائی جیسی ہوجائے تو کسی کی بیٹی دُکھی نہ ہو، پامال نہ ہو، بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار نہ ہو۔ آپ بہت لکی ہیں آپی جسے اِتنی اچھی فیملی ملی۔" حریم نے کہا اور کپڑے اس کے سامنے کیے۔ وہ جانتی تھی اس کی بہن مان جائے گی۔ تحریم نے کپڑے اُٹھائے اور چینج کرنے چلی گئی۔

☆......☆☆......☆

"میں حماد...... سوچا آپ سے تھوڑی بات کرلوں۔ اِجازت ہو تو فون کرلوں؟" انجان نمبر سے میسج موصول ہوا تحریم نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

"میں مزید اِصرار نہیں کروں گا۔ یو جسٹ ریلیکس پلیز۔" جواب نہ پا کر ایک اور میسج کیا۔ تحریم کو شرمندگی نے آن گھیرا۔ جو شخص اسے اپنا رہا ہے اسے اور اس کے گھر والوں کو عزت دے رہا ہے وہ اُسی کے ساتھ ایسا کر رہی ہے۔ اُس نے جواب میں تھینکس کا میسج کر دیا۔ حماد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ چلو کچھ بھی صحیح جواب تو دیا ساتھ ہی ایک اور شعر میسج کر دیا اور موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔

یہ قناعت ہے اطاعت ہے کہ چاہت ہے فراز
ہم تو راضی ہیں وہ جس حال میں جیسا رکھے

وہ دِن میں کوئی نہ کوئی شعر میسج کرتا جس میں ڈھکے چھپے لفظوں میں اظہارِ محبت ہوتا۔ تحریم پڑھ کر کوئی رسپانس نہ دیتی۔ کبھی کسی شعر پر پہروں بیٹھ کر سوچتی اور کسی شعر پر دِل عجیب لے پر دھڑکنے لگتا۔ آخری عشرہ ختم ہونے میں کچھ دِن باقی تھے۔ عید کی تیاری کے ساتھ شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ وہ بالکل نارمل ہو چکی تھی اس کی محبت کا اعجاز تھا یا اپنانے کا شرف۔ جو بھی تھا وہ خوشیوں کی طرف لوٹ رہی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ اچھے وقت کے لیے اُسے برے وقت کو بھلانا ہوگا۔ یاد کرنے سے سوائے تکلیف کے حاصل بھی کیا ہوتا۔

خیالِ یار میں بیٹھے ہوئے ہمیں اکثر
گزرتے شام و سحر کا پتہ نہیں چلتا

فوراً دوسرا میسج بھیجا

میں تبسم فروش ہوں شاید
لوگ مجھ کو نہیں اداس پسند

"اداس لوگ ناپسند ہیں تو زندگی کیسے گزاریں گے؟" تحریم نے کسی خیال کے زیرِ اثر پوچھا۔ حماد کتنی دیر حیران رہا۔ وہ رسپانس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

رفتہ رفتہ رنگ لایا جذبہ خاموشِ عشق
وہ تغافل کرتے کرتے امتحاں تک آ گئے

"جیسے ہر شادی شدہ جوڑا گزارتا ہے خوش و خرم پرسکون محبت و اعتماد سے بھرپور۔" شعر کے فوراً بعد اس کی بات کا جواب دیا۔ تحریم نے میسج پڑھ کر موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔

چاندرات کو مسز تنویر تحریم کی عیدی لے کر آئیں۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ تحریم کے ساتھ سب نے دل سے خوشیوں کے قائم رہنے کی دعا کی۔ ہانیہ نے جلدی سے چیزیں اٹھائیں اور تحریم کو دکھانے لے گئی۔

"یہ سوٹ حماد بھائی کی پسند کا ہے۔ وہ چاہتے ہیں تم عید کے دن پہنو۔ یہ کلر ان کا فیورٹ ہے۔ یہ جیولری بھی انہوں نے اپنی پسند سے سلیکٹ کی ہے۔" وہ خاموش رہی کیونکہ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ کوئی اس قدر بھی چاہ سکتا ہے۔

"کیا ہوا......؟ تم کچھ کہتی کیوں نہیں۔"

"کیا کہوں ہانی۔ حماد نے مجھے اور میری فیملی کو جو عزت بخشی ہے میں یہ احسان کبھی نہیں چکا سکتی ورنہ کون قبول کرتا ہے طلاق یافتہ کو۔"

"احسان......تمہارے نزدیک انہوں نے تم پر انکل آنٹی پر احسان کیا ہے؟ تمہیں ان کی محبت پر شک ہے؟" ہانیہ کو اس کی باتیں بری لگیں۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا ہانیہ، مجھے غلط مت سمجھو۔ تم سب بہت اچھے ہو جنہوں نے مجھے قبول کیا۔ آنٹی، فرقان بھائی جنہوں نے پہلے بھی ساتھ دیا اور اب بھی، تم لوگوں نے امی ابو کو ذلت، ملال، پچھتاوے، دکھ، سناٹے و ویرانی سے نکال کر زندگی کی نوید دی ہے۔" اس نے فوراً ہانیہ کو بٹھایا جو جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں حماد کی محبت کی مقروض ہوں۔ میرے دل میں وہ بہت اونچے مقام پر ہیں۔"

"پھر ان کا قرض تمہیں چکانا ہوگا تحریم۔" اس نے نا سمجھنے والے انداز میں ہانیہ کو دیکھا۔

"کل وہ آئیں گے اپنے ساس سسر سے عید ملنے۔ تم تھوڑی دیر کے لیے مل لینا۔ سارے خدشے دور کر لینا۔" ہانیہ نے شوخی سے کہا۔

"کیا مطلب......! عید کے تیسرے روز شادی ہے پھر ملنا کیسا۔" وہ یہ سوچ کر پریشان ہو گئی کہ گھر والے کیا سوچیں گے۔

"ارے بھئی تمہیں اپنے شوہر سے ملنے کے لیے کون روکے گا؟ حماد بھائی کی پُرزور درخواست پر تم دونوں کا نکاح ابھی کیا جا رہا ہے بلکہ انکل آنٹی کو بھائی نے کہا تھا کہ نکاح چاند رات کو ہوگا تاکہ تم عید کا دن خوشی خوشی گزارو۔ تمہارے پیرنٹس بھی یہی چاہتے ہیں تحریم۔ وہ تمہارے چہرے پر حقیقی خوشی دیکھنا چاہتے ہیں۔ بس ابھی تھوڑی دیر میں نکاح خواں آتا ہوگا۔"

وہ تحریم زمان سے مسز تحریم حماد بن گئی۔ وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ایک نام نے اسے زمانے بھر میں رسوا کیا اور ایک نام اسے معتبر کر گیا۔

آج چاند رات ہے
اور میں اپنے ہاتھوں میں
دیکھتے ہوئے سوچ رہا ہوں
کہ یہ عید کس کے نام کروں
اس کے نام
جو دل کی دھڑکنوں میں ہے
یا پھر اس کے نام
جو ہاتھوں کی لکیروں میں ہے
نکاح مبارک مسز تحریم حماد

موبائل کی بیپ ہوئی۔ میسج باکس پر حماد کا نام جھلملا رہا تھا۔ میسج کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ اس کا نام دیکھ کر تحریم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی ایسی مسکراہٹ جس میں شرم تھی، مان تھا، اعتماد تھا، خلوص اور محبت تھی۔ وہ جانتی تھی اس کی دھڑکنوں میں بھی وہی ہے اور ہاتھ کی لکیروں میں بھی۔ تبھی آج وہ اس کے نام سے منسوب ہو چکی تھی۔

"تحریم حماد کے نام۔" یہ مختصر جواب پڑھ کر حماد کی روح تک سرشار ہو گئی۔

☆......☆☆......☆

"احسن اِف یو ڈونٹ مائنڈ، کیا تحریم سے مل سکتا ہوں۔" سب سے عید مل کر تحریم سے ملنے کی اجازت طلب کرتے وقت وہ نا چاہتے ہوئے بھی جھجک محسوس

کررہا تھا۔

"ارے اجازت کس بات کی بیٹا۔ تمہاری بیوی ہے وہ۔ حریم آپی کو بلالاؤ۔" احسن کے کہنے سے پہلے ہی سعیدہ زمان نے حریم نے کہا۔ جیسے ہی تحریم آئی احسن اور مسز زمان بہانے سے وہاں سے اُٹھ گئے تاکہ دونوں اطمینان سے باتیں کرسکیں۔

"السلام علیکم! عید مبارک تحریم۔" فوراً کھڑے ہوتے سلام کیا جیسے کوئی طالب علم اپنے استاد کو دیکھ کر ادب سے کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے اِس انداز پر وہ اپنی ہنسی ضبط کر گئی۔ شدتِ ضبط سے چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ حماد کی پسند کا لایا ہوا سرخ اور نارنجی کنٹراسٹ کا سوٹ پہنے وہ تر و تازہ لگ رہی تھی۔ کانوں میں پہنے سرخ اور گولڈن بندوں کی چمک چہرے کو روشن کر کے اسے مزید حسین بنارہی تھی۔

"وعلیکم السلام! آپ کو بھی عید مبارک۔"

"تحریم محبت میں اَدب' عزت اور احترام نہ ہو تو وہ کسی کام کی نہیں۔" حماد نے سنجیدگی سے کہا۔ نظریں جھکائے وہ خاموش رہی۔ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

"بہت خوب صورت لگ رہی ہیں آپ' فریش فریش۔ صبح عید کی طرح۔" حماد نے کھلے دِل سے تعریف کی۔ اس کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ بکھر گئی۔

"شکریہ۔"

"ویسے تم ہنستی ہوئی اور بھی زیادہ خوب صورت لگتی ہو۔" آپ سے تم کا فاصلہ اُس نے سیکنڈ میں طے کیا۔ اس کا طرزِ مخاطب تحریم کو اچھا لگا' چاہت' اپنائیت اور مان سے بھرپور۔

"حسنِ نظر ہے۔" اس کا سر مزید جھک گیا۔ شرم کی لالی حسن دوبالا کررہی تھی۔

"آپ نے میری زندگی میں خوشیوں کے جو رنگ بھرے ہیں' مجھے جو مان و اعتماد دیا ہے جو محبت بخشی ہے۔ میں مشکور ہوں۔" اُس نے کھلے دِل سے اعتراف کیا۔

"اِس مان کا ہمیشہ پاس رکھوں گا۔ جانے کا دِل تو نہیں مگر جانا ہوگا تاکہ دو دِن بعد تمہیں لینے آسکوں۔ یہ میری زندگی کی سب سے حسین و خوب صورت عید ہے تحریم۔ تمہارا ساتھ کسی نایاب و قیمتی تحفے سے کم نہیں۔" حماد نے اجازت لی ساتھ ایک خوب صورت سا کارڈ دیا جس پر سرخ گلاب بنا تھا۔ تحریم کی نظروں نے دُور تک اس کا تعاقب کیا۔ کارڈ کھول کر دیکھا تو اُردو رسم الخط میں شعر لکھا ہوا تھا جو اس کے پاکیزہ اور پُرخلوص جذبوں کو عیاں کررہا تھا۔

میری آرزوؤں کی تمہید تم سے ہے
میرا چاند تم ہو میری عید تم سے ہے

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

اِس عید پر اسے نہ صرف محبت کرنے والا جیون ساتھی ملا بلکہ اس کی طرف سے اِقرار نے اس کی روح کو اندر تک سرشار کردیا۔

گزری زندگی کے تمام باب وہ کسی بھیانک خواب کی صورت بھول گئی تھی اور اس کے لیے بھول جانا ہی بہتر تھا کیونکہ جو دوسروں کی زندگی برباد کرتے ہیں چین و سکون ان کی زندگی میں بھی شامل نہیں رہتا اور تحریم کو اپنی آنے والی زندگی کو خوب صورت بنانا تھا اس لیے سب بھول کر اس نے حماد کے خواب عید کے دن آنکھوں میں سجا لیے تھے۔

قسط نمبر 7

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

چودھری حشمت فون پر سبحان آفندی کو شاہ زرشمعون کے زخمی ہونے کی اطلاع دے کر پریشان کردیتے ہیں وہ عیشال جہانگیر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتا واپس حویلی لے آتا ہے۔ یونیورسٹی کے پہلے دن ہی لیکچرار چند سوال دے کر خود محو انتظار ہوتے ہیں تب سب سے پہلے ایشان جاہ اسائنمنٹ جمع کرانے جاتا ہے تو لیکچرار اسے سب کے اسائنمنٹ جمع کرنے کی ذمہ داری دے دیتے ہیں ایسے میں انشراح اپنا پیپر ماورا یحییٰ کے پیپر سے اٹیچ کردیتی ہے جس کی وجہ سے ماورا یحییٰ کو کلاس کے سامنے بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حویلی میں اسٹور روم سے ایک بڑا صندوق لاکر ہال میں رکھا جاتا ہے جس میں پرانے کپڑے دیکھ کر تمام لڑکیوں کو تشویش ہوتی ہے کہ آخر وہ کپڑے کس کے ہیں تب دی جان ان کپڑوں کو آگ لگانے کی بات کرتی سب کو حیران کرجاتی ہیں عیشال جہانگیر سبحان آفندی سے کپڑوں کے حوالے سے پوچھنا چاہتی ہے جس پر سبحان لاعلمی کا اظہار کرتا اسے مایوس کرجاتا ہے۔ شاہ زرشمعون نے گاؤں جاتے ہی چودھری بخت کے بنگلے پر گارڈ پر تعینات کرادیے ہوتے ہیں اس کے مطابق گجر کے آدمی شہر میں موجود حویلی سے جڑے لوگوں کو ضرور پریشان کرسکتے تھے اس لیے وہ ان کی حفاظت کے لیے گارڈ بھیج دیتا ہے جبکہ شنائیہ کو گارڈ کی موجودگی میں کہیں آنا جانا سخت ناپسند لگتا ہے تب وہ شاہ زرشمعون سے فون پر الجھتی ہے دوسری طرف خلاف عادت شاہ زرشمعون اسے نرمی سے سمجھاتا ہے۔ صائمہ (منزہ کی ہمسائی) کے توسط سے آنے خواتین منزہ کی بیٹیوں کو دیکھ کر غیر مناسب گفتگو کرتی ہیں جس پر ماورا سختی سے ان کے ساتھ پیش آتی انہیں گھر سے نکال دیتی ہے صائمہ بھی منزہ سے شرمندہ ہوتی ہے۔ چودھری جہانگیر کی حویلی آمد ہوتی ہے تب ان کا سامنا کافی عرصے بعد عیشال جہانگیر سے ہوتا ہے تب وہ اسے اپنے عتاب کا نشانہ بناکر آگے بڑھ جاتے ہیں کچھ دیر بعد ہی چودھری حشمت اسے ہال میں بلوالیتے ہیں اور سب کی موجودگی میں ندا کی شادی طے ہونے کی خبر دیتے لڑکے کی تصویر بھی سب کے سامنے کردیتے ہیں جس پر عیشال جہانگیر اپنی رائے دیتی چودھری جہانگیر کے غصہ کو مزید ہوا دے جاتی ہے۔ دوسری طرف منزہ ڈاکٹر کے پاس اپنی رپورٹ لینے جاتی ہے تو اسے کینسر جیسی سنگین بیماری کا ادراک ہوتا ہے وہ پریشان ہوتی بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگتی ہے وہ مرنے سے پہلے دونوں بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتی ہے۔ چودھری حشمت ندا کے ساتھ شاہ زرشمعون کی شادی بھی طے کردیتے ہیں حویلی میں جہاں یہ بات خوشی کی ہوتی ہے وہیں یہ بات سبحان آفندی اور عیشال جہانگیر کو پریشان کردیتی ہے کیونکہ عیشال جہانگیر کی شادی چودھری حشمت نے شاہ زرشمعون سے طے کردی ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

''عیشال اور شاہ......'' ہر کوئی بے یقینی سے دہرا کر ایک دوسرے کو تحیر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کیوں نا

بے یقین ہوتے...... دو ایک جیسے مزاجوں کا سنگم بھی کسی نے سوچا جو نہیں تھا۔ شاہ زرشمعون اڑیل ضدی جذباتی اور غصیلا تھا تو کم و بیش یہ ہی عناصر عیشال جہانگیر میں پائے جاتے تھے۔ فرق تھا تو اتنا کہ وہ جذبات میں حد سے زیادہ بے وقوفی کر جاتی تھی۔

''بخت کو ہم نے فون پر سب بتا دیا ہے۔ جہانگیر باپ ہے عیشال کی شادی کہاں ہوگی فیصلے کا اختیار اسے ہے مگر اس نے ہم پر چھوڑ دیا۔'' چودھری حشمت کہہ رہے تھے اور عیشال بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ چودھری اسفند عیشال جہانگیر کو محبت سے دیکھنے لگے۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ اس اہم اعلان کے موقع پر والدین کا سایہ اس سے دور تھا۔ وہ اس کے دلی جذبات سمجھ رہے تھے۔ ہمدردی کے ساتھ انہیں افسوس بھی ہوا۔

''بہت اچھا فیصلہ ہے بابا جان...... ماشاء اللہ عیشال اپنی بچی ہے گودوں میں کھلایا ہے اسے۔'' فائزہ نے محبت سے کہا تو ماحول میں خوشگواریت طاری ہوگئی۔ چودھری فیروز بھی مطمئن ہو کر شاہ زرشمعون کو دیکھنے لگے جو چودھری حشمت کا فیصلہ سننے کے بعد سر جھکا گیا تھا۔

''بھابی تو کافی نک چڑھی ملی ہے ہمیں۔'' شازمہ کھلکھلا کر سرگوشی کرنے لگی تھی۔ لڑکیاں دبی آواز میں ہنسنے لگیں۔

''تو بلآخر اس کی سرکشی کی لگام کھینچنے کا انتظام ہو ہی گیا...... کتنا سمجھاتا رہا اسے لیکن اس نے ایک نا مانی۔'' اس کی سرکشی کو شاہ زرشمعون کس طرح سدھار سکتا تھا۔ چودھری حشمت بخوبی واقف تھے۔ تب ہی تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

سمہان آفندی کی نگاہ بے ساختہ عیشال جہانگیر پر اٹھی تھیں۔ وہ اس پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔ اسی لمحے ڈرائیور کی گاڑی کا ہارن بجا تو لڑکیاں تیزی سے اٹھنے لگیں۔

''ماشاء اللہ سوہنا رب میرے بچوں کو خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔'' زمرد بیگم شاہ زرشمعون کے جھکے سر پر ہاتھ پھیر کر اشارے سے عیشال کو بلانے لگیں تو فریال کے ہلانے پر وہ مراقبے سے نکل کر ان کے پاس آئی۔

''سوہنا رب میری بچی کا دل شاد رکھے۔'' زمرد بیگم نے عیشال جہانگیر کے قریب آ کر سر جھکانے پر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''جاؤ بیٹا ڈرائیور ہارن بجا رہا ہے۔'' چودھری فیروز کے کہنے پر عیشال جہانگیر نے ایک سلگتی نگاہ سمہان آفندی پہ ڈالی۔ سمہان آفندی نے نگاہ پھیر کر شاہ زرشمعون کی طرف رخ کر لیا۔

''مبارک ہو برو......'' شاہ زرشمعون ہولے سے مسکرایا۔ عیشال جہانگیر کی نگاہوں میں خون اتر آیا۔ سماعتوں میں آگ لگ گئی۔ سمہان آفندی نے ایک بار پھر لب سختی سے دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ اس کے پیر کو بری طرح کچلتی وہ ہال سے نکل گئی تھی۔ اپنے پیر کو اک نظر دیکھنے کے بعد سمہان آفندی نے بے ساختہ اس کی پشت کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اپنی نگاہ کو پابند کرنے لگا کہ اب وہ شاہ زرشمعون سے جڑنے جا رہی تھی۔

❀......❀......❀

''اماں...... کل آپ رپورٹس لینے گئی تھیں صائمہ آنٹی کے ساتھ...... نہیں ملی تو بتا دیں میں یونیورسٹی سے واپسی پر لیتی آجاؤں گی......'' یونیورسٹی کے لیے تیار ہوتی ماورا کو اچانک یاد آیا تو بالوں کو بل دیتے وہ بے ساختہ منزہ کی طرف گھوم گئی۔ منزہ ایک پل کو لرز گئیں۔ صد شکر کہ ماورا ان کی طرف سے رخ پھیر گئی تھی اسی اثناء میں منزہ تاثرات پر قابو پا گئیں۔

''رپورٹس تو مل گئی...... سب ٹھیک ہے...... پریشانی کی کوئی بات نہیں تم ٹینشن نا لو......'' خشک ہوتے گلے کو تر

کرنے کے لیے منزہ نے جلدی سے چائے کا گھونٹ لیا۔ مبادا مزید کچھ کہنے کی صورت میں آواز کی لڑکھڑاہٹ پہ قابو نہ پاسکیں تو مشکل میں پھنس جائیں گی اور ایک بار ماورا کو شک ہو جاتا تو پھر اسے مطمئن کرنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔
انوشا کے اسکول میں اسمبلی سے پہلے کوئی ارجنٹ میٹنگ تھی جس کے باعث وہ جلدی چلی گئی تھی اور پہلے ہی دن ہونے والے تماشے نے ماورا کو اتنا بددل کر دیا تھا کہ اس کا یونیورسٹی جانے کا دل نہیں تھا لیکن ابھی کلاسز اسٹارٹ ہوئی تھیں' چھٹی کر کے لیکچرار کے سامنے وہ خود کو تماشا بنانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ سو بے دلی سے ہی سہی وہ تیار ہو رہی تھی۔
"مجھے دکھائیں رپورٹس' رپورٹس کے مطابق ڈاکٹر نے دوائیں بھی تو دی ہوں گی۔" ماورا ایجی فکرمندی سے ان کے زرد چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ رپورٹس ٹھیک ہیں سن کر دل کو تقویت ملی تھی ورنہ منزہ کی بیماری نے انہیں دہلا سا دیا تھا۔ لے دے کر وہ تینوں ہی ایک دوسرے کا سہارا تھیں کیونکر نہ متفکر ہوتیں۔
"دوائیں کچھ خاص نہیں ہیں۔ بس خون کی کمی ہے..... کہا ہے خون بنانے والی غذائیں لیں۔ جیسے پالک' کلیجی' کھجور وغیرہ......"
"آپ مجھے رپورٹس تو دکھا دیں تاکہ تسلی ہو جائے ورنہ آپ کی صحت دیکھ کر فکر ہو رہی ہے۔" بالوں میں کیچر لگا کر وہ منزہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ منزہ کا دل لرزنے لگا۔
"رہنے دو..... صائمہ سے منگوالوں گی جو منگوانا ہوا..... دھوپ میں کہاں خوار ہوتی پھرو گی اور رپورٹس کی بھی تم نے خوب یاد دلائی' کل کی افراتفری میں جانے کہاں رکھ کے بھول گئی ہوں..... مل ہی نہیں رہی۔" منزہ بہانے تراشتی بالآخر اسے قائل کر گئی تھی۔
منزہ کل صائمہ کے ساتھ ہاسپٹل سے واپس آ رہی تھیں کہ راستے میں صائمہ کو کسی کی کال آ گئی..... صائمہ نے انوشا کے لیے کئی لوگوں کو کہہ رکھا تھا۔ وہ لوگ اسی وقت آنا چاہ رہے تھے۔ صائمہ اس اچانک آمد کو ٹالنا چاہ رہی تھیں' لیکن جب انہوں نے ہولڈ کروا کر منزہ سے ذکر کیا تو انہوں نے بلانے کا عندیہ دے دیا۔ جو خوفناک حقیقت ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اس میں وہ جلد سے جلد بیٹیوں کو ان کے گھر کا کرنا چاہتی تھیں۔ ان کے پہنچنے کے کچھ ہی لمحوں بعد لڑکے والے آ گئے تھے جس کا فائدہ اٹھا کر انہیں رپورٹس چھپانے کا موقع مل گیا تھا۔ ماورا اور انوشا کا دھیان بھی آنے والوں کی خاطر مدارت کی طرف تھا۔
"معقول لوگ تھے اللہ کرے مثبت جواب آئے۔ ان کی طرف سے......" منزہ جواب کا انتظار کر رہی تھیں۔
"آ جائے گا جواب' آپ اتنی فکرمند نا ہوں..... اتنی تو پیاری ہے انوشا۔"
"ہاں رب العزت نے جتنی حسین بیٹیاں دی ہیں ان کے نصیب بھی اتنے ہی خوب صورت بنائے..... انوشا کی بات پکی ہو جائے تو میں تمہارے لیے بھی لڑکا دیکھنا شروع کر دوں گی..... دونوں کو ساتھ رخصت کروں گی۔" منزہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا جو اپنی بیماری جاننے کے بعد مزید اٹل ہو گیا تھا۔
"اب ایسی بھی اندھیر نہیں مچی ہوئی' میں کوئی نہیں کر رہی شادی وادی......" اس نے منہ بنایا۔
"تم سے پوچھ کون رہا ہے..... اور یوں آرام سے بیٹھ کر تم باتیں بنا رہی ہو یونیورسٹی سے دیر نہیں ہو رہی تمہیں؟ دو دن میں ہی جوش ٹھنڈا ہو گیا تمہارا..... داخلہ تو بڑے شوق سے لیا تھا اور اب مارے باندھے جا رہی ہو جیسے......" منزہ نے کوشش کر کے سابقہ لب و لہجے میں ذرا سختی سمو کے کہا تو ماورا ایجی منہ بسورنے لگی۔ منزہ اس کا دھیان رپورٹس کی طرف سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ وہ گھڑی کی جانب دیکھتی جلدی سے بیگ لینے کو اٹھی تو منزہ نے تھک کر

دیوار سے سر ٹکالیا..... ایک رکا ہوا آنسو آنکھ کے کونے میں آ کر ٹھہر گیا..... کوئی ہولے ہولے دل کو نوچ رہا تھا۔

❀.....❀.....❀

دھیان و بے دھیانی میں
تمہاری بھیگتی باتوں کی ندیا کی روانی میں
کہانی ہی کہانی میں
اگر بے جادہ و منزل
کوئی خواہش دلوں کی کوکھ سے پیدا ہوئی
تو کون دیکھے گا
ہمارے نام کی سچائی کو
خواہشوں کے بے نسب مہتاب چہروں کو
رشتہ بے نام کو ہم نام کرنے میں
کہانی کو کسی آغاز سے انجام کرنے میں
کہیں اظہار کرنے میں
ہمیں اقرار کرنے میں
ابھی ٹھہرو!
ابھی کچھ دن لگیں گے

ناشتے سے فارغ ہو کر سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے تھے۔ میز پر وہ اکیلا ہی رہ گیا تھا۔ چونکا اس وقت جب ملازمائیں آ کر میز سے برتن اٹھانے لگیں۔ وہ اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں آ کر بھی اس کی غائب دماغی عروج پر تھی۔ اوپر سے بظاہر وہ پُرسکون ساکت دریا جیسا نظر آ رہا تھا۔ تب ہی تو اتنی بڑی بات سن کر بھی اس کے چہرے کا رنگ متغیر نہیں ہوا تھا۔ جسے دیکھ کر عیشال جہانگیر کی کھولن دوچند ہوگئی تھی۔ لیکن وہ اندر سے بے حد منتشر ہوگیا تھا۔ سمندر کی پرزور لہریں بپھر کر اس کے اندر طلاطم برپا کیے ہوئے تھیں۔ وہ غائب دماغی سے کبھی ایک دراز کھول رہا تھا تو کبھی دوسرا..... دراز کے اندر کی چیزوں کو بے دھیانی سے آگے پیچھے کرتے وہ یک دم فراموش کر چکا تھا کہ وہ کمرے میں کیا سوچ کر آیا تھا اور آج اس کے کاموں میں کون سے کام سرفہرست تھے۔ وہ بے حد پنکچو ئل تھا۔ وقت کا صحیح استعمال اس کی نظر میں بے حد اہم تھا۔ وہ ہر چیز کو پلان کرنے کا عادی تھی۔ زندگی کی ایک ایک چیز پلان کا حصہ تھی۔ وہ کبھی بھی بے ترتیبی کا قائل نہیں رہا تھا۔ نا رشتوں میں نا زندگی میں لیکن اس کے گمان کے برخلاف چودھری حشمت نے جس طرح ترتیب الٹ دی تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا.....

شاہ زر شمعون اور عیشال..... وہ کبھی تصور میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا..... کوئی اور ہوتا تو شاید وہ اختلاف کا پہلو بھی نکال لاتا مگر چودھری حشمت نے سمہان آفندی کے مقابل جسے لاکھڑا کیا وہ کوئی اور نہیں شاہ زر شمعون تھا۔ جس کے لیے سمہان آفندی جان کی بازی تک لگا سکتا تھا۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس کے اندر کی گہرائی کا اندازہ شاید ہی کوئی لگا سکتا لیکن جو کچھ ہوا وہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ منتشر ہوگیا تھا۔

''کیا ہوا سمہان کچھ ڈھونڈ رہے ہو..... مجھے بتاؤ میں مدد کردوں.....؟'' فریال کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے پریشان دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ وہ کچھ الجھا الجھا پریشان نظر آ رہا تھا کمرہ بھی بے ترتیب تھا۔

''کچھ کھو گیا ہے سبحان؟'' فریال فکر مندی سے استفسار کررہی تھیں۔ ان کا سوال اسے مزید بے چین کرگیا تھا۔ وہ غائب دماغی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ جو جواب طلب نگاہ جمائے کھڑی تھیں۔
''ماما...... بہت اہم چیز ''مس'' ہو گئی ہے......'' وہ جیسے تھک کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔
''اللہ خیر کرے ایسی کیا چیز تھی؟ ہٹو میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔'' فریال آگے بڑھ کر دراز کے اندر جھانکنے لگیں۔
''کیا چیز ہے......؟'' فریال متفکر تھیں۔
''ڈیپازٹ سلپ۔'' خود کو دنیا پر آشکارنا کرنے والا سبحان آفندی پلک جھپکتے لوٹ آیا۔
''ڈیپازٹ سلپ......؟'' فریال نے حیرت سے دہرا کر دراز کے اندر دیکھا' چیک بک کے ساتھ ہی سلپ موجود تھی۔
''بیٹا' اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات تھی...... سلپ تو بینک سے بھی باآسانی مل جاتی تمہیں اور یہ تو سامنے ہی موجود تھی۔'' فریال نوٹوں کی گڈی اور سلپ نکال لائیں۔ انداز میں تحیر تھا۔
''کبھی کبھی باآسانی مل جانے والی چیزیں بھی دسترس سے دور ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی سامنے موجود چیز سامنے ہو کر بھی نظر کے فریب کے باعث دستیاب نہیں ہوتی۔ ہر نظر کی قسمت میں گوہر مقصود نہیں ہوتا......'' وہ مسکرا کر بولا۔
''واہ...... واہ اپنے بیٹے کی فصاحت و بلاغت پر تو مجھے کبھی شک نہیں گزرا...... خوب غور و خوض کرنے والا زرخیز دماغ پایا ہے ماشاءاللہ۔'' فریال اسے جان نثار نظروں سے دیکھ کر مسکرا دیں تو ایک پل کو وہ بھی مسکرا دیا۔
''تم تو شاید اپنی مصروفیات کے باعث غائب دماغی کا مظاہرہ کر گئے...... لیکن سچ میں حویلی میں ہر کوئی شاکڈ ہے۔ بابا جان کے فیصلے پہ ہر کوئی حیرت بھری خوشی میں مبتلا ہے۔ کسی کے گماں میں جو نہیں تھا کہ شاہ اور عیشال کا جوڑ بنے گا...... خیر گماں کرنے کی بھی ہمیں اجازت کہاں ہے۔ فیصلوں کا اختیار تو بابا جان کو ہی حاصل ہے اور ہماری کیا مجال کہ ہم کوئی فیصلہ کریں' لیکن اچھا ہے...... چلو خوشی کی خبر تو یہ ہے شادیوں کا آغاز حویلی میں ہو گیا...... شاہ کے بعد ندا یا شنائیہ کی باری ہو گی یا تمہاری...... سچی مجھے تو یہ سوچ کر ہی خوشی ہو رہی ہے کہ میری بھی بہو آئے گی۔'' فریال خود ہی سوال و جواب کرتی آخر میں بچوں کی سی خوشی کا اظہار کر گئیں تو نا چاہتے ہوئے بھی سبحان آفندی کے اندر درد کے تار جھنجھنا اٹھے۔
''جانے کیسی ہو گی میری بہو اب بابا جان کے موڈ کا بھی تو کچھ پتا نہیں کہ گھر کی ہی بچیوں میں سے انتخاب کریں گے یا باہر کی لائیں گے...... خیر جو بھی ہو گی' اپنے بیٹے کی نسبت سے مجھے بے حد عزیز ہو گی۔'' فریال اپنے کبھرو جوان پر واری صدقے ہو رہی تھیں۔
''موٹی میں پاگل نہیں جو تیرا دلہا بنوں جا کوئی اور ڈھونڈ......'' فریال سبحان آفندی کے انکار کو سنجیدگی سے لیے شاید عیشال جہانگیر کی بچپن کی کہی بات کو فراموش کر گئی تھیں۔ مگر سبحان آفندی نہیں بھولا تھا۔ بچپن میں بھی انکاری ہوا تھا اور اب نا چاہتے ہوئے بھی ایک بار پھر اس کا جواب انکار کی صورت میں ہی ہونا تھا۔
ہم میں سے اکثر کچھ لمحوں کی گردش سے نکل نہیں پاتے۔ جو کچھ انجانے میں کر گزرتے ہیں کبھی کبھی وہی جانتے بوجھتے کرنا پڑتا ہے۔ دل خوشی ہو یا نا ہو...... اس سے سروکار نہیں ہوتا۔ بس گردش اپنے ساتھ لیے سفر کرتی ہے۔

❀......❀......❀

آزاد منش شنائیہ ان دنوں بے حد جھنجھلائی ہوئی تھی۔ وجہ شاہ زرشمعون کا فرمان تھا جس کے باعث وہ قیدیوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور جھنجھلاہٹ کا شکار تھی۔ دیا اور چودھری بخت نے بھی زور دیا تھا کہ وہ پابند رہے۔ جہاں کہیں

جانے کو نکلتی گارڈز جیپ میں سوار پہلے سے تیار ملتے...... یونیورسٹی جانے تک گارڈز کی جیپ پیچھے رہتی تھی۔ سوشل سرگرمیاں تو نا ہونے کے برابر ہی رہ گئی تھیں اس پابندی کے بعد۔ یونیورسٹی جانا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ ایک قافلے کی صورت میں یونیورسٹی پہنچتی تھی اور واپسی تک گارڈز منتظر رہتے تھے۔ چونکہ گھر میں کل چار ہی افراد تھے اور ہر کسی کو اپنی اپنی جگہ ہاسپٹل کالج یونیورسٹی جانا ہوتا تھا تو ان سب کو مینج کرنے کے لیے شاہ زر شمعون نے مزید کچھ گارڈز بھیج دیے تھے تا کہ گھر کی نگرانی پر بھی کوئی مامور رہے۔

''واہ...... کیا ٹور ہے بھئی...... کاش کہ ایسا ایک آدھ کزن میرا بھی ہوتا۔'' نائمہ ازحد متاثر ہوئی تھی۔ اسے باڈی گارڈ کے ساتھ آتے جاتے کم ہی لوگوں نے دیکھا تھا کیونکہ وہ لاتعلقی کا مظاہرہ کرتی اپنی گاڑی اندر لیے جاتی تھی اور گارڈ باہر ہی انتظار کرنے کے پابند تھے۔

''یہ سب شاہ زر شمعون کا کارنامہ ہے۔'' یہ سن کر نائمہ متاثر ہو کر آہیں بھرنے لگی تو وہ برا سا منہ بنا گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ جھنجھلا کر گاڑی کو پارک کرنے کے لیے متلاشی نظروں سے جگہ دیکھ رہی تھی۔ تب ہی ایک گاڑی سائیڈ دیتی اس سے ذرا آگے جا کر رک گئی۔

''ہیے سائیڈ کیوں دی......؟'' چلاتی ہوئی باہر نکلتے اس نے گاڑی کی باڈی پر نظر ڈالی۔ گاڑی پر ڈینٹ پڑ گیا تھا۔

''اوہو کچھ زیادہ لگ گئی۔'' طلحہ اپنی گاڑی سے نکل کر اس تک آیا۔ استہزائیہ انداز میں کہنے لگا۔ اس کے انداز نے شنائیہ چودھری کو آگ بگولہ کر دیا۔ وہ اس کا کلاس فیلو تھا اور خاصا بگڑا نواب مشہور تھا۔

''غلطی پر شرمندہ ہونے کی بجائے آپ کی ہنسی ظاہر کر رہی ہے کہ آپ نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔'' شنائیہ اسے گھور رہی تھی۔

''ہاں...... کہہ سکتی ہو۔'' وہ اس کی گاڑی سے ٹیک لگا گیا۔

''وجہ......'' اس نے بھوئیں اچکائیں۔

''ایویں ٹکرانا تو تم سے چاہ رہا تھا مگر تم موقع ہی نہیں دیتیں تو گاڑی ٹکرا دی......'' طلحہ کی فضول گوئی نے شنائیہ چودھری کا غصہ دوچند کر دیا۔

''آپ شاید اپنے حواسوں میں نہیں اس لیے سمجھ نہیں پا رہے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بہتر ہوگا اپنی حد میں رہیں۔'' اسے غضب ناک نظروں سے دیکھتے وہ پلٹ گئی۔ اس کے منہ لگ کر اپنی زبان گندی کرنا اسے قطعاً ناپسند تھا۔ تب ہی تو عرصہ سے اس کی فضول گوئی کو نظر انداز کر رہی تھی۔

''کیا ہے میری حد......؟'' وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔

''راستہ چھوڑیں......'' وہ مکمل طور پر اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

''جب تک میری حد نہیں بتاؤ گی جانے نہیں دوں گا۔ بہت عرصہ سے تمہارے نخرے دیکھ رہا ہوں ہو کیا چیز تم جو ذرا لفٹ نہیں کرواتیں۔'' شنائیہ چودھری کا مسلسل نظر انداز کرنا غالباً اسے گراں گزرا تھا۔ تب ہی وہ آج سارے حساب بے باق کرنے کو تلا ہوا تھا۔ بات کرتے ہوئے اس کا ہاتھ شنائیہ کے لہراتے آنچل کی طرف بڑھا تھا۔ وہ سائیڈ سے نکل رہی تھی اور طلحہ اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''جب تک جواب نہیں دو گی جانے نہیں دوں گا۔'' اس کی دھمکی اور دوپٹے کی طرف طلحہ کے بڑھتے ہاتھ نے چودھری گھرانے کے خون کو اتنا گرما دیا کہ فضا میں ''چٹاخ'' کی زوردار آواز گونج اٹھی۔

''یہ ہے تمہاری اوقات...... امید ہے اب تسلی ہوگئی ہوگی۔'' آنچل جھٹک کر شنائیہ چودھری غیض وغضب سے

کہتی نفرت بھری نظر ڈال کر پلٹ گئی۔ کافی اسٹوڈنٹس نے اس منظر کو دلچسپی سے دیکھا تھا۔ گال پہ ہاتھ رکھے طلحہ شاکڈ رہ گیا تھا۔ اسے شنائیہ چودھری سے اس جی داری کی امید نہیں تھی۔ ذلت کے احساس نے اس کے چہرے کے نقوش بگاڑ دیئے تھے۔

❀......❀......❀

عیشال جہانگیر کالج آ تو گئی تھی لیکن صبح سے کلاسز بنک کیے جلے پیر کی بلی بنی چکر کاٹ رہی تھی۔ چودھری حشمت نے شاہ زر شمعون کے ہاتھوں اسے نکیل ڈالنے کا فیصلہ سنایا تھا وہ کیسے چین سے بیٹھ سکتی تھی۔ حیرت تو اسے سمہان آفندی کے خاموش رہنے پر بھی ہوئی تھی اور یہ ہی وجہ اسے زیادہ کھولا رہی تھی۔ ایسا کیسے ممکن تھا کہ وہ سمہان آفندی کے علاوہ کسی اور کو سوچتی...... چودھری حشمت کے بے رحمانہ فیصلے کو سوچ سوچ کر جب سر دکھنے لگا تو بیگ گھاس پر رکھ کر دھپ سے بیٹھی کال ملا کر سیل فون کان سے لگالیا۔

بلو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے سمہان آفندی مرر کے آگے کھڑا کف فولڈ کر رہا تھا۔ بجتے ہوئے سیل فون کو دیکھتے اس نے ہاتھ روک کر ایک نظر اسکرین پر ڈالی اور نظریں عیشال جہانگیر کے نام پر ساکت رہ گئیں۔ وہ لاشعوری طور پر ایسی ہی کسی چیز کا منتظر تھا۔ اس کال کا پس منظر اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے حساب سے تو اس نے بہت دیر کردی تھی اور اب جب متوقع کال آ گئی تو وہ کئی ثانیے ڈریسنگ مرر کے سامنے رکھے سیل فون کو دیکھتا رہا۔ جانتا تھا وہ کس آگ میں جل رہی ہوگی۔ وہ کب تک اس حقیقت سے دور بھاگ سکتا تھا۔ کبھی نا کبھی تو سامنا کرنا ہی تھا۔ ایک حویلی میں رہتے وہ کہاں تک اس کے سوالوں سے بچ سکتا تھا۔ بات کرنے میں ہی عافیت تھی۔ فون اٹھاتے ہی کال کٹ گئی تھی۔

''پک اپ دا فون رائیٹ ناؤ......'' اگلے ہی سیکنڈ میسج ٹون کے ساتھ عیشال جہانگیر کا جھنجھلایا ہوا پیغام موصول ہوا۔ لمبی سانس بھر کے وہ کال بیک کرنے ہی لگا تھا جب ایک بار پھر عیشال جہانگیر کالنگ کے حروف جگمگانے لگے۔ اس سے اتنا صبر نہیں ہوا تھا کہ وہ حویلی لوٹ کر بات کر لیتی۔ وہ جس آگ میں گھری ہوئی تھی شاید اس کے لیے انتظار گراں تھا۔

''ارشاد......'' اس نے سابقہ انداز اختیار کرتے ہشاش بشاش لب و لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''کال پک کرنے سے بھی ڈر لگنے لگا ہے کیا......؟'' اس نے چھوٹتے ہی اٹکا کے طنز کیا۔

''جناب کال پک کرنے کے علاوہ بھی ضروری کام ہوتے ہیں مجھے...... کلاس بنک کر کے تم فون پر لگی ہوئی ہو...... خیر بتاؤ کیوں کال کی......؟''

''اپنا لیکچر اپنے پاس رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔'' دوسری طرف سے اس کا سلگتا لہجہ سمہان آفندی کے دل کو سلگانے لگا۔

''تم نے دھمکیاں دینے کے لیے کال کی ہے......؟''

''داجان نے اتنا بڑا فیصلہ سنا دیا اور تم چپ رہے......'' وہ جیسے اس کے ٹھنڈے لہجے پر آگ بگولہ ہوئی۔

''کہاں چپ تھا۔ برو کو تمہارے سامنے مبارک باد دی، تمہیں بھی اسپیشلی دوں کیا......؟ ویسے میں سوچ رہا ہوں، تم نے تو کبھی میری عزت کی نہیں، اب مجھے ہی تمہاری کرنی پڑے گی۔ آپ جناب سے مخاطب کرنا پڑے گا...... برو سے جڑ کر معتبر جو ہوگئی ہو......'' وہ چھیڑ رہا تھا۔

''شٹ اپ...... شرم آنی چاہیے تمہیں ایسی باتیں کرتے...... میں کبھی ویرے سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فون سے نکل کر سمہان آفندی کا سر پھاڑ دے۔

''داجان کے فیصلے کے بعد کوئی کچھ نہیں کرسکتا' تم جانتی ہو..... ویرے بہت اچھی چوائس ہے تمہارے لیے۔'' اس کی بغاوت پر تشویش سے کہا۔

''تم اپنا منہ بند رکھو..... میرے لیے کیا اچھی چوائس ہے کیا نہیں' یہ میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں..... مجھے تم جیسے بزدل انسان کی رائے کی ضرورت نہیں۔'' وہ فوراً اس پر چوٹ کرگئی۔ سبحان آفندی ذہنی طور پر ان سب جذباتی حربوں کے لیے تیار تھا۔ اسے خاموش پا کر وہ غصے میں ہر حد پار کرسکتی تھی اور یہیں سبحان آفندی کو اپنا آپ ''شو'' کرنا تھا کہ وہ ان جملوں سے نام نہاد غیرت کا مظاہرہ کرنے نا اٹھ کھڑا ہو۔

''تم جذباتی ہو' کسی قدر بے وقوف بھی..... داجان نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں ویرے ہی سدھار سکتا ہے۔''

''اگر مزید کچھ کہا تو تمہارا منہ نوچ لوں گی۔'' اس کی بات کاٹ کے دھاڑی۔ ''میں عیشال ہوں' کٹھ پتلی نہیں جو تم سب کے اشاروں پر ناچوں..... خوش فہمی تھی' تھوڑی سی کہ تم ساتھ دو گے لیکن یہ میری بھول تھی۔ اپنی وے اب جو کرنا ہے میں خود کرلوں گی..... مجھے تمہاری بھی ضرورت نہیں۔'' تڑخ کے کہتی وہ کال کاٹ گئی۔ لب دانتوں تلے دبائے پُر سوچ انداز میں انگوٹھا نچلے لب پر رکھے وہ چند ثانیے تک ہل بھی نا سکا۔ وہ کیا ٹھانے بیٹھی تھی اسے تشویش ہوئی۔

''بزدل..... کم ہمت.....''

''عیشال' ڈرائیور آگیا ہے' آجاؤ۔'' شازمہ نے دور سے دیکھتے ہی آواز لگائی تو سیل فون بیگ میں رکھتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈرائیور گاڑی کے اندر مستعد بیٹھا تھا۔ شازمہ' ندا' زرش' یمنیٰ اندر بیٹھ چکی تھیں' صرف اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اچانک تیزی سے گزرتی بائیک عیشال جہانگیر کے سامنے آگئی۔ اسپیڈ کی وجہ سے بروقت بریک لگتے بھی بائیک سوار بائیک نا سنبھال پایا اور عیشال جہانگیر بائیک کی زد میں آگئی۔ ڈرائیور تیزی سے اس تک آیا۔ شازمہ' زرش جو آرام سے اندر بیٹھی باتیں کررہی تھیں' شور اور ٹائر کے چرچرانے پر متوجہ ہوئیں دیکھنے والوں کو یہ ہی لگا تھا کہ غلطی بائیک والے کی ہے۔ سو سب مل کر اس کا گریبان پکڑ چکے تھے۔ عیشال کہنی کے بل گری ہوئی تھی۔

''عیشال.....'' ندا سمیت تمام لڑکیاں گاڑی سے اتر کر تیزی سے اس تک آئیں۔

❀.....❀.....❀

''ہیلو ماورا' میں ثانیہ.....'' ماورا یحییٰ لائبریری کی طرف جارہی تھی جب اس کی کلاس فیلو نے ساتھ چلتے ہوئے اپنا تعارف کروایا' ماورا اپنی دھن میں چلی جارہی تھی۔ اپنے نام کی پکار پر اس نے بے ساختہ دائیں طرف نگاہ کی۔ خاصی خوش شکل لڑکی ہاتھ بڑھائے مسکراہٹ بھری نگاہ سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم! میں ماورا یحییٰ' ہیلو ہائے کو نظر انداز کرنے ماورا یحییٰ نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

''میں کیا' پوری کلاس ہی جانتی ہے کہ تم ماورا یحییٰ ہو۔'' ثانیہ ہنسی۔ ماورا کے چہرے پر ایک پل کو تحیر کا رنگ پھیلا۔ اگلے ہی پل اسے کل کی بے عزتی یاد آگئی تو اسے لگا ثانیہ اسی تناظر میں مذاق اڑا گئی ہے۔

''انٹری ٹیسٹ کی ٹاپر اتنی عام سی تو نہیں کہ بندہ اسے بھول جائے' یقین کرو' مجھے تو اتنا اشتیاق ہوا تھا نام دیکھ کر ملنے کا۔ میں کلاسز اسٹارٹ ہونے کی دعا کررہی تھی کہ جلد سے جلد کلاسز اسٹارٹ ہوں اور میں اس ہستی سے مل کر پوچھ

سکوں کہ بہن ایسا کیا کھاتی ہو جو اتنی جینئس ہو؟" اس کی سوچ کے برعکس' ثانیہ نے جب دلچسپ انداز میں آپ بیتی سنائی تو ماورا یحییٰ کے لبوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وہی سب کچھ جو آپ کی خوراک کا حصہ ہے۔" وہ ہنسی۔

"ایک تو یہ آپ جناب سائیڈ پر رکھ دو۔ اب سے ہم پکی والی سہیلیاں ہیں..... اور یہ طے میں نے نام دیکھتے ہی کرلیا تھا۔" ثانیہ نے استحقاق سے کہا تو ماورا اس کے بے تکلفانہ انداز پر مسکرا دی۔

"پھر دوستی پکی سمجھوناں....." اس کی مسکراہٹ سے کوئی نتیجہ اخذ نا کرنے پر ثانیہ نے تشویش بھری نظروں سے سوال کیا۔

"بالکل۔" ماورا یحییٰ کو بھی وہ سیدھی سادی اور مخلص طبیعت کی ثانیہ اچھی لگی۔ دونوں کا رخ لائبریری کی طرف تھا۔

"ماورا اب جب ہم دوست بن چکی ہیں تو میرا مشورہ ہے تم ایشان جاہ کے گروپ سے دور رہنا۔ کل تمہیں ذلیل کرنے کی حرکت ان کے گروپ کی تھی۔ میں نے انشراح کو خود کا پیاں بدلتے اور ان کے گروپ کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا تھا لیکن کچھ کہہ نا سکی کہ وہ سب بڑے گھرانے سے ہیں اور ہم تم ٹھہرے مڈل کلاس..... سوچ کے رہنا ان جیسوں سے۔" ثانیہ کے ذکر نے اسے پھر کل والی بے عزتی یاد دلا دی تو اس کے اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

"صحیح کہہ رہی ہو میں خود ان جیسوں سے دور رہنا چاہتی ہوں مگر یہ گروپ جان بوجھ کر تنگ کرنے والوں کا ہے ناں ان سے ہار برداشت ہوتی ہے نا کسی کی تعریف۔" ماورا یحییٰ نفرت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی اور ان کے پیچھے چلتے ایشان جاہ کو سعید نے ٹہوکا دے کر نظروں ہی نظروں میں اشارہ کیا۔ باقی سب کینٹین میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں لائبریری جا رہے تھے۔ ثانیہ کی مبارک باد نے ہی ایشان جاہ کو جھلسا کر پھر سے ہار کی یاد تازہ کروا دی' اوپر سے ان کے گروپ کے متعلق دونوں کے خیالات نے مزید سونے پر سہاگہ والا کام کیا۔

"کل تو پہلا ہی دن تھا۔ وہ سب کیوں تنگ کر رہے تھے تمہیں..... کوئی دشمنی رہی ہے تمہاری' کبھی ان سے..... جانتی ہو انہیں.....؟" ثانیہ کو حیرانی ہوئی۔

"تم نے شاید انٹری ٹیسٹ کی لسٹ بغور نہیں دیکھی ایشان جاہ سیکنڈ نمبر پر ہے اور یہ ہی ہار انہیں مجھ سے دشمنی پر مجبور کرگئی ہے۔ رہی میری بات تو میں ان جیسوں سے دوستی تو درکنار دشمنی رکھنا بھی پسند نا کروں....." ماورا یحییٰ نے نخوت سے کہا۔ سیکنڈ نمبر کا طعنہ ایشان جاہ کو چابک کی طرح ایک بار پھر لگا۔ وہ اپنی ہار کا زخم بھول نہیں پا رہا تھا اور وہ مزید اسی زخم پر چابک مار رہی تھی۔

"واہ..... حد ہے بھئی..... ہار گئے تو برداشت کرنا چاہیے ناں۔" ثانیہ کو جیسے معاملے کی سمجھ آ گئی۔

"جیت کے نشے میں دھت کم ظرفوں میں ہار برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔" ماورا یحییٰ لائبریری کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اس کا جھلساتا لہجہ ایشان جاہ کو خاکستر کرنے لگا۔ جی تو چاہا اس کے وجود کو منظر سے غائب کردے مگر وہ لائبریری میں گم ہو چکی تھی۔ وہ دونوں بھی ان کے پیچھے داخل ہوگئے۔ لائبریرین کے پاس کئی لوگ کھڑے تھے۔ ان میں ماورا یحییٰ اور ثانیہ بھی تھیں۔ ثانیہ تو کتابیں دیکھنے ریک کی طرف بڑھ گئی۔ وہ لائبریرین کے فری ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ ایشان جاہ بھی خاموشی سے جا کر کھڑا ہو گیا تو اس کی آمد پر ماورا یحییٰ کے چہرے پر ایک پل کو ناگواری کی لہر اٹھی۔ اگلے ہی پل وہ رخ ہی پھیر گئی۔

"جی آپ کہیں کیا چاہیے.....؟" لائبریرین فارغ ہو کر ان تک آیا۔

"اکنامک آف پاکستان کی بک چاہیے۔" دونوں نے یک زبان کہا تو لائبریرین جہاں دونوں کو تحیر سے دیکھنے لگا

وہ دونوں بھی چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔
"آپ دونوں ساتھ ہیں......؟" لائبریرین یہی سمجھا کہ دونوں ساتھ ہیں۔
"بالکل نہیں۔" قطعی لہجے میں کہہ کر ماورا یحییٰ نے چند قدموں کی دوری اختیار کرنے کے ساتھ رخ بھی پھیر لیا۔ اس کے انداز نے ایشان جاہ کے اندر آگ لگادی۔ وہ یوں بھاگ رہی تھی جیسے اسے چھوت کی بیماری ہو۔
"فی الحال تو ابھی ایک ہی کتاب ہے۔ اب آپ دونوں آپس میں طے کرلیں کہ کسے زیادہ ضرورت ہے۔" لائبریرین لوٹا تو اس کے ہاتھ میں مطلوبہ کتاب کی ایک ہی جلد تھی۔ کتاب رکھ کر وہ دوسرے اسٹوڈنٹس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دونوں کی نگاہ کتاب پہ جمی ہوئی تھی۔
"یہ بک میں لوں گا' کیونکہ پہلے میں نے کہا تھا۔" ایشان جاہ نے دھونس جماتے ہوئے کتاب پر ہاتھ رکھا تو ماورا یحییٰ اس کے انداز پر تنفر سے کہہ گئی۔
"آپ ہی رکھ لیں' آپ کو زیادہ ضرورت ہے کہیں پھر پیچھے نا رہ جائیں۔" طنز کرتے ماورا یحییٰ لائبریری سے نکلنے لگی تھی۔ منزہ کی یاددہانی کے باوجود وہ خود پر ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔
ان سب نے جس طرح اسے ذلیل کیا تھا اس پر اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا جتانا ایشان جاہ کو تھپڑ سے کم نہیں لگا۔ وہ خون کے گھونٹ پیتے اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔
"اگر لڑکی نا ہوتی تو اب تک اس کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔
"دفع کر' چھوٹے سے گھر کی چھوٹی سوچ والی لڑکی ہے۔" سعید نے اسے بہلانا چاہا۔ لائبریرین واپس آیا تو کتاب جوں کی توں دیکھ کر سر نفی میں ہلا کے رہ گیا۔ کہاں تو ایک ساتھ دو دعویدار آئے تھے اس کتاب کے اور کہاں دونوں ہی چھوڑ کر پلٹ گئے۔ اسے شاید خبر نہیں تھی انا و ضد کی جنگ میں اکثر عقل ہی ہار جاتی ہے۔

❀......❀......❀

شاہ زر شمعون اصطبل میں گھوڑے کی پیٹھ سہلاتا اپنی ہی سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔
"مبارک ہو شاہ جی' سنا ہے آپ کی شادی کا اعلان ہوگیا ہے۔" اصطبل کی صفائی پر مامور ملازم نے اسے خاموشی سے سلطان کی پیٹھ سہلاتے دیکھ کر ڈرتے ہوئے مبارک باد دی۔ اس کے دبنگ انداز کے باعث ہر کوئی منہ کھولتے ہوئے کئی بار سوچتا تھا۔ حالانکہ وہ بلاوجہ کسی پر رعب نہیں جماتا تھا۔ ناہی ملازموں سے بدتمیزی کا قائل تھا۔ مگر اس کے غصیلے انداز اور کم گو طبیعت کے باعث ہر ایک ہی کو وہ ذرا فاصلے پر نظر آتا تھا۔
"خیر مبارک......" سرسری سا کہہ کر وہ دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ شادی' ذمہ داری' فیملی ان خیالات کی یلغار ہوتے ہی وہ ایک بار پھر پُرسوچ انداز میں ایک نقطے پر نگاہ جما گیا۔ ایک تو اس کی شادی کا اعلان ہی غیر متوقع تھا اور پھر عیشال سے۔
"کیا وہ ذہنی طور پر عیشال سے شادی کے لیے تیار ہے......؟" یہ سوال اسے پھر سے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ چودھری حشمت کا فیصلہ اسے کچھ بے چین سا کر گیا تھا مگر ان کے فیصلے کے خلاف جانے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ لمبی سانس بھر کے رہ گیا۔

❀......❀......❀

وہائٹ شرٹ کی آستین کہنیوں تک چڑھائے سن گلاسز لگائے سبحان آفندی پورچ کی طرف جا رہا تھا۔ جب لڑکیاں آتی نظر آئیں۔ منظر کافی حیران کن تھا۔ عیشال جہانگیر بیچ میں تھی اور اس کے دائیں بائیں وہ سب فکرمندی

سے چلی آ رہی تھیں۔ ندا نے تو ازراہ ہمدردی عیشال کا بازو بھی تھام رکھا تھا۔
"خیریت......؟ یہ جلوس کی شکل میں کیوں چل رہی ہیں آپ سب......؟" قریب آنے پر اس نے استفسار کیا۔
"عیشال کا بائیک سے ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ بازو پر چوٹ لگی ہے لیکن ہڈی سلامت ہے۔ پیر پر بھی چوٹیں آئی ہیں۔ شکر ہے زیادہ سیریس نہیں ہیں...... ہم ہاسپٹل سے ہوتے آ رہے ہیں۔" ندا نے کہا اور گلاسز آنکھوں سے اٹھا کر سر پر ٹکائے سمہان آفندی نے ایک گہری نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔ بایاں بازو ندا نے تھام رکھا تھا۔ وہائٹ یونیفارم کی آستین پر جگہ جگہ خون کی بوندیں تھیں۔ شرٹ مٹی سے آلودہ ہورہی تھی۔ سمہان آفندی نے گہری نظر اس کے چہرے پر ڈالی وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
"ندا آپی ذرا سی چوٹ آئی ہے مر تھوڑی نا گئی ہوں جو آپ راہ چلتے بندے کو پوری روداد سنانے لگیں۔ دیکھ نہیں رہیں مصروف لوگ ویل ڈریسڈ کہیں جانے کو تیار کھڑے ہیں۔ ان کا ٹائم بلاوجہ ضائع کرنے والی بات ہے۔ جائیں جناب...... آپ کے اہم کام آپ کے منتظر ہوں گے۔" وہ حد درجہ کدورت سے اس کے وجیہہ چہرے پر تلخ نگاہ ڈال کر بولی۔
"توبہ ہے عیشال سمہان نے پوچھا تو بتا دیا۔" ندا سرزنش کرگئی۔ سب ہی عیشال جہانگیر کے تندوتیز لب و لہجے سے واقف تھے اور سمہان آفندی سے اس کی نوک جھونک سے آشنا تھے۔ ایسے میں جب اس نے کہا تو کسی کو خاص حیرت نہیں ہوئی۔ شازمہ، یمنیٰ، زرش تو آگے نکل گئی تھیں۔ پیچھے وہ تینوں ہی رہ گئے تھے۔
اس کے لہجے کی کڑواہٹ اور جلتے بجھتے شعلوں جیسے لب و لہجے پر سمہان آفندی نے ایک بار پھر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ عیشال جہانگیر بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجی تھی۔ درحقیقت سمہان آفندی کو چاک و چوبند اور معمول کے امور نپٹاتے دیکھ کر وہ مشتعل ہورہی تھی۔ اس کی جان سولی پر اٹکی ہوئی تھی اور وہ اپنے کام میں الجھا ہوا تھا۔ ابھی بھی نک سک سے تیار کہیں جانے کو تیار کھڑا تھا۔ اتنے بڑے فیصلے کے بعد اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا...... اس کی روٹین میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی...... وہ اسے نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی تھی۔
اسے اس کی دیوانگی سے خوف آنے لگا تھا۔ کیا حویلی کی تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرا رہی تھی؟ کیا حویلی کے در و دیوار ایک بار پھر بغاوت برداشت کرسکیں گے؟ سمہان آفندی کے ماتھے پر شکنوں کا جال سا بچھ گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر عیشال جہانگیر کی پشت پر نگاہ ڈالی۔ اس کی چال میں بھی لڑکھڑاہٹ تھی اور نگاہوں سے جھانکتی بے خوفی نے سمہان آفندی کو سن کردیا تھا۔ صاف ظاہر تھا ایکسیڈنٹ ہوا نہیں کروایا گیا تھا۔ اس کے انداز پر وہ ازحد متفکر ہوگیا تھا۔

❀......❀......❀

"منزہ آپا اچھا ہوا آپ خود ہی آگئیں۔ میں ابھی آپ کے گھر خوش خبری سنانے آنے ہی والی تھی۔" منزہ سے انتظار گراں گزرا تو وہ خود صائمہ کی طرف آگئیں۔ صائمہ انہیں دیکھتے ہی خوشی سے بتانے لگیں تو ان کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔
"کیسی خوش خبری بہن؟" آ تو گئی تھیں لیکن بیٹی کی ماں تھیں چاہتے ہوئے بھی دل کی بات زبان پر نہ لاسکیں کہ کوئی جواب آیا؟ مبادا دنیا کو یہ نہ لگے کہ بیٹیاں بھاری پڑ رہی ہیں۔ ورنہ یہاں تو ایسا معاملہ تھا کہ وہ کسی سے اپنا درد بھی بانٹ نہیں سکتی تھیں۔
"لڑکے والوں نے ہاں کردی آپا۔ انہیں آپ کی انوشا بہت پسند آئی ہے......" صائمہ نے خوشی سے اطلاع دی۔
"اللہ تیرا شکر۔" منزہ کے لبوں سے بے ساختہ کلمہ شکر ادا ہوا۔

"وہ لوگ کہہ رہے تھے آپ بھی لڑکے کو دیکھ لیں تاکہ بات جلد آگے بڑھے۔" صائمہ نے مزید اطلاع دی تو منزہ خوش ہوگئیں۔ وہ لوگ لڑکے کی تصویر ساتھ لائے تھے اور منزہ کو تصویر میں لڑکا کافی معقول لگا تھا۔ اب بس جاکر ایک نظر روبرو دیکھنا تھا۔

"جب کہو میں چلنے کو تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپا میں آج ہی انہیں کال کر کے دن پوچھ لیتی ہوں پھر چلیں گے ہم......" منزہ کا عندیہ جاننے کے بعد صائمہ نے آگے کا لائحہ عمل بتایا تو منزہ بھی مطمئن ہوکر انہیں دعائیں دیتی اٹھ گئیں۔

"تو محلے میں منڑگشت کر رہی ہے اور میں گھر میں تالا دیکھ کر مایوس ہوکر واپس پلٹ رہا تھا۔" منزہ خوشی کا احساس لیے صائمہ کے گھر سے نکلی تھیں۔ ابھی چند قدم ہی چلی ہوں گی کہ بھیانک آواز نے ان کے قدموں کو لرزا دیا۔ وہ بدبخت ان کے بند دروازے پر کھڑا تھا۔

منزہ نے ڈرتے ہوئے بے ساختہ پیچھے پلٹ کر صائمہ کے دروازہ کی طرف دیکھا تھا کہ آیا وہ موجود تو نہیں لیکن ان کے نکلتے ہی صائمہ دروازہ بند کر چکی تھیں۔ بند دروازہ دیکھ کر انہیں کسی قدر سکون ہوا۔ بھری دوپہر تھی جس کے باعث گلی سنسان تھی لیکن کسی بھی وقت کوئی نکل کر آسکتا تھا۔ منزہ تیز قدموں سے دروازے تک آئیں۔

"کیوں آئے ہو تم پھر یہاں؟" وہ بھینچے بھینچے انداز میں چلائیں۔

"پیسے چاہئیں۔" دانت دکھاتے ہوئے مدعا بیان کیا۔

"میرے پاس کوئی پیسے نہیں ہیں۔" منزہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"تالا کھول گھر کے اندر جا کے تسلی سے دیکھ پیسے اندر ہوں گے۔" اس نے آرام سے مشورہ دے رہا۔ منزہ نے نفرت بھری نگاہ ڈالی۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں میں قسم کھانے کو تیار ہوں...... کیوں مجھ غریب کے پیچھے پڑ گئے ہو۔" وہ روہانسی ہوئیں۔

"بس بس زیادہ لیکچر نہیں...... غریب ہے تو اس میں تیرا قصور ہے میرا نہیں۔" ان کے روہانسے انداز کو نظرانداز کرتے وہ کمال لاپروائی سے کہہ کر جیسے ناک پر سے مکھی اڑانے لگا۔

"پیسے نہیں ہیں میرے پاس جاؤ یہاں سے محلے میں سے کسی نے دیکھ لیا تو بدنامی ہوگی۔ اگر اب تم دوبارہ یہاں آئے تو میں پولیس میں کمپلین کردوں گی......" اس کی آئے روز کی آمد سے منزہ حد درجہ خوف زدہ ہوگئی تھیں۔ محلے والوں اور بیٹیوں کے دیکھ لینے پر وہ کیا تاویل دیتیں......؟ کیا بہانہ بناتیں...... وہ کسی طور نہیں چاہتی تھیں کہ انوشا یا ماورا اس خبیث کی نظروں کے سامنے آئیں۔

"دھمکی......" وہ خباثت سے ہنسا۔

"میں کر گزرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ بات تم بہت اچھی طرح سے جانتے ہو۔" دھمکی کو سنجیدگی سے نا لینے پر وہ پھنکاریں۔

"ہاں میری رانی...... مجھ سے بڑھ کر تجھے کون جان سکتا ہے...... ٹھیک ہے اب سے نہیں آؤں گا تو خود آکر پیسے پہنچا دیا کرنا...... لیکن دیکھ لے رقم موٹی ہونی چاہیے۔ تجھے تو پتا ہے میرے شوق ایسے ہیں کہ پیسے کم پڑ جاتے ہیں۔ یہ میرا کارڈ ہے۔ فون نمبر ایڈریس سب ہے۔ ایزی پیسہ منی آرڈر جو آسان لگے کر دینا...... کبھی خود بھی چلی آنا پرانے وقتوں کو یاد کرلیں گے۔" منزہ تو اس کے حلیے کو دیکھتے کارڈ پر ہی حیرت زدہ تھیں۔ اوپر سے اس کی بکواس نے ان کا رخ

نفرت سے پھیر دیا۔
''جارہا ہوں' جلدی پیسے بھجوا دینا۔ ایسا نا ہو مجھے پھر آنا پڑے۔'' وہ دھمکی دیتے جانے لگا تو منزہ شکر ادا کرتے لرزتے ہاتھوں سے تالا کھولنے لگیں۔ ہاتھوں میں لرزش اتنی زیادہ تھی کہ چابی بھی تالے میں نہیں جارہی تھی۔

❁......❁......❁
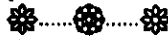
عیشال جہانگیر کے ساتھ ہوئے حادثے پر عورتیں مقدور بھر ہمدردی کررہی تھیں۔ ان سب کی دانست میں یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ زمرد بیگم نے اکیلے میں ڈرائیور کو بلا کر خاص تنبیہ کی تھی کہ یہ بات چودھری حشمت تک نا پہنچے مبادا وہ اسے عیشال کے لیے مزید کوئی سخت فیصلہ سنا دیں۔ ڈرائیور بھی سر ہلا کر چلا گیا تھا۔
''نظر لگ گئی ہے بچی کو...... ٹھہرو میں نظر اتارتی ہوں۔'' فائزہ کو عیشال سے یوں بھی خاص لگاؤ تھا۔ صائقہ کے جانے کے بعد اس کی پرورش فائزہ اور فریال نے ہی کی تھی۔ اور اب چودھری حشمت کے فیصلے کے بعد بہو کے روپ میں وہ انہیں مزید عزیز ہوگئی تھی۔ فریال نیم گرم دودھ میں ہلدی ڈال کر لے آئیں تو فائزہ نظر اتارنے لگیں۔ اسے کوفت ہونے لگی تو ان سب سے جان چھڑا کر وہ لان میں چلی آئی۔
شاہ زرشمعون اسے اصطبل سے پورچ کی طرف جاتا نظر آرہا تھا۔ فان کلر کے شلوار سوٹ میں اس کی وجاہت نمایاں تھی۔ بھلے وہ لاکھ وجیہہ تھا' مگر وہ اس کے لیے ویسے جذبات نہیں رکھتی تھی جو صرف سبحان آفندی کے لیے تھا۔ اسی اثناء میں مین گیٹ پر ہارن بجا تھا۔ شاہ زرشمعون بھی اپنی جگہ پر ایک ثانیے کو رک گیا۔ چوکیدار نے تسلی کرلینے کے بعد گیٹ وا کردیا۔ پراڈو زن سے اندر داخل ہوئی تھی۔ چودھری جہانگیر پراڈو سے برآمد ہوئے اور اتنی جلدی دوبارہ آمد پر جہاں وہ حیران ہوئی وہیں شاہ زرشمعون بھی حد ادب میں رک گیا۔ اسے دور سے ہی دونوں مصافحہ کرتے اور گلے ملتے نظر آرہے تھے۔ دونوں کے درمیان کیا باتیں ہورہی تھیں وہ اس کا لب لباب تو نا سمجھ سکی لیکن شاہ زرشمعون انہیں گرم جوشی سے اندر کی طرف اشارہ کرتے نظر آیا تھا۔ چودھری جہانگیر آگے بڑھ آئے تھے۔ وہ زرگل کی طرف متوجہ ہوکر غالباً اسے کوئی ہدایت کرنے لگا تھا۔
''وہ بیلوں کے درمیان جہاں بیٹھی تھی وہاں سے اسے دیکھنا مشکل تھا' جانے اس کے دل میں کیا سمائی چودھری جہانگیر کو راہداری پر آتے دیکھ کر وہ ایک دم سے نکل کر ان کے سامنے آ گئی۔
''السلام علیکم!''
''وعلیکم السلام۔'' اس کی آمد کو انہوں نے ناگواری سے دیکھا۔ پچھلی ملاقات کا عکس ان کے چہرے پر جھلملایا۔
''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' انہیں دیکھتے ہی اس کے ذہن میں بجلی سی کوندی تھی' جس کو عملی جامہ پہنانے کو وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔
اس سے پہلے کہ چودھری جہانگیر کوئی جواب دیتے ان کے ہاتھ میں موجود سیل فون بجنے لگا۔ اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد چودھری جہانگیر نے کال ریسیو کی۔ عیشال کے لیے کچھ کہنا انہوں نے گوارا نہیں کیا تھا۔ ہاں ان کے قدم ضرور رک گئے تھے۔
''ہاں بیٹا بولو......'' چودھری جہانگیر کے شیریں لہجے اور دوسری طرف سے آتی زمین کی چہکتی آواز نے عیشال کے اندر غم وغصہ بھر دیا۔
''بیٹا اب لوٹ آؤ...... تمہاری مما بہت مس کررہی ہیں' انہوں نے مجھے سختی سے کہا ہے کہ تمہیں جلد دبئی سے بلوا لوں۔'' اس پر سخت نظر رکھتے وہ نرم لہجے میں فون پر زمین سے کہہ رہے تھے۔ عیشال جہانگیر اپنی جگہ جزبز ہورہی تھی۔

ایک بار جی میں آیا ان کے سامنے سے ہٹ جائے مگر بات کرنا بھی ضروری تھی۔
"ڈیڈ یہاں بہت مزہ آرہا ہے۔ ہمارا گروپ مزید آؤٹنگ کے لیے پلان کررہا ہے۔ آپ پلیز مام کو منالیں ناں..... میرے اچھے ڈیڈ ہیں ناں....." کہاں وہ اپنی زندگی کے اہم مسئلے پر ان کے سامنے گومگو کی کیفیت میں کھڑی تھی اور کہاں نرمین سیر وسیاحت کی داستان بے فکری سے سنارہی تھی۔ نرمین کی چہکتی آواز عیشال کا چہرہ دھواں دھواں کرگئی تھی۔
"اوکے سمجھادوں گا لیکن صرف دو دن کے لیے۔" چودھری جہانگیر مان و پیار سے بیٹی سے گویا تھے اور عیشال جہانگیر لب کچلتی ادھر ادھر دیکھنے پر مجبور ہوگئی تھی۔
"یو آر سو سویٹ، تھینکس ڈیڈ لو یو۔" نرمین ایکسائٹمنٹ میں کچھ زیادہ ہی تیز آواز میں گویا تھی یا فون کا والیم ہی کچھ زیادہ تھا کہ سامنے کھڑی عیشال جہانگیر بھی دوسری طرف کی ساری آواز سننے پر مجبور تھی۔ محبت و مان کا جوابی اظہار کرکے فون بند کردیا گیا تھا۔
"بولو کیا بات کرنا تھی تمہیں۔" فون کان سے ہٹاتے ہی چودھری جہانگیر کی ٹون بدل گئی۔ خشک و اجنبی لب ولہجہ عیشال کی سماعتوں میں آگ برسانے لگا۔ کتنا تضاد تھا۔ میلوں دور بیٹھی بیٹی سے کال پر بات کرتے ان کے لہجے کی چاشنی صاف محسوس جاسکتی تھی اور وہ جو چند قدم کے فاصلے پر روبرو تھی اس کی سماعت میں زہر گھولا جارہا تھا۔
"داجان نے میری شادی طے کردی ہے۔" سب کچھ نظر انداز کرکے اسے اپنا مسئلہ تو بتانا ہی تھا۔
"باخبر ہوں آگے کہو۔" ان کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں دبی سگریٹ راکھ بن رہی تھی مگر وہ شاید اس کی موجودگی میں کش نہیں لگارہے تھے۔ عیشال کو لگنے لگا ان کے لفظوں کی حدت سے وہ بھی جلی سگریٹ کی طرح دھیرے دھیرے راکھ ہونے لگی ہے۔
"میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے مدعا بیان کیا۔
"پھر کیا کرنا چاہتی ہو؟" انہوں نے لفظ چبائے۔
"حویلی میں مجھ سے بڑی لڑکیاں موجود ہیں پھر میری سب سے پہلے کیوں.....؟" اس نے جرح کی۔
"کیونکہ جو رنگ ڈھنگ تمہارے ہیں وہ حویلی کی دیگر لڑکیوں کے نہیں۔" اس کی ذات کو تماشا بنا کر وہ اس کے رنگ ڈھنگ کا رونا رو رہے تھے۔ عیشال جہانگیر کا جی چاہا چیخ چیخ کر حویلی سر پر اٹھالے لیکن اسے ضبط کرنا تھا۔ ایک چودھری جہانگیر ہی آخری آس تھے۔ وہ اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مار سکتی تھی۔
"مجھے دیرے شاہ سے شادی نہیں کرنی۔" وہ بے خوف بول گئی۔
"پھر کس سے کرنی ہے..... کسی کو پسند کر رکھا ہے، محبت رچا بیٹھی ہو؟ اگر ایسی بھنک بھی پڑی تو یاد رکھنا حویلی میں ہی مقبرہ بنواؤں گا تمہارا۔ تمہاری ماں کو بھی محبت کا بھوت سوار تھا، کیا ہوا.....؟ ایڑیاں رگڑتی محبت کی بھیک مانگتی مر گئی..... یاد رکھنا حویلی میں محبت سے بڑا کوئی گناہ نہیں..... باباجان نے سب بتایا ہے مجھے..... میری بلا سے باباجان کسی کالے چور سے بیاہ دیں تمہیں، لیکن شاہ زرشمعون کا انتخاب کرکے انہوں نے تم پر احسان کیا ہے سمجھو..... شریف لڑکیوں کی طرح حکم کی تعمیل کرو اگر جو مجھے ذرا تمہاری شکایت سننے کو ملی تو اپنے پسٹل کی ساری گولیاں تمہارے اندر اتارتے مجھے ذرا دیر نہیں لگے گی....." چودھری جہانگیر تنفر و کروفر سے کہتے اس پر ایک سخت تادیبی نظر ڈال کر آگے بڑھ گئے تھے۔ عیشال جہانگیر ہکا بکا اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وجود جمود کا شکار ہوگیا تھا۔ بس ایک نگاہ تھی جو چودھری جہانگیر کے تعاقب میں ان کے پیچھے گئی تھی۔ وہ احاطے میں مڑ بھی گئے تب بھی وہ کئی ثانیے بے حس وحرکت اسی سمت

تکتی کھڑی رہ گئی...... دل کی بستی پر زوروں کی آندھی چل پڑی تھی۔ بہتے آنسوؤں کو رگڑتے اس نے رخ پھیرا اور ایک ثانیے کو لرز سی گئی...... شاہ زرشمعون جانے کب وہاں آ کھڑا ہوا تھا اور اب اس کے آنسوؤں سے تر چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

❁......❁......❁

شنائیہ کا موڈ سخت خراب تھا۔ یونیورسٹی جاتے ہی طلحہ کی حرکت وجرأت نے اسے چراغ پا کردیا تھا جس کا انعام بھی وہ اسے دے چکی تھی۔ اس کا ارادہ ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ سے طلحہ کی شکایت کرنے کا تھا' لیکن بات بڑھتی تو دیا اور چودھری بخت کو بھی سب بتانا پڑتا۔ اوپر سے شاہ زرشمعوں کے کارندے بھی ڈیرا ڈالے بیٹھے تھے ان کے طفیل بات شاہ زرشمعون تک بھی جا پہنچتی اور وہ یہ ہی نہیں چاہتی تھی۔ نائمہ بھی آج یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔ سارا وقت اس کا موڈ خراب ہی رہا۔ دیا گھر میں موجود تھیں۔ وہ انہیں اپنی آمد سے متعلق اطلاع دینے سلام کی صورت پہنچ گئی کہ دیا اور چودھری بخت کی خاص ہدایت تھی کہ کہیں بھی آنے اور جانے سے متعلق انہیں بروقت اطلاع دی جائے۔ وہ اور ماہم مقدور بھر اس اصول کا احترام کرتی تھیں جس کے باعث وہ سب اپنی اپنی مصروفیات کے باوجود قریب نظر آتے تھے۔

''مما...... آپ کہیں جارہی ہیں؟'' سلام وجواب کے بعد اس نے تحیر سے پوچھا۔ دیا' وارڈ روب کھولے کپڑوں کی سلیکشن کررہی تھیں۔ سوٹ کیس بیڈ پر کھلا رکھا تھا اور اس میں چیزیں رکھنے میں ماہم ان کی مدد کررہی تھی۔ پیکنگ کے تناظر میں سوال کرتے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''میں نہیں...... ہم سب جارہے ہیں۔'' کپڑے ہینگر سے نکال کر بیڈ پر بیٹھی ماہم کو تھماتے دیا نے پُرسکون انداز میں کہا۔

''ہم سب......! لیکن کہاں......؟ ابھی تو کوئی چھٹی بھی نہیں ہے......'' وہ متعجب ہوئی۔

''حویلی......'' ماہم نے شرارت سے آنکھیں نچائیں اور حویلی کا نام سن کر وہ مزید ڈھیلی پڑگئی۔

''حویلی...... اتنی جلدی پھر...... ابھی تو ہم آئے تھے وہاں سے...... پھر جانا ہے...... کس کا بلاوا ہے......؟'' وہ سخت بدمزہ ہوئی اور بےزاری کا رنگ اس کے چہرے کے ساتھ لہجے میں بھی نمایاں ہوگیا۔ دیا نے خشمگیں نظروں سے گھورا۔ جس پر وہ تھوڑی مدھم پڑگئی۔ چپ تو ہوگئی لیکن تجسس کے ہاتھوں مجبور آئی بروز اچکا کر ماہم سے اشارے میں وجہ دریافت کرنے لگی۔

''ویرے شاہ زرشمعوں اور عیشال کی منگنی ہورہی ہے جمعہ کو...... اس لیے بلاوا آیا ہے۔'' ماہم نے مسکراتے ہوئے اپنے تئیں بڑا زبردست دھماکا کیا تھا۔ وہ اچھل ہی تو گئی۔

''ہیں......! شاہ زرشمعون ~~عیشال~~ عیشال کی منگنی......؟'' مارے تحیر کے کھڑی ہوکر آنکھیں پھاڑے بےیقینی سے باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے انداز دیکھ کر ماہم تو ہنسنے لگی کہ اسے اس سے ایسے ہی ری ایکشن کی امید تھی۔

''ہائے بےچاری عیشال...... چچ چچ چچ...... سچی مجھے تو سخت دلی ہمدردی محسوس ہورہی ہے اس مظلوم لڑکی سے...... اللہ رحم کرے بڑی عجیب وغریب خبریں سننے کو مل رہی ہیں حویلی سے...... پہلے وہ انکل نما آدمی ندا کے لیے اور اب عیشال اور شاہ...... اف......'' وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا عیشال کو...... خوش نصیب ہے جو اسے شاہ جیسا ہم سفر مل رہا ہے...... لاکھوں میں ایک ہے۔'' دیا نے لتاڑنے کے انداز میں اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''ہاں لاکھوں میں ایک خونخوار درندہ ہے۔'' بالوں کو جھٹکتے بڑبڑا کے رہ گئی۔ دیا تو نا سن سکیں۔ البتہ ماہم محظوظ ہوتے

سننے لگی۔
"کتنی مظلومیت بھری زندگی گزاری ہے عیشال نے اور اسے مل کون رہا ہے شاہ...... آہ بے چاری کی ساری زندگی ظلم کے آگے سرنگوں ہوتے ہی گزر جائے گی...... ہائے مجھے تو بڑا افسوس ہو رہا ہے عیشال کے لیے۔" وہ عیشال کے دکھ میں کچھ زیادہ دکھی ہو کر بولی۔

❁......❁......❁

"رشتے ناتے تو آسمانوں پر ہی طے ہوتے ہیں اگر آپ کو ہمارا بیٹا پسند ہے تو کیوں نا جلد ہی رشتہ پکا کردیں۔" منزہ صائمہ کی معیت میں لڑکا دیکھنے آئی تھیں۔ لڑکے والوں کی آؤ بھگت طور طریقوں کو دیکھتے منزہ کافی مطمئن تھیں اور جب لڑکے سے ملیں تو انہوں نے جیسے مہر ثبت کردی۔ یاسر انہیں بہت پسند آیا تھا۔ سلجھا ہوا گورنمنٹ ادارے سے منسلک تھا۔ منزہ کو یہ رشتہ ہر لحاظ سے قابل قبول لگا تھا۔ یاسر کے گھر والے بھلے لوگ تھے۔ جنہوں نے منزہ کی بیتی زندگی میں جھانکنے کی کوشش کی نا مین میخ نکال کر ان کا دل برا کیا۔ ان کی پسندیدگی کو دیکھتے یاسر کی ماں یسریٰ بیگم نے خواہش ظاہر کی تو منزہ نے بھی تائید کی۔
"بالکل میری طرف سے رشتہ پکا ہی سمجھیں۔"
"بہت شکریہ...... پھر ہم جلد ہی آکر اپنی بہو کے ہاتھ پر پیسے رکھنے اور دوپٹا اوڑھانے آئیں گے ہمارے ہاں انگوٹھی نہیں چلتی ناں......" یسریٰ بیگم نے اپنی رسومات کا ذکر کیا تو منزہ نے کوئی اختلاف نا کیا۔
"ہماری طرف سے کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ آپ کے ہاں جو رسومات ہوتی ہیں آپ انہی پر چلیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" منزہ نے خوش دلی سے کہا تو صائمہ نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھالی۔
"بس پھر منہ میٹھا کریں۔ آپ دونوں کو رشتہ بہت مبارک ہو۔
"خیر مبارک۔" منزہ کافی خوش نظر آرہی تھیں۔ انوشا کا رشتہ طے ہوگیا تھا' ان کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات تھی۔

❁......❁......❁

چودھری جہانگیر کی آمد پر حویلی میں یوں بھی کھلبلی سی مچ جاتی تھی۔ وہ خاص الخاص گجر کے کیس کے سلسلے میں تشریف لائے تھے۔ چودھری حشمت کے ساتھ ان کی میٹنگ چل رہی تھی۔ پھر شاہ زرشمعون کو بھی بلوالیا گیا تاکہ ایک بار پھر اس کے بیان کی روشنی میں وہ تمام معاملہ طے کرلیں۔ بعد میں سبحان آفندی اور چودھری فیروز کے ساتھ چودھری اسفند بھی اس محفل کا حصہ بن گئے۔ چودھری جہانگیر ان سب کو نارمل رہنے کی یقین دہانی کرتے اطلاع دے رہے تھے کہ معاملہ سیٹ ہوچکا ہے۔ گجر کے بیٹوں کی طرف سے ابھی تک کوئی کیس فائل نہیں کیا گیا وہ خود مفرور ہیں۔
"ٹینشن نہیں ہے چاچو' گجر کے بیٹے سامنے آئے تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔"
"بالکل دیکھ لیں گے' لیکن تم لوگوں نے پہل بالکل نہیں کرنی...... شاہ اسپیشلی میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔" شاہ زرشمعون کے لاپروائی سے کہنے پر چودھری جہانگیر نے وارن کرنے والے انداز میں کہا تو وہ مسکرادیا۔
"ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں...... یوں تو اب کوئی مسئلہ نہیں ہوگا...... لیکن پھر بھی کوئی بات ہو تو مجھے فوری اطلاع دیجیے گا۔" سگریٹ لائٹر اور سیل فون اٹھاتے وہ چودھری فیروز سے مصافحہ کرنے لگے۔
"رکیے ناں کھانا کھا کر چلے جاتے۔" چودھری فیروز نے چھوٹے بھائی کو روکنا چاہا کہ وہ پھر طویل سفر کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔
"حویلی میں جن بھوتوں کا سایہ ہے' جن کا خوف چودھری جہانگیر کو زیادہ دیر ٹکنے نہیں دیتا۔" کافی دیر سے خاموش

سمہان آفندی سوچ کے رہ گیا۔
''جہانگیر...... جمعہ کو شاہ اور عیشال کی منگنی رکھی ہے۔تم بہو اور بچوں کو لے کر آ رہے ہو ناں۔'' چودھری حشمت کے کہنے کی دیر تھی۔ ماحول میں ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ چودھری جہانگیر کے چہرے پر گمبھیر تاثر پھیل گئے۔ ماتھے پر شکنوں کا جال سا بچھنے لگا۔ ان کی نظر غیر ارادی طور پر شاہ زرشمعوں پر اٹھ گئی جو تمام بڑوں کے سامنے چودھری حشمت کے منہ سے اپنی اور عیشال کی منگنی کا سن کر سر جھکا گیا وہیں سمہان آفندی لب دانتوں تلے دبا کر مٹھی لبوں پر رکھ گیا۔
''مشکل ہے باباجان...... اتنی جلدی دوبارہ آ سکوں۔'' چودھری جہانگیر کی لاتعلقی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور اس لاتعلقی کا عظیم مظاہرہ تو شاہ زرشمعوں ابھی راہداری پر ملاحظہ کر چکا تھا کہ ایک بیٹی جانے کیوں باپ کے آگے کھڑی آنسو بہا رہی تھی اور باپ اس کے آنسوؤں کی رتی برابر پروا کیے بنا گزر گیا تھا۔ اس گھڑی عیشال کا دکھ اسے اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتا۔ وہ تیزی سے نکل گئی اور وہ کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ بات تو پہلے بھی دونوں کے درمیان کم ہی ہوتی تھی اور اب تو رشتے کے اعلان کے بعد دونوں ہی ایک عجیب سے احساس سے دوچار ہو گئے تھے۔
''تم باپ ہو جہانگیر' بیٹی کی منگنی پر تمہارا ہونا لازمی جز ہے۔'' چودھری فیروز' شاہ زرشمعون کے والد ہونے کے ناتے نہیں بلکہ عیشال جہانگیر کے تایا ہونے کی حیثیت سے بولے۔
''میرے ہونے نا ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے بھائی جان...... اس کی پرورش تو آپ لوگوں نے ہی کی ہے...... منگنی بھی آپ لوگ ہی کر دیں۔'' وہ حد درجہ ناگواری سے گویا تھے۔ ایک طرف ان کی ذات کا وہ پہلو تھا جہاں وہ اپنوں کے مسئلے کے لیے دوسرے شہر سے آئے بیٹھے تھے اور ایک پہلو یہ تھا کہ سگی بیٹی کے معاملے پر ان کی ناگواری ہر انداز سے عیاں تھی۔ سمہان آفندی انہیں دیکھ کے رہ گیا۔ چودھری اسفند بھی دکھ بھری سانس بھر کے رہ گئے۔
''تمہاری موجودگی ضروری ہے جہانگیر...... تھوڑا سا وقت نکال لو...... بائی ایئر آنا جانا کر لو بھلے سے...... کیونکہ ہم شاہ اور عیشال کی منگنی کی بجائے نکاح کا سوچ رہے ہیں اور نکاح میں باپ کی موجودگی لازم ہے۔'' چودھری حشمت کے منہ سے نکلتے لفظ سمہان آفندی کو ساکت کر گئے۔ سب حیرت و خوشی کے ملے جلے جذبات کا اظہار کر گئے تھے۔
''او کے باباجان' میں کوشش کروں گا۔'' چودھری جہانگیر ہتھیار ڈالتے چودھری حشمت کے آگے سر جھکا کر پیار لیتے پلٹ گئے تو چودھری اسفند اور چودھری فیروز بھی انہیں باہر تک چھوڑنے کے ارادے سے آئے...... کمرے میں اب صرف سمہان آفندی' شاہ زرشمعون اور چودھری حشمت رہ گئے تھے۔
''سمہان' جمعہ کے دن کی ساری ذمہ داری تمہارے سر ہے برخوردار...... اپنی دی جان سے پوچھ لو وہ کس کس کو مدعو کرنا چاہ رہی تھیں اس حساب سے مہمانوں کی لسٹ' کھانا اور قاضی کی ذمہ داری تمہاری۔'' وہ ہر کام اس کے ذمے سونپ کر مطمئن ہو جاتے تھے اور وہ سب کچھ اتنا اچھا آرگنائز کرتا تھا کہ چودھری حشمت سمیت سب ہی داد دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ لیکن اب کی بار چودھری حشمت نے جو کام اسے سونپے تھے وہ جان لیوا تھے۔
''جی بہتر' دا جان۔'' اذیت سے مٹھی بھینچ کر اس نے اپنا ضبط آزمایا پھر اس سے مزید بیٹھنا دوبھر ہونے لگا۔ وہ کوئی بہانہ تلاش ہی کر رہا تھا جب چودھری حشمت نے اسے کسی کام کے لیے خود زمرد بیگم کی طرف روانہ کر دیا۔ اس نے نکلنے میں ایک پل کا بھی تعامل نا کیا کہ کہیں اس کا ضبط نا چھوٹ جائے اور وہ خونی رشتوں کے آگے اٹھ کھڑا ہوا۔
اس گھڑی ایسی آگ میں گھرا ہوا تھا جسے بجھانے کے لیے اسے خود سے لڑنا تھا اور خود سے کی جانے والی لڑائی اکثر انسان کو ریزہ ریزہ کر جاتی ہے۔

اقرأ فاطمہ ضیاء الدین

السلام علیکم! امید ہے کہ سب خوش وخرم زندگی گزار رہے ہوں گے۔ میرا نام اقرأ فاطمہ ہے' 4 اگست 1999ء کو اپنے گھر میں رونق بخشی' ہم سات بہن بھائی ہیں' پانچ بھائی اور دو بہنیں۔ میں سب سے چھوٹی ہوں۔ مجھے ڈریسنگ میں فراک پاجامہ بہت پسند ہے۔ کھانے میں سب کھالیتی ہوں' صرف پالک کے علاوہ۔ پھلوں میں کیلا اور آم بہت پسند ہے' مٹھائی میں لڈو پسند ہے۔ ابھی تک کھانا پکانے سے ناآشنا ہوں' خوبی کوئی نہیں یا پھر مجھے پتا نہیں' ہاں خامیاں بہت ساری ہیں جن میں سب سے بڑی خامی میں کسی بھی بات پر بہت جلدی دکھی ہوکر رونے لگ جاتی ہوں۔ میری ایک دوست ہے میری ہم راز' میری سب سے پیاری سنبل آپی! میری اکلوتی بہن ہے۔ میں آنچل اور حجاب بہت شوق سے پڑھتی ہوں' پسندیدہ رائٹرز ام مریم' نازیہ کنول نازی' نادیہ فاطمہ رضوی اور نائلہ طارق ہیں' اس کے ساتھ اجازت' اللہ حافظ۔

☆......☆......☆......☆......☆

مبشرہ کائنات

عزیزان من اور عزیزان آنچل' آداب عرض ہے! مابدولت کو مبشر کائنات کے نام سے جانا جاتا ہے میں ضلع منڈی بہاؤالدین کے گاؤں قادرآباد سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہم پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں' بہنوں میں مابدولت کو سب سے چھوٹا ہونے کا شرف حاصل ہے مجھ سے چھوٹا ایک بھائی ہے۔ تعلیمی قابلیت ایم اے اردو اور بی ایڈ ہے' کچھ حد تک تنہائی پسند ہوں' مخلص ہوں اور مخلص لوگوں کو پسند کرتی ہوں۔ دوغلے پن سے سخت نفرت ہے' اکثر طبیعت اداس رہتی ہے مگر بظاہر مسکراتی رہتی ہوں۔ تو جناب آتے ہیں پسند اور ناپسند کی طرف' پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان' پسندیدہ پرفیوم ہاٹ فاریو۔ سفید رنگ اٹریکٹ کرتا ہے' مطالعہ کا شوق ہے ایک دوست کے توسط سے آنچل پڑھنے کو ملا۔ پھولوں میں سرخ گلاب اور ٹیولپ پسند ہیں' پھلوں میں آم پسند ہے۔ دوستانہ طبیعت کے باعث دوستیں بھی بہت سی ہیں' سب ہی بہت اچھی ہیں جن سے خوشی اور غمی شیئر کرتی ہوں۔ لمبے سفر سے کتراتی ہوں' زیادہ شور وہنگامے سے دل کو کوفت ہوتی ہے' عبادت میں دلی سکون محسوس کرتی ہوں۔ اپنی خوبی یہ اچھی لگتی ہے کہ مخلص ہوں اور دل سے محبت کرتی ہوں' محض دکھاوے کے لیے نہیں۔ بری عادت غصے میں کچھ بھی بول جاتی ہوں بعد میں ندامت ہوتی ہے۔ کمزور دل کی مالک ہوں کسی کے ذرا سے دکھ پر آنکھیں نم ہوجاتی ہیں۔ سب سے زیادہ پیار اپنی ماں سے ہے۔ اللہ نگہبان۔

''ہمیں خبر نہیں تھی' ہمارا پوتا اتنا شرمیلا ہے۔ اب تو سر اوپر کرلو سب جاچکے......'' شاہ زرشمعون کے جھکے سر کو دیکھتے چودھری حشمت نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ شاہ زرشمعون نے اپنا لوڈڈ پسٹل ان کے سامنے رکھ دیا۔

''داجان...... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے' آپ پلیز ٹھنڈے دل سے سنیے گا۔'' شاہ زرشمعون کے سنجیدہ لب ولہجے پر چودھری حشمت چونکے...... ان کی متفکر نظریں پسٹل کو دیکھ رہی تھیں۔

❁......❁......❁

بند کمرے میں مردوں کی میٹنگ نے سب کو کافی تجسس میں ڈال دیا تھا۔ ایسے میں لڑکیوں سے تجسس برداشت نہیں ہوا تو وہ سب چپکے سے حجرے کی کھڑکی' دروازوں سے آ لگیں اور منگنی کی بجائے نکاح کی خبر سنتے ہی سب سرپٹ

دوڑتی ہال میں موجود تمام خواتین کو مطلع کرآ ئیں۔ ہر کوئی حیرت وخوشی کے ملے جلے تاثرات کا اظہار کررہا تھا۔

''تم لوگ سچ کہہ رہی ہو......؟'' ندا عیشال جہانگیر کے ساتھ ہال میں بیٹھی۔ اس کے پیر پرآئیوڈیکس ملتے اب گرم پٹی باندھ رہی تھی۔ اس نے ہانپتی کانپتی شازمہ زرش اور یمنیٰ سے استفسار کیا۔

''ہاں تو ہم کیوں جھوٹ بولنے لگیں۔ لو وہ آ گیا...... یہ بھی وہیں تھے۔ پوچھ لیں ان سے......'' ندا کی بات کا برا مانتے ہوئے سبحان آفندی کو آتے دیکھ کر زرش نے تصدیق کی ذمہ داری اسے سونپ دی۔ سبحان آفندی جو چودھری حشمت کے حکم کی تعمیل میں زمرد بیگم کی تلاش میں ہال تک آیا تھا۔ سب کو سر جوڑے دیکھ کر ایک ثانیے کو چپ رہ گیا۔

''کیا واقعی بابا جان نے منگنی کی بجائے نکاح کا فیصلہ کیا ہے سبحان......؟'' فریال نے استفسار کیا۔

''جی دا جان کا یہی فیصلہ ہے۔ آپ سب مہمانوں کی لسٹ مجھے دے دیں تاکہ میں قاضی اور دیگر انتظامات دیکھ سکوں......'' سبحان آفندی کو اپنی پشت جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ہال میں قدم دھرتے وہ اسے ندا سے مرہم پٹی کرواتے دیکھ چکا تھا' نکاح کا سنا تھا کہ عیشال جہانگیر نے پیر ندا کی گرفت سے نکال لیے تھے۔

''فریال کل ہم بازار کے چکر لگا لیتے ہیں۔ اتنی ایمرجنسی میں تیاری تو پوری کرنی ہے ناں' اکلوتے بیٹے کا نکاح ہے ماشاءاللہ۔'' فائزہ خوشی سے کہتی عیشال جہانگیر کی دور سے بلائیں لیتی فریال سے خوشی کی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔

''جی بھابی بالکل چلیں' میں نے بھی تو تیاری کرنی ہے' آخر کو چاچی ہوں۔'' فریال شوخی سے کہہ کر ہنسنے لگیں تو فائزہ بھی ساتھ دینے لگیں۔

''کیوں پریشان ہے پتر' بیٹھ جا...... یہ سب تو اپنی اپنی بولیاں بولنے کے بعد ہی تیری سنیں گی۔'' زمرد بیگم نے یہی سمجھا کہ وہ جواب نا پاکر کھڑا ہے تو اسے پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔

''واہ بھئی عیشال' بھابی بنی نہیں اور نند سے خدمت کروانا شروع بھی کر دیا۔'' زرش ندا اور اس کے بیچ آ کر چھیڑنے لگی تھی۔ لڑکیاں ہنس رہی تھیں۔ یہی چھیڑ چھاڑ اگر ابھی کسی اور حوالے سے ہوتی تو یقیناً اس کے چہرے پر اس وقت کوئی اور ہی رنگ ہوتے۔ سبحان آفندی کی نگاہ غلط اس پر پڑ گئی تھی۔ عیشال جہانگیر نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

❀......❀......❀

دکھاں مینوں مار مکایا
سکھاں دا اے کال نی مائے
جندڑی میتھوں نبھدی ناہیں
اک واری فیر پال نی مائے

ماں جو بچے کے لیے ایسا ستون ہے کہ اس کے سائے میں آ کر بچہ ہر فکر و غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس گھڑی ماں کی کمی اسے شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ اس کا جی چاہا صائقہ کی قبر کی مٹی سے لپٹ کر اپنا وجود بھی مٹی میں ملا دے۔ عیشال جہانگیر کے دل کو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔ منگنی کی اطلاع ہی جان جلانے کو کافی تھی کہ نکاح کا شوشا اسے زندہ دیوار میں چنوا گیا۔ وہ جلے پیر کی بلی بنی چھت پر پھر رہی تھی۔ کسی کل چین نہیں تھا۔

چودھری جہانگیر سے بات کر کے اسے منہ کی کھانی پڑی تھی اور ایک وہ جس کے لیے دل سلگ رہا تھا۔ وہ حویلی کا محافظ' تابعدار تھا حویلی کے اصولوں کو سرنگوں ہونے سے بچانے کے لیے اپنی جان تک داؤ پر لگا دیتا تھا' پھر اس کے نزدیک عیشال جہانگیر کے جذبات کی کیا اہمیت تھی۔ وہ شاید یہ سوچے بیٹھا تھا کہ عیشال جہانگیر رو دھو کر چپ کر جائے گی۔ وقت و حالات کے آگے گھٹنے ٹیک کر مخالف سمت سے آنے والی ہوا کے سمت سفر کرنے لگے گی مگر شاید یہ اس کی

بھول تھی وہ قربان تو ہو سکتی تھی لیکن قربانی نہیں دے سکتی تھی۔ عیشال جہانگیر کی ڈکشنری سے مفاہمت کا لفظ ہی مٹا ہوا تھا۔ وہ بلاسوچے سمجھے فیصلہ کرتی تھی نفع ونقصان سے مبرا۔ سب سوچ چکے تو اس کے قدم چھت کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ اپنی مخصوص جگہ پر جھولے میں بیٹھ کر وہ جب ماتم منا کر تھک گئی تو بے دردی سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''اس حویلی اور اس کے لوگ برسوں یاد رکھیں گے کہ ان کے یہاں کسی عیشال جہانگیر نے جنم لیا تھا۔'' عزم سے کہتی وہ اپنی جگہ سے تیزی سے اٹھی اور اس کے قدم منڈیر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

حویلی کے دوسری طرف غیر آباد پتھریلی زمین تھی۔ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ منڈیر پر چڑھ گئی تھی۔ اس کی سوچ کا عکس اس کے چہرے پر جھلملایا تھا اس گھڑی پیر کی موچ' ہاتھ کی سوجن سب کہیں گم ہوگئی تھی۔ اندھیری رات میں اسے باز رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ بے فکری سے دوسری طرف کا جائزہ لیتی آنکھیں موند گئی تھی۔ جب ہی اندھیرے میں ایک ہیولہ تیزی سے اس تک آیا۔ قریب تھا کہ وہ دوسری طرف چھلانگ لگا کر زندگی کی بساط الٹ دیتی مگر وہ کبھی بھی اس سے لاپروا نہیں رہا تھا۔ اس کے ہر اٹھتے قدم کی خبر رکھتا تھا۔ تب ہی ایک جست میں منڈیر پر چڑھ کر اس کا بازو دبوچ کر اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لیا۔ منڈیر خاصی اونچی تھی۔ گرنے پر دونوں کو خاصی چوٹ لگ سکتی تھی۔ مگر اپنا بیلنس سنبھالتے وہ اسے چارپائی کی طرف دھکیل گیا۔

''چھوڑو مجھے.....'' چارپائی پر گرنے کی وجہ سے عیشال جہانگیر جہاں چوٹ سے محفوظ رہی وہیں حواس بحال ہونے پر اٹھ کر چلانے لگی۔

''پاگل لڑکی.....دماغ ٹھکانے پر ہے تمہارا۔'' وہ اس کا بازو جھٹک گیا۔

چند ثانیوں میں کیا ہوا تھا وہ تو آنکھیں بند کیے چھلانگ لگانے لگی تھی' گری بھی تھی لیکن پتھریلی زمین پر نہیں' چارپائی پر.....تحیر سے اندھیرے میں موجود سبحان آفندی کو دیکھتے پھر کر اس کا گریبان تھام گئی۔

''بزدل' گھٹیا انسان مرنے بھی چین سے نہیں دیتے۔'' وہ چلائی۔

''کیسا شور ہے' کون ہے وہاں.....؟'' غیر متوقع طور پر ایک تیسری آواز سن کر دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

عید کا چاند

افشاں شاہد

مامی کی گرج دار آواز سن کر حریم بوکھلا گئی اور اس بوکھلاہٹ میں اس کے ہاتھوں سے کانچ کا گلدان گر گیا۔

''ہائے میں مرگئی ستیاناس ہو تیرا جب سے آئی ہے میرے گھر کی چیزوں کا حشر کردیا ہے' سارا دن مفت کی روٹیاں توڑتی ہے میری ہی مت ماری گئی تھی کہ میں تیرے ماموں کی باتوں میں آ گئی اور تجھے رکھنے کی حامی بھرلی میں نے تو نیکی کی تھی لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ یہ نیکی گلے کا طوق بن جائے گی۔'' مامی تیز گام کی طرح بنا رکے بول رہی تھی اور سامنے کھڑی حریم ڈر سے کانپ رہی تھی۔ ساری ہمت اور حوصلہ کو جمع کر کے حریم دھیمی آواز میں بولی۔

''مامی معاف کردیں میں نے جان بوجھ کے گلدان نہیں توڑا آپ نے پکارا تو بوکھلاہٹ میں ہاتھوں سے گر گیا۔''

''بی بی بس رہنے دو زیادہ معصوم بننے کی کوشش مت کرو میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں مجھے ستانے کا کوئی موقع تم اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتی چلو اب بت بن کر یہاں پر کھڑی مت رہو کچن کے سارے کام نمٹاؤ ابھی ربیعہ آئے گی اور اگر جو کھانا تیار نہیں ہوا تو وہ جنگلی بلی بن جائے گی۔''

''مامی میں نے کھانا آدھے گھنٹے پہلے ہی تیار کرلیا ہے اور میٹھا بھی ماموں کے لیے فریج میں رکھ دیا ہے۔'' حریم نے معصومیت سے کہا۔

''چلو اللہ کا شکر' تمہاری عقل تو ٹھکانے آئی کوئی کام تو ڈھنگ کا کیا ورنہ تم سے تو کسی اچھے کام کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔'' حریم خاموشی سے مامی کی جلی کٹی سن کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

تھکن سے چور ہوکر کچھ دیر ستانے کے لیے بستر پر لیٹی تو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا سارے غم نیند سے پہلے تک ہیں آنکھیں بند ہونے کے ساتھ ہی ہر درد کا وجود ختم ہو جاتا ہے ابھی کچھ پل ہی گزرے تھے اسے اپنی خوابوں کی وادی میں کھوئے ہوئے کہ ربیعہ کی چیخ وپکار نے حریم کو حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا جہاں حریم کے لیے درد اور مایوسی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ حریم بھاگتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر آئی۔

''جی ربیعہ باجی۔''

''کیا مرگئی تھی یا کانوں میں روئی ٹھونس لی ہے جو میری آواز تمہاری سماعت تک پہنچ نہیں رہی۔''

''سوری ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔''

''بہت اچھے ہم یہاں بھوک سے مرے جارہے ہیں اور یہ میڈم چین وسکون سے نیند کے مزے لے رہی تھی کل سے میں کالج سے آؤں تو تم مجھے باہر کوریڈور میں ملو اور میرے آتے ہی فوراً کھانا لگانا۔''

''جی.....کل سے خیال رکھوں گی۔''

''اب یہ معصوم بننے کی اداکاری کرنا بند کرو اور فٹا فٹ میرے لیے کھانا لگاؤ۔'' ربیعہ نے حریم کو آرڈر دیتے ہوئے کہا۔ ربیعہ کو کھانا دینے کے بعد جو کھانا بچا وہ حریم اور برتن دھونے والی ماسی نے کھایا۔

''حریم بیٹا تیرا کوئی اور رشتہ دار نہیں ہے کیا؟'' ماسی نے اداس حریم کو دیکھا تو اسے اس پر رحم آ گیا۔

''نہیں میرا کوئی نہیں جو تھے وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، بس اب اس دنیا میں ایک واحد رشتہ بچا ہے ماموں مامی کا۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا دیکھنا تجھے ایسا اچھا ساتھی ملے گا جو تیرے درد کو سمجھے گا تیری اداسی کو ہنسی میں بدل دے

گا۔'' حریم مسکرا کر برتن سمیٹنے لگی۔ حریم آس کا کوئی دیپ روشن نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ پہلے ہی ٹوٹی ہوئی تھی مزید بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔

ماہ رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ مامی اپنی زیرنگرانی حریم اور ماسیوں سے گھر کا کونہ کونہ چمکا رہی تھیں یہ اور بات تھی کہ دل کی صفائی کا کوئی اہتمام نہیں کررہی تھیں وہ گناہوں کی سیاہی سے دن بدن سیاہ ہوتا جارہا تھا۔ صبح صبح مامی بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

''کیا ہوا بیگم کوئی لاٹری نکل آئی ہے یا آپ کے سفید بال راتوں رات سیاہ ہوگئے ہیں جو اتنی خوش ہیں۔''

''بات ہی کچھ ایسی ہے آپ سنیں گے تو آپ بھی مسرور ہوجائیں گے۔''

''وہ دراصل میری خالہ کا پوتا آرہا ہے امریکہ سے۔''

''لو جی اتنی سی بات اور محترمہ خوش یوں ہورہی ہیں جیسے پرنس چارلس آرہا ہے۔'' ماموں بے دلی سے ناشتہ کرنے لگے۔

''میں آپ کی طرح پاگل نہیں ہوں جو بے وجہ خوش ہوں میری خالہ بہت امیر ہیں امریکہ میں ان کے کاروبار ہیں اب ان کے پوتے کو پاکستان میں رمضان گزارنا ہے تو وہ یہاں آرہا ہے وہ تو اپنے کسی دوست کے گھر رکنے والا تھا لیکن میں نے خالہ سے بہت اصرار کیا جب وہ مانی ہیں اور ربیعہ اب شادی لائق ہوگئی ہے تو میں چاہتی ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرلیں۔''

''ماشاء اللہ کیا دور کی سوچتی ہیں بیگم ورنہ میں یہی کہوں کہ آپ کسی کو مفت کا ایک نوالہ نہ دیں ایک ماہ تک کسی کے کیسے نازنخرے برداشت کریں گی۔'' ربیعہ اسی وقت اپنے کمرے سے نمودار ہوئی تھی۔

''ہیلو مام ڈیڈ۔''

''اے لڑکی ذرا ہوش کے ناخن لو اپنی حالت دیکھی ہے سر جھاڑ منہ پھاڑ کمرے سے باہر آجاتی ہو اپنا حلیہ دیکھا ہے کبھی۔''

''اماں کیا ہوگیا میرے حلیے کو روز ہی تو میں ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ہوتی ہوں آپ نے اس سے پہلے تو کبھی اعتراض نہیں کیا اچانک یہ کیا ہوگیا؟''

''بس میں کہہ رہی ہوں آج کے بعد میں تمہیں کبھی بھی اس حلیے میں نہ دیکھوں اور یہ جو سارا دن مغربی ملبوسات پہن کر ادھر اُدھر گھومتی رہتی ہو ناں اپنی اس روش کو بھی بدلو اور مشرقی لباس زیب تن کرو۔''

''لیکن امی مجھے کچھ بتائیں گی کہ ایک رات میں ایسی کیا بات ہوگئی کہ آپ میرے بیٹھنے اٹھنے پر اس قدر

خفا ہو رہی ہیں۔‘‘ مامی نے ساری بات ربیعہ کو بتادی۔

’’مام آپ بالکل پریشان نہ ہوں زاویان کو تو میں ایسا متاثر کروں گی کہ وہ دن رات میرے ہی گن گائے گا۔‘‘

’’شاباش جیتی رہو۔‘‘ تب ہی مامی کو کچن میں کھڑی حریم دکھائی دی اور انہوں نے اسے گیسٹ روم میں شفٹ ہونے کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی کہا۔’’جب تک زاویان ادھر ہے میں تیری شکل نہ دیکھوں اس بار تو نے کچھ بھی گڑبڑ کی نہ تو میں اس بار کسی کا بھی لحاظ نہیں کروں گی اور تجھے اپنے گھر سے باہر نکال دوں گی صرف افطار اور سحری کے لیے تم اس گھر میں آنا وہ بھی پچھلے دروازے سے۔‘‘

’’جی مامی میں اس بار مکمل احتیاط کروں گی۔‘‘ رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا۔

❁......❁......❁

حریم جلدی جلدی کام سمیٹ کر عشاء کی نماز اور تراویح ادا کرنے لگی تھی۔ رمضان کا مہینہ شروع ہوتے ہی فضا پُرنور ہوگئی تھی ہر طرف سے تلاوت قرآن پاک کی صدائیں آ رہی تھیں مسجدیں نمازیوں سے آباد ہوگئیں تھیں حریم گیسٹ روم میں میں اپنا سامان لے کر شفٹ ہوگئی تھی سامان تھا ہی کتنا چند جوڑے جو مسلسل پہننے کی وجہ سے گھس گئے تھے اور کچھ کتابیں اور ایک قرآن پاک جس کی تلاوت بلاناغہ حریم کرتی تھی۔ جگہ بدلنے کی وجہ سے حریم کو نیند نہیں آ رہی تھی اور اوپر سے سحری تیار کرنے کی ٹینشن الگ تھی۔ حریم رات تین بجے اٹھ کر بیٹھ گئی تہجد اور قرآن پڑھ کر سحری تیار کرنے لگی ربیعہ اور مامی کے لیے پراٹھے بنائے، ماموں کے لیے روٹی بنائی اور آخر میں سب کو چائے دے کر پھر سے گیسٹ روم میں آ گئی۔

شام میں حریم تیز رفتاری سے مامی کی تجویز کردہ افطاری بنا رہی تھی چکن اسٹیک، سموسے، [illegible] فرائی فش، بریانی اور ٹرائفل پکا کر فارغ ہوئی تو پسینے سے شرابور ہو چکی تھی۔

’’حریم...... ابھی کتنی دیر لگے گی، یہ چند چیزیں تو میں تمہاری عمر میں آدھے گھنٹے میں تیار کر لیتی تھی۔‘‘

’’مامی ساری چیزیں تیار ہو چکی ہیں بس شربت باقی رہتا ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے اپنی افطاری گیسٹ روم میں لے جانا یہاں بیٹھ کر کھانے کی ضرورت نہیں۔‘‘

’’جی مامی۔‘‘ وہ ایک فرماں بردار نوکر کی طرح مامی کی ہر بات میں راضی تھی۔

’’ربیعہ عصر ہوگئی ہے اب اٹھ جاؤ بیٹا تمہارے ابو زاویان کو لینے ائیرپورٹ چلے گئے ہیں وہ کسی بھی وقت آ جائیں گے اگر زاویان نے تمہارے بارے میں پوچھا تو کیا میں یہ کہوں کہ میری بیٹی رمضان کے روزے سو کر گزارتی ہے۔‘‘

’’امی آپ بھی نہ حد کرتی ہیں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں چند دنوں سے زاویان کے قصے سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔‘‘ وہ جھنجھلا کر بستر سے اٹھی اور فریش ہونے چلی گئی۔ ملازمہ نے زاویان کے آنے کی خبر دی۔

’’السلام علیکم! آنٹی کیسی ہیں آپ؟‘‘

’’وعلیکم السلام! جیتے رہو بیٹا میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ گھر میں سب کیسے ہیں خالہ کیسی ہیں؟‘‘

’’اللہ کے فضل سے سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔‘‘

’’بیٹا تم تھک گئے ہوگے کچھ دیر آرام کر لو اور فریش ہو جاؤ اتنے میں افطاری کا وقت ہو جائے گا ویسے بیٹا تمہارا تو روزہ نہیں ہوگا ناں۔‘‘ مامی کی بات پر زاویان چونکا۔

’’نہیں آنٹی الحمدللہ میرا روزہ ہے۔‘‘

"ماشاء اللہ میں سمجھی طویل سفر کی وجہ سے تم نے روزہ نہیں رکھا ہوگا۔" اسی وقت ربیعہ سر پر سلیقے سے دوپٹہ لیے آئی سفید اور فیروزی رنگ کے سوٹ اور میچنگ جیولری میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ زاویان سے سلام دعا کے بعد ربیعہ افطاری کی چیزیں ٹیبل پر سیٹ کرنے لگی۔

"واؤ اتنی مزیدار افطاری میں نے آج تک نہیں کی پیٹ بھر گیا لیکن دل نہیں بھر رہا۔" زاویان کھانے کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہا تھا۔

"بیٹا یہ تمام ڈشز ربیعہ نے تیار کی ہیں اسے کوکنگ کا بہت شوق ہے۔" مغرب کی نماز کے لیے جب زاویان گھر سے باہر جا رہا تھا تو اسے کسی لڑکی کا عکس دکھائی دیا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن کوئی بھی دکھائی نہ دیا اور وہ اپنا وہم سمجھ کر مسجد چلا گیا۔

روز حریم سحری و افطاری بنانے کچن میں آتی اور پھر دبے پاؤں واپس چلی جاتی یہی سلسلہ چلتا رہا محنت حریم کی ہوتی اور داد و توصیف ربیعہ سمیٹتی۔ ربیعہ زاویان کے سامنے نیک اور پارسا بننے کی ایکٹنگ نہایت عمدہ طریقے سے کر رہی تھی۔ مامی کو لگ رہا تھا کہ زاویان ربیعہ میں آہستہ آہستہ دلچسپی لے رہا ہے اس لیے وہ خود زاویان کو مواقع فراہم کرتی تھیں کہ وہ ربیعہ سے بات چیت کر سکے۔ ابھی بھی وہ تراویح کے بعد کھیر کھا رہے تھے تو مامی تھکن کا بہانہ کر کے کھڑی ہوگئیں۔

"ارے بیگم کیسی تھکن۔ آپ کو تو کوئی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی سارا کھانا تو بیچاری حریم پکاتی ہے۔" ربیعہ کے ابو کے منہ سے سچ نکل ہی گیا۔ زاویان جو ربیعہ سے محو گفتگو تھا کسی لڑکی کے نام پر چونکا۔

"کیا کہا انکل اس گھر میں کوئی اور لڑکی بھی رہتی ہے؟" وہ نجانے کیا جواب دیتے اس سے پہلے ربیعہ کی امی نے عمدہ طریقے سے بات کو سنبھال لیا۔

''ارے بیٹا بہت عرصے پہلے ہم لوگوں نے ایک لڑکی کو کوکنگ کے لیے رکھا تھا ان کو اس لڑکی کے ہاتھ کا پکا کھانا بہت پسند تھا اسی لیے اکثر اسے یاد کرتے رہتے ہیں۔'' وہ اسے مطمئن کر کے شوہر کے ہمراہ باہر نکل گئیں۔

''ربیعہ ویسے کوکنگ کے علاوہ آپ کی کیا مصروفیات ہیں۔''

''مصروفیات تو کچھ خاص نہیں ہیں بس کتابیں پڑھنا' بزرگوں کی خدمت کرنا ضرورت مندوں کی مدد کرنا' مجھے لوگوں کے کام کر کے بہت خوشی ملتی ہے اور ویسے بھی دوسروں کے لیے جینے میں جو مزا ہے وہ خود کے لیے جینے میں نہیں۔'' زاویان ربیعہ کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوا۔

''بہت ہی عمدہ سوچ ہے آپ کی ورنہ آپ کی عمر میں تو لڑکیاں یا تو سارا دن گھومتی پھرتی رہتی ہیں یا پھر نیٹ پر اپنی دوستوں کے ساتھ گپیں مارتی رہتی ہیں۔''

''سب کی اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے۔''

❁......❁......❁

رات میں اچانک زاویان کو پانی کی طلب ہوئی یوں تو روز پانی کا جگ سائیڈ ٹیبل پر موجود ہوتا تھا لیکن آج مامی رکھنا بھول گئی تھیں وہ کچن میں فریج سے پانی کی بوتل لینے کے لیے آیا تو اسے کچن میں پہلے سے کسی کی موجودگی کا شبہ ہوا زاویان کچن میں آہستہ سے داخل ہوا اور کچن کا دروازہ لاک کر دیا۔ حریم زاویان کو دیکھ کر گھبرا گئی اس سے پہلے کہ اس کی چیخ نکلتی زاویان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کون ہو تم؟ اور یہاں کیا کر رہی ہو، بتاتی ہو یا پولیس کو بلاؤں۔'' حریم نے پوری طاقت سے زاویان کو پیچھے کی طرف دھکیلا اور اس دوران حریم کا دوپٹہ گر گیا اور اس کے بالوں کا جوڑا کھل گیا اس کے ریشم جیسے لمبے سیاہ بال اس کے شانوں پر پھیل گئے زاویان نے اتنا مکمل حسن آج تک نہیں دیکھا تھا وہ مبہوت ہو گیا حریم نے خود پر زاویان کی آنکھوں کی تپش محسوس کی تو جلدی سے اپنا دوپٹہ اٹھایا اور لاک کھول کر تیزی سے کچن سے باہر چلی گئی جلد بازی میں کچن کی سلیپ پر پڑا ہوا گلاس حریم سے گر گیا گلاس کے گرنے کی آواز سن کر ماسی بھی کچن میں آ گئی۔

''کیا ہوا زاویان بیٹا کچھ چاہیے آپ کو؟''

''نہیں کچھ بھی نہیں چاہیے بس آپ مجھے ایک بات کا جواب دیں۔ وہ مارے خوف کے بھاگ کیوں گئی۔''

''مجھے لگتا ہے تم حریم بیٹی کی بات کر رہے ہو۔''

''جی جی...... '' زاویان نے تائید کی۔

''بیٹا حریم اسی گھر میں رہتی ہے لیکن کہیں تم۔ حریم کو پسند نہ کر لو اس ڈر سے ربیعہ کی امی نے حریم کو گھر میں آنے سے روکا ہوا ہے۔ وہ روز سحری اور افطاری پکانے آتی ہے اور پھر پیچھے کے راستے سے گیسٹ روم میں چلی جاتی ہے بیٹا وہ بہت معصوم ہے سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام کرتی ہے خاموشی سے اپنی مامی کے ظلم سہتی ہے لیکن اف تک نہیں کرتی۔'' زاویان کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا وہ پانی کی بوتل لے کر کچن سے باہر نکل گیا۔

زاویان سحری کرنے کے بجائے چپ چاپ بیٹھا۔ مامی کی نگاہ پڑی تو پوچھ بیٹھیں۔

''کیا ہوا بیٹا۔''

''اچھی نہیں لگی حلوہ پوری ربیعہ نے تمہارے لیے خصوصی طور پر جلدی اٹھ کر پکائی ہے۔''

''نہیں آنٹی ایسی کوئی بات نہیں ویسے ربیعہ آپ اتنا تکلف مت کیا کریں۔''

''مجھے اچھا لگتا ہے آپ کے لیے اچھی اچھی ڈشز بنانا زاویان۔'' ربیعہ نے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ سجا کر زاویان کو جتانے والے انداز میں کہا۔ اچانک

سے زاویان کے سامنے اشک بھری نگاہیں آ گئیں وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ گیا۔ رمضان برکتوں اور نعمتوں والا مہینہ کچھ زیادہ ہی جلدی گزر رہا تھا۔

”آنٹی میں چند روزے اب اپنے دوست کے یہاں گزاروں گا۔“ مامی زاویان کی بات سن کر تشویش میں مبتلا ہوئیں۔

”کیوں بیٹا کیا ہو گیا‘ کیا تمہیں ہمارے ساتھ مزا نہیں آ رہا؟“

”نہیں آنٹی ایسی کوئی بات نہیں مجھے تو یہاں بہت مزا آ رہا ہے لیکن میرا دوست بہت اصرار کر رہا ہے ایک دو دن رک کر میں واپس آ جاؤں گا۔“ مامی کو زاویان کے لوٹ کر آنے کی بات سے کچھ تسلی ہوئی۔

”شکر ہے ممی زاویان اپنے دوست کے گھر گیا میں تو یہ سب کر کے تھک گئی تھی چلو ایک دو دن تو آرام ملے گا۔“

”حریم، زاویان ایک دو دن کے لیے اپنے دوست کے یہاں گیا ہے اب گیسٹ ہاؤس میں مت جانا اور صفائی ستھرائی کا سارا کام نمٹانا میری اور ربیعہ کی الماریاں بہت خراب ہو رہی ہیں آج ہی ساری الماریاں صاف کر لینا اتنی گرد جم گئی ہے انہیں بھی جھاڑ لینا۔“ افطاری تک وہ کاموں میں ہی مصروف رہی ایک کام ختم ہوتا تو ربیعہ اور مامی اس کے سامنے دوسرا کام نکال کر رکھ دیتیں اسے شدت سے اس کے امی بابا یاد آ رہے تھے کام کرتے ہوئے وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو بھی صاف کرتی رہی تھی۔

کوئی ایک حادثہ آپ کی پوری زندگی کو بدل کر رکھ دیتا ہے اور آپ اس حادثہ کو روکنے سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔ حریم کی ہنستی مسکراتی زندگی کو اس کی ماما‘ بابا‘ کی ایکسیڈنٹ میں ہونے والی موت نے بدل کر رکھ دیا تھا

شام کی دلہن

ڈھلتے ڈھلتے شام کے سائے
پوچھ رہے ہیں
کون ہے تو
کیا نام ہے تیرا
کیا سوچے ہے
کچھ تو بتا دے
وہ بولی میں شام کی دلہن
نام میرا کیا پوچھ رہے ہو
میں تو شفق ہوں

یاسمین کنول..... پسرور

عید آ گئی ہے

اپنے ساتھ ڈھیر ساری خوشیاں لے آئی
آؤ ہم مل کر سارے خوشیاں منائیں
دو دلوں میں فرق مٹائیں
امیروں غرباء میں کوئی فرق نہ رہے
اس سوچ کو ہم مل کر مٹائیں
بانٹ لیں خوشیاں
بہت لمحوں کو بھلا کر
آؤ مل کر سارے خوشیاں منائیں
آج یہ ہم عہد کریں
ایک سنگ جینے کا
عید آ گئی ہے

روبینہ کوثر..... بستی ملوک

نظم

میں نے سن تھا
کل شب
تم بھی میری طرح
سوچ کے آسمان پر
کچھ تلاش کر رہی ہو
سنو......
پھر محبت کا ستارہ ملا
یا نہیں

خدیجہ رانا مقامی..... کھڈیاں خاص

کچھ دن حریم سے سب ہمدردی کا اظہار کرتے رہے حریم سے زیادہ اس کے ماما بابا کی چھوڑی ہوئی جائیداد کی سب کو فکر تھی جسے سنبھالنے کے لیے سب حریم سے لاڈ اور محبت کا اظہار کررہے تھے آخرکار خونی رشتوں کو فوقیت دی گئی اور حریم کی سرپرستی ماموں مامی کے حوالے کردی گئی کیونکہ اس وقت سب سے زیادہ محبت ماموں مامی ہی لٹا رہے تھے جن کی محبتیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہوا میں تحلیل ہوگئیں جس کا نشان بھی اب ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا جو بچپن میں اعلیٰ پوشاک پہنا کرتی تھی مامی اسے اپنی بیٹی کی اترن پہننے کے لیے دیتی تھی اور اس پر بھی اسے یہ جتایا جاتا تھا کہ اس پر بہت بڑا احسان کیا جارہا ہے حریم ویسے ہی ایک ڈرپوک لڑکی تھی اب نفرتوں بھرے ماحول میں اس کی رہی سہی بہادری بھی ختم ہوگئی وہ ایک روبوٹ کی طرح صبح سے شام مامی کے کام کیا کرتی تھی۔ اس کے بعد بھی مامی اس سے خوش نہیں ہوتی تھیں ماموں نے تو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی جس کی وجہ سے انہیں اپنی بیگم اور اپنی بیٹی کی زیادتیاں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ مامی ربیعہ اور ماموں افطاری کرنے میں مشغول تھے حریم انہیں ساری چیزیں پیش کررہی تھی۔

"مام اب تو میں تھک گئی ہوں اللہ کرے آج ہی چاند رات ہوجائے۔" ربیعہ نے بیزاری سے کہا۔

"بیٹا ایسا کیوں کہہ رہی ہو یہ مہینہ تو اتنی حرمت اور تعظیم والا ہے کہ اگر ہمیں اس کی حرمت کا پتا چل جائے تو ہم چاہیں کہ سارا سال رمضان ہو۔" ماموں نے ربیعہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"پاپا یہ آپ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ آپ روزے نہیں رکھتے اگر آپ کو بھی پندرہ سولہ گھنٹے بھوکا پیاسا رہنا پڑتا تو پھر آپ کو بھی چاند دیکھنے کا بے صبری سے انتظار ہوتا۔" ماموں نے خاموشی میں ہی عافیت جانی کچھ ہی دیر بعد چاند افق پر نمودار ہوگیا تھا کچھ لوگ ماہ صیام کے رخصت ہونے پر رنجیدہ تھے تو کچھ لوگ اپنے عزیز واقارب کو چاند نظر آنے کی مبارک باد دے رہے تھے۔
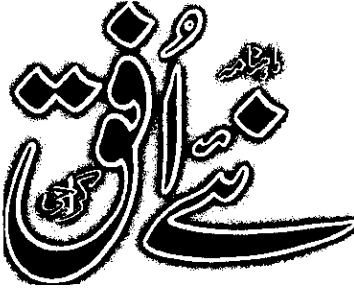
"مام میں اپنی دوستوں کے ساتھ مہندی لگوانے جارہی ہوں۔" ربیعہ آج چاند نظر آنے کی وجہ سے بہت زیادہ خوش تھی۔

"ٹھہرو بیٹا میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ، مجھے تم شاپنگ مال میں چھوڑ دینا۔ یوں تو میری تمام تیاری مکمل ہے لیکن مسز اکرم ہمیشہ بہت شو آف کرتی رہتی ہیں کہ ہم چاند رات کو شاپنگ پر گئے تھے اتنے بجے گھر واپس آئے بازاروں میں اتنی رونق تھی اب کل میں ان کی بولتی بند کردوں گی۔" دونوں ماں بیٹی کھلکھلانے لگیں۔

حریم کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی چاند رات کی رونق دیکھنے جائے اپنے ہاتھوں پر مہندی لگائے لیکن دل کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ عید کے خصوصی ناشتے کی تیاریاں کرنے لگی۔ حریم شیر خورمہ کے لیے بادام پستے کاٹ رہی تھی کہ زاویان شاپنگ بیگ سے لدا گھر کے اندر داخل ہوا۔ زاویان کو دیکھتے ہی حریم نے جلدی سے سر پر دوپٹہ لیا۔

"ربیعہ اور مامی گھر پر نہیں ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے میرا کام مزید آسان ہوگیا۔"

"جی......؟" حریم زاویان کی بات پر بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی۔

"حریم پلیز میری بات سن لیں۔" زاویان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جس کی وجہ سے حریم نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بات سننے کے لیے ٹھہر گئی۔

"حریم......" زاویان نے ابھی بات شروع ہی کی تھی کہ ربیعہ اور مامی گھر میں داخل ہوئیں۔

زاویان اور حریم کو ساتھ دیکھ کر مامی اور ربیعہ حیران رہ گئیں اور حریم کا ڈر کے مارے رنگ زرد پڑ گیا۔
زاویان ربیعہ اور مامی کی طرف بڑھا۔

"السلام علیکم! آنٹی کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! میں تو ٹھیک ہوں بیٹا لیکن تم تو آنٹی کو بھول ہی گئے میں اور ربیعہ تو تمہیں روز یاد کرتے تھے۔" مامی نے محبت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"ارے آنٹی میں آپ لوگوں کو بھول جاؤں یہ کبھی ہوسکتا ہے میں نے بھی آپ لوگوں کو بہت مس کیا اسپیشلی ربیعہ کے ہاتھ کے پکے کھانوں کو ویسے آنٹی یہ کچن میں کون لڑکی ہے کیا گونگی ہے کب سے پوچھ رہا ہوں تو جواب ہی نہیں دے رہی۔"

"بیٹا اس دن تمہیں بتایا تھا ناں کہ ہم نے کچھ عرصے پہلے خانساماں رکھی تھی یہ وہی لڑکی ہے مجھے تو اسے رکھنا بھی نہیں تھا کیونکہ ربیعہ سب کچھ پکا لیتی ہے لیکن بیچاری بہت رو رہی تھی تو مجھے ترس آ گیا بیٹا کسی کا رونا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔"

"آنٹی آپ تو ہیں ہی اتنی اچھی ورنہ اس دنیا میں کہاں لوگ کسی کا درد سمجھتے ہیں۔"

"ویسے باتوں باتوں میں آپ کی چیزیں تو آپ کو دینا ہی بھول گیا میں نے دو گھنٹے صرف کیے ہیں آپ لوگوں کی خریداری کرنے میں۔" مامی برینڈڈ چیزوں کو دیکھ کر نہال ہوگئی۔

"بیٹا تم نے اتنا تکلف کیوں کیا۔"

"آنٹی یہ کیسی غیروں والی بات کرتی ہیں...... میں تو مزید خریداری کرنا چاہتا تھا، ربیعہ کے لیے لیکن اس ڈر سے نہیں کی کہ کہیں میری پسند کی چیزیں ربیعہ کو اچھی نہیں لگی تو......" ایک جاندار مسکراہٹ ربیعہ کے لبوں پر بکھر گئی۔

"زاویان آپ اتنے پیار سے میرے لیے ساری

چیزیں لائے ہیں مجھے کیوں پسند نہیں آئیں گی' آپ نے تو مجھے اپنا مقروض بنالیا ہے۔"

"ایک طریقہ ہے جس سے آپ میرا قرض چکا سکتی ہیں ساتھ ہی مجھے اپنا قرض دار بنا سکتی ہیں۔" ربیعہ زاویان کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"اچھا چلیں پھر وہ طریقہ بھی بتادیں۔"

"آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے تیار زعفرانی کھیر اور پکوڑے لا کر کھلا دیں جانے کتنے دنوں سے آپ کے بنے کھانوں کو میں مس کر رہا ہوں۔" ربیعہ زاویان کی بات سن کر سکتے میں آ گئی۔ ربیعہ کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر زاویان کہنے لگا۔

"رہنے دیں مجھے لگتا ہے آپ کو پریشانی ہوگی۔" مامی کہنے لگیں۔

"ارے بیٹا کیسی پریشانی ابھی دو منٹ میں سب بن جائے گا۔ یہ تو ربیعہ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

ناچار ربیعہ کو کچن کا رخ کرنا پڑا وہ بار بار مدد طلب نظروں سے اپنی امی کو دیکھ رہی تھی لیکن زاویان کے ہوتے ہوئے وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی حریم کو بھی زاویان یہ کہہ کر کچن سے باہر لے آیا کہ تم خواہ مخواہ ربیعہ کو تنگ کرو گی۔

ربیعہ کو کچن میں کچھ سجھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ سب سے پہلے ربیعہ نے پکوڑے تلنے کے لیے کڑاہی میں تیل گرم کرنے کے بجائے پتیلے میں تیل گرم کیا، بڑی مشکل سے اس نے پکوڑے کا آمیزہ تیار کیا اور حد درجہ گرم تیل میں سارہ آمیزہ ڈال دیا اور آمیزہ پتلا ہونے کی وجہ سے تیل کے چھینٹے ربیعہ کے ہاتھ اور چہرے پر آ گئے۔ ربیعہ کی فلک شگاف چیخوں سے پورا گھر گونجنے لگا مامی اور زاویان کچن کی طرف دوڑے ربیعہ درد سے کراہ رہی تھی۔

"میں صدقے کیا ہو گیا ربیعہ۔"

"ہٹ جائیں آپ یہاں سے مام یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے آپ جانتی تھی مجھے چائے پکانا بھی نہیں آتی پھر بھی آپ زاویان سے جھوٹ بولتی رہیں...... سنیں زاویان مجھے کچھ بھی پکانا نہیں آتا سارا کھانا حریم پکاتی تھی اور سن لیں نہ ہی میں سگھڑ ہوں اور نہ مجھے مشرقی ملبوسات پسند ہیں اور نہ ہی میں کسی کے لیے بدلوں گی۔" ربیعہ درد سے ہلکان ہو رہی تھی۔

"دیکھا آنٹی جس راز کو چھپانے کے لیے آپ نے سارا کھیل رچایا تھا وہ آپ کی بیٹی ہی میرے سامنے لے آئی اور سنیں میں اس بات سے پہلے سے ہی واقف تھا لیکن جس طرح آپ ماں بیٹی کمال اداکاری کر رہی تھیں اسی طرح میں بھی اپنی اداکاری کے جوہر دکھا رہا تھا اور نہ ہی میں یہاں کا رمضان دیکھنے آیا ہوں میرا یہاں آنے کا مقصد کچھ اور تھا۔"

"کیا تم ہمیں دھوکہ دیتے رہے ہمارے جذبات سے کھیلتے رہے۔" مامی غصے سے تلملا اٹھیں۔

"آپ کی زبان سے یہ جذباتی باتیں اچھی نہیں لگتیں' کیونکہ آپ وہ عورت ہیں جو جذبات سے عاری ہے اگر آپ میں احساس ہوتا' جذبات ہوتے تو ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی پر ظلم کرنے سے پہلے آپ کا ضمیر آپ کو ملامت کرتا۔"

"ایک منٹ برخوردار ایک منٹ۔" مامی نے زاویان کو اپنی بات مکمل کرنے سے پہلے ہی درمیان میں روک دیا۔

"تم کس کی بات کر رہے ہو کون یتیم لڑکی۔"

"آنٹی وہی جو سارا دن خاموشی سے آپ کے سارے کام نمٹاتی رہتی ہے اور آپ کی جلی کٹی پر بھی اف نہیں کرتی آنٹی میں حریم کی بات کر رہا ہوں اور میں اسی کے لیے سات سمندر پار سے ادھر آیا ہوں کیونکہ حریم کی امی نہ صرف میری امی کی بچپن کی سہیلی تھیں

ام فروا

السلام علیکم! میرا نام ام فروہ ہے' منڈی بہاؤ الدین کے ایک چھوٹے سے گاؤں 13 چک میں رہتی ہوں۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں' بھائی بڑے ہیں اور ہم چھوٹی بہنیں ہیں۔ ایم اے اردو کیا ہے' کہانیاں لکھنے کا بہت شوق ہے جو کہ بچوں کی حد تک چھپتی بھی رہیں۔ میری پسندیدہ رائٹرز کی فہرست طویل ہے جن میں سے چند ایک کے نام لکھ رہی ہوں' نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' عمیرہ احمد' فرحت اشتیاق' صائمہ اکرم' عفت سحر' میمونہ خورشید' نگہت عبداللہ' شاہینہ چندا آفتاب' آسیہ رزاقی اور بہت ساری۔ باقی تقریباً ہر موضوع پر لکھی کتابیں پڑھتی ہوں۔ میری چھوٹی بہن صوفیہ میرا مذاق اڑاتی ہے کہ تم بڑی رائٹر نہیں بن سکتیں جبکہ میرا سارا خاندان مجھے نہایت قابل اور ذہین سمجھتا ہے۔ غصے کی تیز ہوں بس باقی میں چیک آف آل ٹریڈرز ہوں' آہم...... کوثر خالد' ارم کمال اینڈ شاہین آپ مجھے اچھی لگتی ہیں' خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رہنے دیں' او کے جی اجازت' اللہ نگہبان۔

بلکہ وہ میری امی کے برے وقت کی ساتھی بھی تھیں ایک دن جب میں اور میری امی میری دادی کا پرانا البم دیکھ رہے تھے تو آپ کی شادی کی تصویروں میں حریم کی امی دیکھیں حریم کی امی کو دیکھ کر میری امی بے چین ہوگئیں اور جب دادی سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ان کے ایکسیڈنٹ اور حریم کے بارے میں بتایا تو ان کی حالت خراب ہوگئی۔ ویسے تو وہ خود ہی آنا چاہتی تھیں لیکن میری دادی نے انہیں منع کیا کیونکہ وہ آپ کی خالہ تھیں اور آپ کی اصلیت سے واقف تھیں انہوں نے میری امی سے کہا کہ'اگر تم جاؤ گی تو میری بھانجی تمہیں حقیقت کی بھنک بھی نہیں لگنے دے گی تم زاویان کو بھیجو وہ تمام حالات کا جائزہ لے گا پھر بے شک تم چلی جانا۔"

"اتنا بڑا دھوکہ دیا تم لوگوں نے مجھے' میں تم لوگوں کو نہیں چھوڑوں گی اور زاویان تم حریم کے لیے یہاں آئے تھے ناں اب تم دیکھنا میں اس کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔" مامی حریم کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے لگی۔

"آنٹی...... حریم کا ہاتھ چھوڑیں اب یہ میری ذمہ داری ہے۔" حریم زاویان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے جیسے تو بہت دیکھے ہیں میں نے ہٹو میرے راستے سے۔"

لیکن اسی وقت ایک زوردار طمانچہ مامی کا چہرہ لال کر گیا۔

"بہت برداشت کرلیا میں نے تمہیں...... تم نے جتنے ظلم کرنے تھے میری بھانجی پر کرچکیں لیکن اب اور نہیں مجھے خود سے شرم آرہی ہے کہ ایک لڑکی اپنے برے وقت پر ساتھ دینے والی سہیلی کو نہیں بھولی اور میں اپنی سگی بہن کو بھول گیا، اس کی اولاد پر تم ظلم کے پہاڑ توڑتی رہیں اور میں خاموش تماشائی بن کر دیکھتا رہا لیکن اب میں تمہیں اس یتیم بچی سے مزید زیادتی نہیں کرنے دوں گا۔ زاویان یہ لو تمہاری امانت تم اسے جہاں لے جانا چاہو لے جاسکتے ہو۔" ماموں نے حریم کا ہاتھ زاویان کے ہاتھوں میں دے دیا۔

زاویان نے حریم کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا حریم کے ساتھ عید کا چاند بھی مسکرانے لگا تھا۔

انوکھی عید

راؤ سمیرا ایاز

دونوں ہاتھ کمر پر رکھے وہ جانچتی نگاہوں سے دیوار کی اونچائی کو نوٹ کررہا تھا۔ چند لمحوں تک نگاہوں ہی نگاہوں میں یہ پیائش چلتی رہی پھر اس نے اپنی کھوجتی نظروں سے ان دو سوراخوں کو ایجاد کیا اور فیصلہ کن انداز میں آگے بڑھا۔ سر پر پہنی کیپ الٹی کی' چڑھی ہوئی آستینیں کچھ اور کھینچیں اور پھر...... ''بسمہ اللہ کی برکت'' کہتا اچکا...... ادھر ہاتھ جمائے' ادھر پاؤں اور سیدھا دیوار پر۔

''زندگی میں کچھ مشکل نہیں۔'' ہلکی سی چمکتی مسکان کے ساتھ ایک چھلانگ میں ہی دیوار پار۔ بے حد فتح یاب انداز میں ہاتھ جھاڑتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔

''بے حد شاندار کامیابی ہے یہ تمہاری لیکن اگر بابا جان نے تمہیں دیکھ لیا تو پھر تمہاری ہڈیاں اگلی نسلوں کے لیے ڈائنا سور کی طرح نایاب ونادر بن بھی جائیں گیں۔'' بے حد نرم مگر کٹیلی سی اس آواز پر اس نے رخ بدلا اور منہ کڑوا ہوگیا۔

''وہ کہتے ہیں ناں کہ شکل اچھی نہ ہو تو بندہ بات ہی اچھی کرلے...... یقیناً یہ جملہ تمہارے لیے ہی کہا گیا ہے۔''

''میرے لیے تو آج بہت کچھ اچھا ہوا ہے مگر تمہارے لیے کچھ اچھا نہیں ہوگا آج۔'' آکاس کا یہ جملہ نظر انداز کردینے والا نہ تھا' بے نیاز سا آگے بڑھتا وہ رک گیا۔

''کیوں......؟''

''کیونکہ بابا جان آج سوئے نہیں۔'' آکاس کی کہی بات نے اس کا فیوز ہی اڑا دیا اور آکاس...... اس نے سینے پر بندھے ہاتھ کھولے درخت سے لگائی ٹیک ہٹائی اور پلٹ گئی۔

''یہ ہو کیسے گیا آج......'' ہاتھ مسلتے' سر جھکاتے شرافت سے اسی طرف چل دیا جس طرف آکاس گئی تھی...... اب چھپ کر جانے کا اور خاموشی بھری چاپ کے ہونے سے کوئی فائدہ جو نہ تھا۔

درختوں میں گھرا' ہرا بھرا بیک یارڈ پیچھے رہ گیا' ہال کا مرکزی دروازہ بھی عبور کرگیا اور سیدھا اس آرام دہ کرسی کی طرف جارکا' جس پر بے حد تمکنت سے رعب دار شخصیت والے بابا جان جی الرٹ بیٹھے تھے۔

''کتنے گھنٹوں سے غائب ہو اپنے کمرے سے۔'' سناٹے میں گونجتی بھاری آواز کی دھمک آکاس نے اپنے دل پر محسوس کی۔

''چار گھنٹے سے۔'' دھیما مدھم لہجہ جھکا سر جس کے باعث گھنے بال ماتھے پر بکھر رہے تھے۔

''کہاں تھے......؟'' اس سوال پر عبس نے تھوک نگلا تھا۔

''کالج فرینڈز کی پارٹی میں۔''

''پارٹی کہاں تھی؟''

''پزا پوائنٹ میں۔''

''تو پھر تم آئس کریم پارلر سے کیوں برآمد ہوئے برخوردار۔'' سوال کا چابک پڑا اور جھکا سر جھٹکے سے اٹھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں بابا جان' میں پزا پوائنٹ پر ہی تھا لیکن اس کے بعد آئس کریم کا پروگرام بھی بن گیا۔'' اب کی بار اس کے لہجے وآواز میں ذرا بھر مضبوطی کے ساتھ بے چینی بھی تھی کہ کہیں بابا جان نے اس کے کہے سچ کو جھوٹ نہ سمجھ لیا ہو اور اب دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور چھپ کر ہال کے پردے کے پیچھے کھڑی آکاس کا دل دہل رہا تھا۔ تبھی عبس آگے بڑھا اور پنجوں کے بل بیٹھتے بابا جان کے گھٹنوں کو پکڑ لیا۔ بے حد ناراض' خفا۔

''آئی ایم سوری بابا جان۔''

"اگر تم یہ پارٹی مجھے بتا کر کر لیتے تو مجھے کبھی اعتراض ہوتا عکس۔" عکس کا معذرتی جملہ بابا جان کا دل پگھلانے لگا تھا مگر انہوں نے لہجے کے رعب کو پھر بھی پگھلنے نہیں دیا۔

"ون تھاؤزنڈ ٹائمز سوری بابا جان۔ آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔"

"زندگی گزارنے کا راستہ بہت سیدھا ہے بیٹا...... اسے مشکل تو ہم خود بناتے ہیں۔" عکس کی شرمندہ آواز پر وہ بھی ڈھیلے پڑ گئے تھے ورنہ غصہ تو بہت زیادہ تھا...... مگر ایک عمر گزارنے کے بعد اتنا تجربہ تو حاصل ہو ہی جاتا ہے کہ لہجے میں سچ اور جھوٹ کی بو کو جان لیں، وہ بھی عمر کے اس حصے میں آ گئے تھے۔ گہری اطمینان بھری سانس لے کر پلٹتی آکاس کے قدم بھی رک سے گئے۔

"بس یہ کوشش رکھو کہ اعتماد نہ ٹوٹنے پائے اور دوسرا خود اپنی نظروں میں انسان گر نہ جائے...... یہ دو آخری باتیں انسان کی زندگی کو اس کے بالکل ٹھیک مقام تک رکھنے کی ہیں، اگر یہ یاد رکھ پائے تو بہت آسان اور خوش باش رہو گے...... زندگی کے آخری لمحے تک۔" بابا جان نے بہت زیادہ گہری بات کی تھی، آکاس کا بوجھل دل نگاہ چراتا اسے یہاں سے بھاگنے کی ترغیب دینے لگا اور وہ دل کی مان بھی گئی اور پیچھے عکس بے حد شرمندہ مگر پُر یقین سا ان کے گھٹنوں پر ہی سر رکھ گیا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے بابا جان مگر ہماری ایک اور گیٹ ٹوگیدر باقی ہے۔ ایک ہفتے بعد سیون ٹو نائن او کلاک......" عکس کے شرارتی انداز پر بابا جان نے نفی میں سر ہلایا مگر جوابی لفظ اس کے برعکس۔

"ٹھیک ہے چلے جانا مگر......"

"مگر......" اس نے پوری جان و دل سے انہیں دیکھا۔

"میں اور آکاس بھی جائیں گے۔" اب کے شرارتی

سا عبس بے یقین سا انہیں دیکھے گیا جو اس کی بے یقینی پر کہہ رہے تھے۔

''ورنہ نہیں۔'' اور وہ بے بسی سے سوچ رہا تھا۔

''اس سے زیادہ میں آج تک کبھی اس قدر برا نہیں پھنسا۔''

❖......○......❖

''بس یہ کوشش رکھو کہ اعتماد نہ ٹوٹنے پائے اور انسان خود اپنی نظروں میں گرنے نہ پائے۔'' آکاس کے ہر اٹھتے قدم پر بابا جان کے الفاظ بندھنے لگے تھے۔ پھر وہ قدم اپنے کمرے میں آرکے۔

''اعتماد تو میں توڑ چکی ہوں بابا جان' مگر آپ نہ جان پائے...... اور اپنی نظروں میں میرا مقام......'' آئینے کے روبرو کھڑی آکاس نے خود کو دیکھا تو نظریں دھندلا سی گئیں۔

''میرا مقام...... میری ذات سے نکل کر کہیں جا کھویا ہے اور میں بس خاموش تماشائی کی مانند یہ سب دیکھتی رہی۔'' بائیس سالہ آکاس نے اپنے دل کو مٹی ہوتا محسوس کیا تو وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

''لیکن...... اس تماشے کی ہلکی سی جھلک اور اپنے مقام و ذات کی شکست میں کبھی آپ اور عبس پر عیاں نہیں ہونے دوں گی ورنہ میرا جینا بہت مشکل ہو جائے گا ہر سانس بھاری ہو جائے گی مجھ پر۔''

بہتے آنسوؤں کے نمکین قطرے دوپٹے میں سمیٹتی آکاس نے خود کو نارمل کرنا چاہا تھا اور پھر وہ اگلے دو گھنٹوں تک اسی طرح کے مضبوط جملوں کو دہراتی...... اپنی شکست و ریخت کے عمل کو جوڑنے کی سعی کرنے لگی جو کہ حقیقتاً اس کے لیے ایک بھاری عمل تھا۔

❖......○......❖

انسان کبھی کبھی اپنے ہی کہے لفظوں کے جال میں پھنس جاتا ہے اور یہی حال عبس کا مسئلہ ٹھہرا تھا۔

''سچ کہی بات کا تو زمانہ ہی نہیں ہے اب جاناناں چھپ کر تو صحیح ہوتا۔'' دھپ دھپ سیڑھیاں اترتا عبس جل کر راکھ ہو رہا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل ناشتے کے لیے سیٹ کرتی آکاس نے اسے دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلاتی واپس مڑ گئی۔

گرمیوں کے رمضان میں سحری کا وقت بھی اس کی راتوں کی طرح تھوڑا سا ہی تھا جس میں سحری تو آکاس تیار ہی کر لیتی تھی وقت پر مگر نہ تو عبس وقت سے پہلے آتا اور نہ ہی بابا جان۔ اب بھی اس نے گھڑی دیکھی...... بس پندرہ منٹ ہی باقی تھے۔ عبس نے تو کرسی گھسیٹ لی اور بابا جان کو جگانے کے لیے وہ بعجلت سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو عبس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''محترمہ کس طرف...... بابا جان تو بس آنے ہی والے ہیں' ابھی میں انہیں اٹھا کر ہی آیا ہوں تم ذرا میری بات سنو۔'' اس کی بات پر اطمینان سے پلٹتی آکاس نے اسے گھورا۔

''ناشتہ کرلو...... پھر کرنا جو بھی بات کرنی ہے۔'' اور اس کی بیزاری پر عبس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''اگر ابھی کرلوں تو کیا محترمہ آکاس صاحبہ کا صبح کا روزہ ناقابل عمل رہ جائے گا۔''

''دیکھو عبس...... تمہاری وہی بے تکی باتیں ہوتی ہیں...... بیس سال کے تم ہو چکے ہو اور ابھی تک اپنی تعلیم کو بالکل بھی سیریس نہیں لیتے...... پڑھائی کم اور تفریحات تمہارے لیے زیادہ اہم ہیں اور ویسے بھی ہم تین تکونی فیملی کے ممبرز ہیں...... ایک دوسرے کا احترام اور خواہش پر عمل کرنا ہمارے لیے لازمی جزو زندگی ہونا چاہیے اور تم ہو کہ بابا جان کو ہر وقت پریشان کرتے رہتے ہو اور اوپر سے چاہتے ہو کہ میں تمہیں فیور کروں یا پھر فیور دوں......'' اپنی ہم عمر محترمہ آکاس صاحبہ کے منہ سے جھڑتے تقریری الفاظ پر عبس کا بس خون ہی نہیں کھولا تھا۔

''تم پچھلے دو مہینوں میں حد درجہ بدتمیز دوست ثابت ہو رہی ہو آکاس' ورنہ تم سا اچھا تو کوئی دوست نہ تھا میرا' لیکن لگتا ہے کہ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ تمہارا

مزاج بھی چڑچڑاتے بزرگان جیسا ہوتا جارہا ہے۔'' اور انہی دومہینوں کا حوالہ وراز بھلاتی اتنے گھنٹوں کی آ کاس کی تمام تر محنت عبس کے ان جملوں کے اثر میں آتی کہیں جا بہنے لگی تھیں۔

''آ کاس ایک ذمہ دار لڑکی ہے عبس' وقت کے ساتھ ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھانے والی' نا کہ تمہاری طرح ہر ذمہ داری کو آخری آپشن تک رکھ کر اسے حل کرنے والی۔'' بابا جان کی آواز پر عبس سنبھل کر بیٹھا اور آ کاس نے گلے میں اٹکے نوالے کو بامشکل نیچے اتارا۔

''بابا جان میرے کون سے چار بچے ہیں جو میں ٹینشن لوں۔'' ذمہ داری جیسا بھاری لفظ عبس کے لیے پہاڑ جیسا تھا اور آ کاس......وہ سر جھکاتی بابا جان کو دودھ اور بریڈ دینے لگی۔

''تمہارے اگر چہ چار بچے ہوتے ناں عبس تو تم آٹھ بچوں کا سوال اٹھالیتے کہ آٹھ ہوں گے تب ہی ذمہ داری اٹھاؤں گا اور نبھاؤں گا......'' بابا جان کی طبیعت صاف کردینے والے اس جملے پر آ کاس کو اپنے دل کی کثافت ڈھلتی محسوس ہونے لگی اور لبوں پر مسکان آ گئی۔

''اس کے تو دانت نکلیں گے......'' بڑبڑاتا عبس بابا جان کو کن انکھیوں سے دیکھنے لگا۔ چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی اور آ کاس......اسے لگا کہ وہ سمجھ گیا ہے۔

''پھر بھی بابا جان ویسے کیا یہ نامناسب سی بات نہیں لگے گی اور دوستوں کے سامنے شرمندگی الگ کہ بابا جان کو لے کر آ گیا میں ٹین ایجر کی پارٹی میں......آ کاس تک تو ٹھیک ہے مگر آپ......''

''سحری میں صرف چار منٹ رہ گئے ہیں عبس اب تو منہ بند کرلو۔'' آ کاس نے بابا جان کی غصیلی آنکھوں کو دیکھتے عبس کو ڈپٹا کم اور التجا زیادہ کی اور عبس التجا سے تو چپ ہونے والا نہیں تھا ہاں مگر بابا جان کی آنکھیں......وہ اسے ضرور خاموش کرا گئیں۔

اور یہ خاموشی سحری کی سحر تک قائم رہی...... لیکن اس کے بعد...... وہ تقریباً دندناتا ہوا اس کے کمرے میں آیا۔

''تم کالج نہیں گئے آج؟''

''ہاں چھٹی کی ہے اسی لیے۔''

''یعنی کہ تم نے آج تیسرا روزہ رکھا ہے۔'' آکاس نے اس کے تیز تر جملے کی رفتار کو کم کیا تو وہ قدرے ڈھیلا پڑتے اسے گھورنے لگا۔ پھر بنا کوئی جواب دیئے اس کے بستر پر جا گرا۔

''شرم کرو...... سحری روز کی اور روزہ...... تیسرا۔''

''تمہارے تو پورے دس ہیں ناں تو بس میری فکر چھوڑو۔''

''اور اگر بابا جان کو تمہاری فکر ہوگئی تب......'' آکاس نے اسے چھیڑا تو روزے کی نقاہت کہیں گم ہوتی محسوس ہوئی وہ نیم دراز سا اٹھ بیٹھا جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

''بابا جان کی فکر کے باعث ہی تو یہ حال ہے میرا...... یار مجھے بتاؤ ذرا بن ماں باپ کے بچے کے ساتھ بھی کوئی اس طرح کا سلوک' اس قدر سخت پابندی رکھتا ہے۔ ہم بڑے ہوگئے ہیں' ہمارے اپنے شوق ہیں' تفریحات ہیں...... نوجوان نسل کے کچھ راز کچھ زندگی گزارنے کی پالیسیز ہیں اس میں بابا جان کی کیا ضرورت ہے۔'' آکاس نے تحمل سے اسے سنا۔

''تو تم کیا چاہتے ہو مسٹر عبس۔''

''میں بس آزاد ہونا چاہتا ہوں......'' آکاس کے ادا کیے اس ہلکے پھلکے جملے کا جواب ایسا تھا کہ وہ لب بھینچ گئی۔ آج سے تقریباً دو مہینے پہلے وہ بھی آزادی ہی تو چاہتی تھی مگر اس کا نتیجہ بہت بھیانک نکلا تھا۔

''بابا جان نے فقط اپنے تجربے کی رو سے تم پر پابندی عائد کر رکھی ہے' ورنہ اگر ان کا تجربہ یہ کہتا کہ آزاد روش ہی بہتر ہے ہمارے لیے تو وہ یقیناً ہمیں کھلا چھوڑ دیتے...... مگر وہ زندگی کے دونوں سیاہ اور سفید رخ کی پہچان جان چکے ہیں اور اسی لیے وہ ہمیں پابند رکھتے ہیں' ہمیں نقصان سے بچانے کے لیے' تمہارے فائدے کے لیے۔''

''لیکن یہ تجربہ ہم خود بھی تو حاصل کرسکتے ہیں ناں۔'' عبس کی موٹی عقل پر آکاس کو غصہ آیا۔

''لیکن اس تجربے کا خمیازہ صرف تم خود تو نہیں بھگتو گے۔'' آکاس نے ہاتھ میں پکڑا دوپٹہ ایک طرف رکھا۔

''اور یہ بتاؤ کہ تم خود کون سا اس قدر فرماں برداری سے پابند ہوئے بیٹھے ہو...... کبھی کوچنگ ٹائم میں بائیک ریس' کبھی کالج پریڈز میں بوٹ بیسن پر بریک فاسٹ' سرشام چوری چھپے جا کر پارٹیز کرنا' دیواریں کود کر گھر آنا اور تو اور روزے میں بھی ڈنڈی' بابا جان کے سامنے بلا ناغہ سحری کرنا اور اس کے بعد روزہ ہی نہ رکھنا......''

''آج تو رکھا ہے ناں۔'' اس نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی احسان عظیم کردیا ہے ہم پر۔'' منہ بناتے آکاس نے الماری کھول کر عبایا نکالا اور استری اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی کیونکہ اسے کوچنگ ظہر کے فوراً بعد جانا تھا' واپسی دو گھنٹے بعد...... اس طرح ایک گھنٹے کے آرام کے بعد وہ باآسانی افطاری تیار کرلیتی تھی لیکن لگ رہا تھا کہ آج اس ایک گھنٹے کے آرام کو بھول جانے کا دن تھا کیونکہ عبس روزہ دار تھا اور اس کے لیے آکاس کو الگ سے تیاری کرنی پڑتی تھی' عبس خود بھی اس کی طرح ہی کام کی تیاری کررہا تھا لیکن آکاس نے کوچنگ ٹائم کی کلاسز لینے کو ترجیح دی تھی اور وہیں سے تیاری کی تھی...... جبکہ عبس ایک بہترین کالج میں تھا اور اسی حساب سے اس کی پی آر بھی زیادہ تھی۔

ملنے گلنے کا شوقین اور اس عمر کی تمام تر شوخی کچھ کچھ بچپنا اور ایک تفاخر آمیز اکڑ کہ ہاں اب ہم بڑے ہوگئے ہیں' سو کوئی روک ٹوک کی ضرورت نہیں...... کوئی پابندی نہیں مگر...... وقت سے پہلے ہی سنجیدہ و متانت آمیز

بردباری آکاس ان پابندیوں میں ہی خوش ومطمئن رہتی تھی کیونکہ وہ ان پابندیوں کی حدود سے نکل جانے کا خمیازہ بھگت چکی تھی اس نے استری بند کرتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ عبس وہیں اس کے بستر پر سو چکا تھا۔ اب وہ شاید ظہر تو کیا عصر تک بھی نہ اٹھتا' وہ بے خبر وانجان رہا اس بات سے بھی کہ اس کے دوپٹے کا ایک کونا اس کے آنسوؤں کی نمی سے بھیگ چکا تھا۔

❖......○......❖
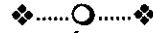
بابا جان نے عصر کے وقت گھر میں قدم رکھا تو وہی غیر معمولی سی خاموشی تھی۔ مگر یہ خاموشی تب کسی گہرے شگاف میں جا چھپنے لگتی جب عبس گھر میں موجود ہوتا...... وہ تو ایسا تھا کہ چپ بھی بیٹھنا ہوتا تو بھی نہ بیٹھ سکتا بلکہ اپنے آس پاس کی چیزوں کی موجودگی کو استعمال میں لانے لگتا اور نتیجہ...... شور شرابے کی آوازوں سے گھر گونج رہا ہوتا اور اس وقت بھی جب وہ آکاس کے کمرے کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ رک گئے...... ذرا سا دروازہ کھول کر دیکھا۔ عبس گہری نیند میں تھا اور کمرہ اس کے خراٹوں سے گونج رہا تھا۔

"اس لڑکے نے یقیناً ظہر بھی قضا کردی ہوگی۔" ناراض شکنیں ماتھے پر لیے انہوں نے سوچا اور پھر دروازہ بند کرتے کچھ سوچ کر وہ واپس پلٹے۔

آکاس انہیں کچن میں ہی ملی...... آکاس نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا جواب بھی ملا۔

"آج عبس نے پھر کالج کی چھٹی کی ہے آکاس؟" آکاس نے اس سوال پر تھوک سا نگلا اور انہیں دیکھا۔

"جی بابا جان وہ روزہ تھا اس کا تو......"

"تو کیا صرف آج ہی کا روزہ رکھا ہے اس نے؟" ان کے سوال پر آکاس نے سر جھکا لیا کہ یہاں سچا جواب خاصا بھاری پڑتا اس پر بھی اور عبس پر بھی۔

"اور کیا روزہ اس کے لیے مشقت کا نام ہے جو یوں کندھوں پر اٹھائے نہ پھر سکا اور آرام کرنے لگ گیا یقیناً ظہر بھی نہیں پڑھی ہوگی اس نے...... محترم کی خراٹوں سے بھرپور نیند بتا رہی تھی مجھے۔" بابا جان کا گندمی چہرہ سرخ ہونے لگا۔ وہ شدید ناراض ہوگئے تھے اور جس پر ہو رہے تھے وہ مست سو رہا تھا اور آکاس کٹہرے میں کھڑی تھی۔ آکاس کو سخت غصہ آنے لگا۔

"اٹھاؤ اسے جا کر آج پوچھتا ہوں میں اس سے نواب زادے چاہتے کیا ہیں آخر۔" آکاس نے چھری رکھی اور چپ چاپ باہر کی طرف بڑھ گئی' وہاں کھڑی ملازمہ رانی نے افسوس سے اسے جاتے دیکھا۔

بابا جان نے اپنے ساتھ لائی فائلز لاؤنج میں ٹیبل پر رکھیں اور خود وہیں صوفے پر بیٹھ کر عبس و آکاس کا انتظار کرنے لگے اور بھری ہوئی آکاس نے عبس کو اٹھانے کے لیے بہت کوشش کی مگر ناکام رہی بالآخر اس کے کندھے پر کشن کھینچ مارا یہ حربہ کامیاب رہا۔

"کیا مصیبت' آفت آگئی ہے تم پر آکاس۔" چلبلا کر عبس نیند سے اٹھنے پر اس پہ چڑھ دوڑا پھر گھڑی پر نظر گئی تو اسے گھورا۔ "ابھی تو ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے افطار میں اس سے پہلے کیوں اٹھایا مجھے۔"

"بابا جان بلا رہے ہیں تمہیں' اسی لیے اٹھا رہی ہوں' آکر اپنے حصے کی ڈانٹ سنو' میں کیوں سنوں تمہارے حصے کی باتیں۔" آکاس کے حد درجہ خراب موڈ پر عبس بے اختیار اٹھا۔

"بابا جان۔"

"جی پوتے جی۔" آکاس کے کہنے پر وہ بس چپل ہی پہن سکا لاؤنج میں پہنچتے ہی آکاس کا ساتھ ہمیشہ کی طرح غائب ہوا۔

"یہاں کیا تم نے گھر پہ رہ کر سونے کے باغات بیچنے تھے جو چھٹی کی آج؟" اسے دیکھتے ہی بابا جان نے پہلا سوال کیا۔

"سر میں درد ہو رہا تھا۔"

"تو کیا سر کا درد اس قدر تھا کہ نماز فرض سے بھی گئے۔" دوسرا طنزیہ سوال' وہ بنا جواب دیئے سر جھکائے رہا۔

”تمہاری ہر غلطی کی معافی نہیں ہے عبس اور نہ ہی ہر غلطی کا کوئی کفارہ...... بنا عبادت کے تمہارا روزہ ایسا ہی ہے جیسے کاغذ کا پھول...... جس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی...... سال بھر کی جسم کی زکوٰۃ نکالتے اس عمل کو تم کس طرح سے ضائع کر رہے ہو کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں۔“ وہ عبس کو دیکھتے سخت لہجے میں بولے اور ادھر کچن میں کھڑی آ کاس کا دل کہیں پاتال میں جا گرنے لگا تھا۔

”ہر غلطی کی معافی نہیں ہے اور نہ ہی ہر غلطی کا کوئی کفارہ۔“ ایک سرد سی لہر تھی جو ریڑھ کی ہڈی کو چھو گئی تھی۔

”اور اگر غلطی کے احساس کا بیج ہی خود لگایا گیا ہو تو فقط اس ایک بیج سے وہ وقت کے ساتھ ایسا خود رو جنگل بن جاتا ہے جہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ کوئی انجانی راہ و طاقت نجات کے لیے نہیں مل پاتی۔“ آ کاس کو لگا کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے وہ وہیں کچن میں ایک اسٹول پر جا بیٹھی...... ملازمہ کسی کام سے جا چکی تھی اب وہ وہاں اکیلی تھی...... اگر کچھ تھا تو اندر سے دل و جاں کو رگیدتی آوازیں جنہوں نے عرصے سے اس کا پیچھا نہ چھوڑا تھا یا پھر بابا جان کی سخت ناراض و غصیلی آواز...... وہ ابھی بھی عبس کو بخشنے کے موڈ میں نہیں لگ رہے تھے اور عبس مہر بہ لب کھڑا تھا...... وجہ یہ تو تھی کہ وہ بابا جان کے غصے سے خائف رہتا تھا بلکہ صحیح معنوں میں ڈرتا تھا مگر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اب مارے نقاہت کے وہ بول تو کیا کھڑا بھی نہیں ہو پا رہا تھا مگر وہ جبر و ضبط کے عالم میں تھا اور ایک ضبط کے عالم میں آ کاس تھی۔

اپنی ذات کے خود احتسابی کے عمل سے گزرتی...... ان آوازوں کے ساتھ جو نہ جانے کب اس کا پیچھا چھوڑتیں۔ آ کاس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا اور تبھی مرے مرے قدموں سے عبس اندر داخل ہوا...... تو پہلی نظر آ کاس پر ہی گئی اور اس کا انداز اسے چونکا گیا۔

”ڈانٹ مجھے پڑی ہے اور چکر تمہیں آ رہے ہیں۔“ اپنی ہانکتا وہ آگے بڑھا تو اس کی آواز پر آ کاس نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ زرد چہرہ بجھی بجھی ہوئی سی آنکھیں...... عبس چونک سا گیا۔

”کیا ہوا...... آ کاس؟“ وہ یونہی بے ارادہ اس کے پاس آ بیٹھا آ کاس کا دل لمحوں میں پگھلا۔ خوف پشیمانی بے وقوفی اور اپنی اندھی خواہشات کا غبار جیسے بہنے لگا۔

”ہیں رو کیوں رہی ہو طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟“ عبس اس کے ہاتھ تھامتے پیشانی چھو کر چیک کرنے لگا۔

”مجھ سے...... مجھ سے غلطی ہو گئی ہے عبس بہت بڑی غلطی۔“ خوفزدگی کے عالم میں اس کا ہاتھ تھامتی قطرہ قطرہ آنسو گراتی گہری سرمئی آنکھوں کی نمی نے عبس کے دل کو پل بھر میں ٹھہرا دیا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے ورنہ میں سوچتی سمجھتی کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے سو بار خیال کرتی مگر میں نے سب فراموش کر دیا۔“

”ایسا کیا کر دیا تم نے آ کاس۔“ گم صم سا اسے دیکھتا عبس چونکا۔

”غلطی عبس...... بہت بڑی غلطی......“ ورد کی طرح دہراتی آ کاس عبس کو کچھ عجیب سی لگی...... اسے ایسا لگا کہ جیسے وہ اسے نہیں سن رہی بس اپنے دل کا غبار نکالنا چاہ رہی ہے اور یہی بات سوچتے عبس جھنجلایا اور اپنے ہاتھ چھڑائے۔

”ایسی بھی کیا غلطی کر دی آ کاس بتاؤ گی تو پتہ چلے گا ناں۔“ اور عبس کی تیز آواز آ کاس کو کہیں دور سے واپس لائی تھی۔ وہ اسے دیکھے گئی۔ جو الجھن لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

”وہ...... وہ میں نے تمہیں تمہیں اٹھایا اور بابا جان کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا کوئی بہانہ نہیں بنایا ورنہ تمہیں یوں ڈانٹ نہ پڑتی۔“ ہتھیلیوں سے آنسو پونچھتے نظر چراتے اس نے بات بنائی تو عبس نہ جانے کیوں اسے

دیکھا۔

"آہا...... اتنی اچھی تو تم کبھی ہوا کرتی تھی آکاس صاحبہ جب تم مجھے باباجان سے بچالیا کرتی تھیں۔" سر نفی میں ہلاتے ایک گہری سانس لیتے وہ اس کے پاس سے اٹھا۔

"جب کبھی میں لیٹ نائٹ سوتا' تب بھی' جب میں کلاسز کالج بنک کرتا تب بھی' جب بخار نہ ہوتا اور نہ ہی سر درد تو میرے جھوٹ موٹ کے بہانوں کو حقیقت کا رنگ دیا کرتیں تاکہ میں اپنے دوستوں سے مل سکوں...... مگر خواب ہوئے وہ زمانے......" آکاس لب کاٹتی' دم سادھے اسے دیکھنے لگی جو کچن میں موجود کرسی گھسیٹتا میز پر سر رکھ گیا' اپنی بقایا نیند کا حصہ پورا کرنے کے لیے اور آکاس اپنے ہاتھ آیا یہ موقع جاتے دیکھتی لب کاٹتی دل میں گہرے افسوس کو محسوس کرنے لگی۔

"اب تو زندگی کا رخ ہی بدلا ہوا ہے...... آکاس صاحبہ......" مدھم ہوتی آواز اب گم ہونے لگی تھی۔

"زندگی کا رخ بدلا نہیں عبس بلکہ میرے لیے تو الٹ گیا ہے۔" پہلا اختتامی مراحل میں داخل ہونے والا عشرہ بہت بھاری رہا تھا آکاس پر...... وقت مندمل کردیتا ہے ہر زخم...... مگر روح کے زخم چھلنی دار ہوتے ہیں جنہیں بھرنے میں وقت کو بھی...... وقت لگتا ہے اور آکاس اسی تکلیف میں تھی۔

❖......O......❖

آکاس کی شخصیت کا دکھائی دیتا یہ ایک رخ اس کی زندگی کے حاصل کردہ تجربے کی دین تھا ورنہ اس کی شخصیت میں عبس کے جیسی شوخی ولا ابالی پن تو نہیں مگر ہر لمحے سے خوشیاں کشید کرنے کا ہنر تو تھا اسے یہ قید پابند عبس کی طرح زہر بھری ہی نہ سہی بری ضرور لگتی تھی...... کیونکہ عمر کے اس حصے میں نئی نئی باتیں' نئی نئی سوچیں بہت ہی الگ اور منفرد انداز میں ذہن و دل پر اثر انداز ہوتی ہیں...... ہر چمکتی چیز کو سونا بنادینے کو دل کرتا ہے' کائنات کے ہر نظام میں تانک جھانک کرنے کو دل چاہتا ہے' کوئی بھی چیز و بھی کام مشکل و ناممکن نہیں لگتا اور کچھ ایسے ہی احساسات آکاس کے اندر پنپتے تھے جب باباجان کی طرف سے آڑے آجاتا۔

"سہیلیوں کے گھر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' بلاوجہ کی دوستیاں بڑھانا وہ بھی لڑکیوں کی مجھے قطعاً پسند نہیں۔" اور آکاس ہر مرتبہ جب بھی کوئی برتھ ڈے انویٹیشن یا عام سی کوئی بھی گھریلو گیدرنگ کا دعوت نامہ ملتا تو دل مسوس کر رہ جاتی اور ذرا سا مسکراتے معذرت کرلیتی اور بے وفا دوست کے طعنے سنتی پھر پکنک کا پروگرام ہو یا فیسٹیول شو کالج میں ہر دفعہ ہی انکار اس کا ایسا امتیازی نشان بنا کہ اسے دیکھتے ہی منع کردیا جاتا۔

"بھئی اسے مت کہو...... یہ نہیں آئے گی...... ان معاملات کے معاملے میں بہت روڈ ہوجاتی ہے یہ۔" آکاس کو یہ جملے سننا بہت ہی مشکل اور اذیت ناک لگتے کیونکہ فطرتاً وہ خوش مزاج پھرتیلی لڑکی تھی' ٹک کر ایک جگہ بیٹھنا تو اسے آتا ہی نہیں تھا اور پھر گھومنا پھرنا وہ بھی اپنی دوستوں کے ساتھ یہ تو زندگی کے یادگار لمحات ہوتے ہیں جس کے لیے آکاس محروم ہی رہی' وجہ...... باباجان کی پابندی اور اس معاملے میں مزاجاً سختی اور یہی پابندی اور سخت مزاجی اسے ایک دن اس موڑ پر لے آئی جہاں اس کے آگے کنواں اور پیچھے کھائی والا معاملہ تھا لیکن یہاں وہ غلط تھی اس بات پر کہ اس کی زندگی کا ایسا دوراہا باباجان کی پابندی و سخت مزاجی کی وجہ سے تھا بلکہ یہ تو خود اس کی غلط سوچ و اندازے کے نتیجے میں نکلنے والا دوراہا تھا اور تب ہی اسے سمجھ آیا تھا کہ صحیح و غلط کی تمیز کیسے کی جاتی ہے۔

بزرگوں کی ہر بات' ہر فیصلے اور ہر ایک عمل و جملے میں ایک سنہری کنجی ہوتی ہے ہر اس بند دروازے کو کھولنے کی جو صحیح راستہ دکھاتا ہے مگر نادان ذہن اپنی خود کی عقل و ذہن کے بل بوتے پر اس سنہری کنجی تک رسائی حاصل نہیں کرپاتے۔ یہی بات عبس کے بچکانے پن میں ظاہر ہوتی تھی اور آکاس وہ اس سنہری کنجی کو حاصل

کر چکی تھی مگر اب...... اپنی زندگی کے وہ اس غلط فیصلے وعمل پر شرمندہ پشیمان اور خوف زدہ تھی اور دل تھا کہ اس بوجھ کو اتار کر پھینک دینا چاہتا تھا۔ اس ادھیڑ بن میں دن رات بیت رہے تھے مگر کوئی راہ آ کاس کو سجھائی نہ دیتی تھی۔

''یارب العالمین' مجھ سے جو غلطی ہوگئی ہے مجھے معاف کردے کہ تو بہت غفور و رحیم ہے' اے میرے رب' مجھے بابا جان کی نظروں میں گرنے سے بچا لیجیے' ماں بابا اور ماموں' ممانی جی کے بعد اب وہ ہی ہمارے لیے سب کچھ ہیں' میں ان کی ناراضگی برداشت نہیں کرسکتی مجھے معاف کردیجیے' مجھے بچالیجیے۔'' دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے وہ رو رہی تھی۔

سامنے کھڑکی کے پردے کے پیچھے رات ڈوب رہی تھی ایک نئے دن کے نکلنے کے لیے...... بیت جانے والے دن کے سب اسباب دنیا سمیٹتی ایک نیا سویرا لانے کے لیے اور ایسے سینکڑوں بیت جانے والے دنوں کی طرح اس بیت جانے والے دن کو بھی ماضی بنانے کے لیے۔

❖......○......❖

عبس نے ٹھیک ٹھاک افطاری کی تھی اور اب نیند تھی کہ اس کے پیٹ کی طرح اس پر بھاری ہورہی تھی آ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ ٹی وی سے بھی کب تک دل بہلایا جاتا اور اوپر سے وائی فائی کا پاس ورڈ بابا جان کے قبضے میں تھا۔

''عام دنوں میں تو نیک اعمال ویسے بھی تم سے دور ہی رہتے ہیں عبس کم از کم رحمتوں و برکتوں کے اس مہینے میں کوششوں سے ہی کچھ نیکی کمالو اور اس فضول واہیات کو بند ہی رہنے دو۔'' اس اقوال زریں پر وہ بس دانت کچکچا کر رہ گیا۔

اور اب گیمز کھیل کر بھی وہ بے زار ہوتا کمرے سے ہی نکل آیا...... سیڑھیاں اترتے وہ بیچ کے اسٹیپ پر رک سا گیا سیڑھیوں کے بیچ کی یہ دیوار مخصوص تھی یادگار تصویروں کے لیے اس کے پیارے بابا کا بچپن' اس کی اکلوتی پھوپو کی شادی کی یادگار تصویریں خود اس کے اور آ کاس کے بچپن کی تصاویر...... لیکن اسے سب سے زیادہ بیچ میں تکونی انداز میں لگائی وہ تین تصاویر یں متاثر کرگئیں۔ سب سے اوپر بابا جان اور بی جی کی تصویر' پھر پھوپو اور انکل کی اور پھر اس کے اپنے مما' پاپا کی اور اس وقت بھی وہ ہمیشہ کی طرح اپنی مخصوص جگہ آن کھڑا ہوا۔

''کیا یار پاپا...... یہ بھی کوئی آپ کے جانے کی عمر تھی' اکیلا چھوڑ کر چلے گئے اور وہاں چھوڑ کر گئے جہاں رہنا کسی کڑک اور اصول پسند' سخت مزاج جیلر کی جیل میں رہنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس قدر پابندی' روک ٹوک' یار میں کوئی لڑکی ہوں جو اس قدر پابندی ہو...... چلو نماز' پڑھنے پر تختی سمجھ میں آتی ہے' مگر یار روزہ...... یہ ذرا مجھے مشکل کام لگتا ہے' بھوکا تو مجھ سے رہا ہی نہیں جاتا' مگر چلیں معاف کیا مگر میری دوستوں کے ساتھ ارینج کی گئی پارٹیز اٹینڈ کرنا...... یہ سب تو غلط بات ہے ناں۔' عبس کے پاس شکوے' شکایتوں کا ایک پٹارہ تھا جو اس نے ہمیشہ کی طرح کھولا تھا۔

''پہلے بھی دو بار جا چکے ہیں آپ کے بابا جان......'' انگلی اٹھاتے ناراضگی سے انہیں دیکھا جو مسکرا رہے تھے۔

''اور دونوں بار دوستوں میں شرمندگی اٹھائی تھی اب یہ تیسری دفعہ ہوگا۔'' ہلکی روشنی اندھیرے میں کہیں کہیں بکھرتی اس کے عکس کو واضح کررہی تھی...... جو دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی جیب میں ڈالے پوری طرح مگن تھا۔

''میں کوئی لڑکی تھوڑی ناں ہوں' جو کہیں آنے جانے کے لیے مجبور و بے بس بیٹھی ہوں تو بابا جان کی خدمات لینی پڑ جائیں...... اس کے لیے آ کاس موجود ہے ناں۔'' ذرا سی نظر آ کاس کی تصویر پر ڈالی تو وہیں اس کا شکایتی ارتکاز ٹوٹا...... ہلکی مدھری روشنی کی لکیر عین آ کاس کی سرمئی گہری آنکھوں کو چھوتی گزر رہی تھی' مسکراتی چمکتی آنکھوں کا عکس اس کا دل لمحہ بھر کو ٹھہر گیا۔

اسے بے اختیار ہی چند دن پہلے کچن میں روتی ہوئی آکاس یاد آئی' تب بھی اس کی گہری سرمئی آنکھوں کی نمی نے اس کے دل کو ٹھہرا لیا تھا اور وہ کتنے ہی لمحوں تک یونہی اس کی آنکھوں کو دیکھتا رہا اور پھر بے اختیار ہی اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے انہیں چھونا چاہا اور فریم کے کانچ کو محسوس کرتے اس کا انہاک ٹوٹا۔

''یہ کیا......؟'' وہ ششدر سا کھڑا سوچ رہا تھا' اپنے دل پر گزرتے اس عجیب سے احساس کو پھر اس نے سر جھٹکا......تصویر کو دیکھا اور ان گہری سرمئی آنکھوں سے نگاہ چرائی اور واپسی کے لیے پلٹا مگر پلٹتے ہوئے بھی ایک سوچ اس کے ذہن میں لہرائی۔

''اس دن آکاس' اس طرح سے کیوں روئی تھی' کیا کوئی وجہ تھی؟ اس نے ہمیشہ کی طرح ایک نارمل کزن کی طرح سوچنا چاہا تھا جو بچپن سے لے کر آج تک اس کے ساتھ تھی جس کے ساتھ دوستی' لڑائی جھگڑا' ناراضگی ہر چیز اپنے مقام پر تھی اس لمحے کے پہلے تک......مگر اب دل کو کہیں تکلیف سی ہوئی تھی اور یہ تکلیف تب بڑھی جب وہ اس کے کمرے کے دروازے کے قریب سے گزرنے لگا۔ آکاس جائے نماز بچھائے دعا کے لیے اٹھائے ہاتھوں کے ساتھ بےآواز رو رہی تھی۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی ہے عبس' بہت بڑی غلطی......''

آکاس کا روتا لہجہ اس کے آس پاس کہیں گونجا اور کہیں کوئی کھڑکی سی کھلی تھی۔ عبس کے ذہن میں......کھڑکی بھی ایسی کہ اس نے آکاس کی تاک لگالی......اس کا ہر عمل اس کے نظریے (خودکار) کے پیمانے پر جانچا جانے لگا' اس کی تمام تر روٹین عبس کی نگاہ کے زاویے پر پرکھی جانے لگی تھی' مگر اس کے ہاتھ کوئی سرا آ نہیں پا رہا تھا۔

وہ تو ویسی ہی تھی' جیسی اب تک تھی اور یہ نتیجہ عبس کو ٹھیک نہ لگتا تھا' کچھ تھا جو الگ تھا' چھپا ہوا مگر کیا......؟ وہ آج کل اسی ادھیڑ بن میں مگن نظر آتا تھا اور اس کی ادھیڑ بن اختتام تب ہوا جب بابا جان نے ایک شام افطار کرتے اسے اس کی پارٹی کی تاریخ یاد کروائی۔

''چلتے ہیں' شام کو میں تو تمہیں تیار ہی ملوں گا' آکاس اور خاص طور پر عبس تم بھی ریڈی رہنا۔''

''مگر بابا جان میں کیا کروں گی جا کر......'' آکاس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

''وہی جو میں کروں گا۔'' بابا جان کے سنجیدہ سے جملے پر آکاس خاموشی سے سر جھکا گئی تو پھر عبس کیا کہتا......وہ چپ چاپ اس مقررہ وقت تک تیار ہونے کے لیے اپنے روم میں آ گیا۔

❖......○......❖

''ارے بھئی یہ آج پھر اپنے بابا جان کو لے کر آ گیا۔'' عبس نے جیسے ہی اس کیفے ٹیریا کا دروازہ کھولا اس کے دوستوں میں سے ایک نے بے اختیار منہ بنایا۔

''اس کے لیے تو اس کے ماں باپ کا نہ ہونا کوئی جرم ہی بن گیا ہے۔'' ایک اور آواز ابھری' چار سے پانچ عبس کے ہم عمر لڑکوں کا یہ گروپ وہیں دیکھ رہا تھا جہاں عبس ان سے پیٹھ موڑے بھی ان کی تمام گفتگو اور تاثرات کے بارے میں جانتا تھا مگر فی الوقت ڈھیٹ بننا ہی ٹھیک تھا اس کے لیے' تبھی بابا جان کی آواز نے اسے متوجہ کیا' وہ اسے اس کے دوستوں کے پاس جانے کا کہہ رہے تھے اور وہ فرماں برداری سے سر ہلاتا مڑ گیا لیکن آکاس اس کی اس ظاہر فرماں برداری اور باطنی چلبلاہٹ سے خوب واقف تھی......اسی لیے سر جھکائے سیل فون میں مصروف نظر آنے کی کوشش کرنے لگی اور بابا جان جو عبس کے جانے کے بعد اپنی منتخب کردہ ٹیبل پر بیٹھنے ہی لگے تھے جب ایک ویٹر تیزی سے ان کے قریب آیا۔

''سوری سر' یہ ٹیبل ریزرو ہے' آپ پلیز اوپن ایریا کی طرف آ جائیں۔'' مودبانہ لہجے میں کہتے اس نے اپنے ساتھ لایا کارڈ ٹیبل پر رکھا تو بابا جان کے ساتھ آکاس بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔

''پلیز سر آیئے میں آپ کو بہترین جگہ دکھاتا ہوں'

بیٹھنے کے لیے“ ویٹر کے مودبانہ لہجے پر ایک گہری سانس لیتے بابا جان نے آکاس کو دیکھا جس کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ ویٹر کے ساتھ چل دیے...... لیکن جاتے ہوئے عبس پر نگاہ ڈالنا نہ بھولے جو اپنے دوستوں کے گروپ تک پہنچ چکا تھا۔

”کیا یار...... بالکل صحیح جگہ پھنسے ہو تم۔“ ارباز کے کہنے پر عبس نے اسے گھورا۔

”کیوں بھئی......“ اس کی گھوری کو نظر انداز کرتے ارباز نے باقی لڑکوں سے پوچھا تو جواب میں ایک معنی خیز مسکراہٹ سب کے لبوں پر در آئی۔

”لگتا ہے پچھلی بار موصوف پکڑے گئے تھے ورنہ یہ نظر بندی نہ ہوتی۔“ کاشان کے صحیح تجزیے پر عبس نظریں چرا گیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے‘ بابا جان کی یہاں کسی سے ملاقات طے تھی اور آکاس کو اکیلے گھر میں چھوڑنے کی منطق بابا جان کو اچھی نہیں لگی تو ہم تینوں ہی ایک ساتھ آگئے۔“ مضبوط توجیہہ‘ سنجیدہ لہجے میں پیش کرتا وہ کرسی گھسیٹتے بیٹھا اور اسے بیٹھتا دیکھ کر بابا جان آکاس کے ساتھ ویٹر کی راہنمائی میں آگے بڑھ گئے۔

❖......○......❖

آکاس کے لیے آج کے دن کی شام بہت خوشگوار رہی تھی‘ عبس کے مقابلے میں وہ بڑی خوش و مطمئن تھی...... آتے وقت وہ جتنا بے دلی اور بے زاری سے سوچتی رہی تھی‘ اس وقت فل انجوائے کر رہی تھی۔ گرمی کا ٹوٹتا موسم‘ ہلکی ہلکی ٹھنڈی خوشگوار ہوا نے اس کے دل ودماغ کو بھی فریش کر دیا تھا‘ بابا جان بھی ہنستے مسکراتے اس کے ساتھ بات کرتے رہے تھے اور ان سب میں ڈیڑھ گھنٹہ کیسے گزرا پتہ بھی نہیں چلا۔ آکاس نے آئس کریم کا کپ اٹھایا ہی تھا جب بابا جان کے موبائل پر کال آنے لگی۔ نمبر دیکھتے بابا جان نے اسے دیکھا۔

”آکاس‘ تم آئس کریم ختم کرتے پارکنگ تک آجانا میں ذرا تب تک یہ کال سن لوں...... یہاں تو کافی شور ہے اور کال امپورٹنٹ ہے۔“

”جی بابا جان اور عبس......“

”اسے میں کال کر دوں گا...... وہ وہیں آجائے گا۔“ بابا جان کے کہنے پر وہ سر ہلاتی آئس کریم کی طرف متوجہ ہوگئی تھی کچھ دیر کے بعد آئس کریم ختم کرنے وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی پھر وہاں سے اٹھتی پارکنگ تک جانے لگی ہی تھی کہ اسے لگا جیسے اسے کسی نے آواز دی ہو۔

”آکاس......“ ادھر ادھر تعجب سے دیکھتی آکاس نے آواز کا تعاقب کیا اور جو چہرہ سامنے آیا اس نے زمین آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھما دیے۔

”تم......!“ آکاس کی لرزتی آواز اس کی بے یقینی کو ظاہر کر رہی تھی اور جو مقابل کو بھی محسوس ہوگئی تھی اسی لیے وہ ذرا آگے بڑھا اور ٹھیک اسی لمحے بابا جان نے عبس کو کال کی تھی...... جو کچھ دیر پیشتر اپنی زندگی میں در آنے والے ان بدترین لمحوں کی تکلیف کو شدت سے محسوس کرتا باہر آرہا تھا جہاں آکاس کھڑی تھی۔ اس وجود کے سامنے جس پر اس نے سب سے زیادہ یقین کرتے‘ نہ صرف بابا جان کا یقین توڑنے کی کوشش کی تھی بلکہ وہ خود اپنی ذات کے یقین سے باہر آگئی تھی۔

❖......○......❖

عبس بے حد خراب موڈ کے ساتھ گلاس ڈور دھکیلتا اپنے ساتھ ایک بازگشت کو بھی ساتھ لایا تھا۔

”تم آج تک سارے کام‘ اپنے بابا جان سے چھپ کر ہی تو کرتے ہو‘ آج یہ بھی کر لو جب انہیں پتہ چلے گا تب کی خیر ہے‘ یہ تو آج کی ینگ پارٹی کا اسپیشل مزہ ہے جس کے بغیر پارٹی پارٹی نہیں...... سو انجوائے کرو اور بوڑھے لوگوں کی صحبت چھوڑنا سیکھو عبس بیٹا جی......“ ہنستی مسکراتی اس آواز میں جو ترغیب دی گئی وہ روح ہلا گئی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر سن سا اپنے دوستوں کو دیکھتا رہا‘ جن کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کے بہترین لمحے بتائے اور اب انہی کی بدولت ایک بدترین لمحہ بھی اس کی

زندگی کا حصہ بن گیا تھا۔ اگر آج وہ برائی کے اس پہلے راستے کی طرف قدم رکھ دیتا تو تمام عمر اس کی زندگی ہچکولے کھاتی اس کشتی کی طرح بیت جاتی جو نہ پوری طرح سمندر میں اتر پاتی ہے اور نہ ہی کنارے لگ پاتی ہے اور انہی لمحوں میں سے اسے ایک ہاتھ کھینچ کر باہر لے آیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح بابا جان ہی تھے وہ۔ اپنے سیل فون پر بلنگ کرتے ان کے نام کو دیکھتے اسے لگا وہ زندہ ہوگیا ہو۔

''ارے لگتا ہے اس کے بابا جان دی گریٹ پرسن ایز اے باڈی گارڈ کا فون آگیا ہے اسے بلانے کے لیے......'' اور عبس کا سکتہ ٹوٹا۔

''آج کے بعد میرا تم سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ آج تم لوگوں کی دوستی نے مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔'' ایک غصے و تاسف بھری نظر ان کے چہروں پر ڈالتا وہ باہر نکل آیا......اس افسوس کے ساتھ کہ نہ وہ ان سے اپنے گھر والوں کی باتیں ڈسکس کرتا اور نہ ہی آج ان کی اس قدر ہمت بڑھتی...... وہ تیز تیز قدم اٹھاتا پارکنگ کی طرف جارہا تھا تبھی اس نے آکاس کی تیز آواز سنی‘ اس نے سر گھماتے ادھر ادھر دیکھا......آکاس کا گرے اسکارف چند قدم ہی دور چمک رہا تھا وہ بے اختیار ہی اس کی طرف بڑھا۔

''تم سے دوستی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی‘ کیا سمجھا تھا میں نے تمہیں اور تم......'' عبس کے قدم رک گئے‘ آکاس کے لہجے اور آواز میں صرف غصہ ہی نہیں بلکہ سختی بھی تھی اور ساتھ ہی بے حد کڑواہٹ بھی اور یہ سب آکاس کا انداز نہ تھا۔

''تم نے تو پورا پروگرام ترتیب دیا تھا مجھے میرے بابا جان کی نظروں سے گرانے کا مگر یہ ہونا تو خواب ہی رہے گا تمہارا...... کیونکہ تم سے دوستی پر میں پہلے ہی لعنت بھیج چکی ہوں۔''

''آکاس...... یہ سب کیا کہہ رہی ہے......'' حیرت سے سوچتے اس کے ذہن میں کلک سا ہوا۔ روتی ہوئی آکاس کا وہ سب انداز و لہجہ اور وہ جملہ۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے عبس‘ بہت بڑی۔''

''تو کیا آکاس کی وہ کیفیت وہ سب‘ کچھ نہ کچھ راز تھا...... جو آکاس ہم سے چھپا رہی تھی۔'' حیرت سے سوچتے اس نے مقابل کو دیکھنا چاہا اور ساکت رہ گیا۔ اس ایک لمحے میں جو کچھ وہ سوچ چکا تھا اس سے اس کے اعصاب کھنچ سے گئے تھے۔

''آکاس......تم مجھے سن تو لو......'' مقابل کا التجائیہ لہجہ بے کار گیا تھا۔

''نہیں تم سنو......جس نے اتنی ہمت کی کہ وہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی جسے میرا اعتبار ویقین توڑتے ہوئے ذرا بھر شرمندگی وافسوس نہ ہوا حالانکہ میں نے تم سے دوستی کی‘ تمہیں خلوص وچاہت دی‘ تمہاری ہر بات مانی کہ دوستی کے بھی کچھ اصول وضابطے ہوتے ہیں مگر تم نے سب پر پانی پھیر دیا۔''

''اس دن جو کچھ ہوا اس کا مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا آکاس۔''

''اندازہ نہیں تھا......!'' حیرت وطنز سے آکاس نے اسے دیکھا۔

''تمہیں اندازہ تھا تب ہی تم نے مجھے اکسایا گھر سے نکلنے کے لیے حالانکہ تم جانتی بھی تھیں کہ میں کبھی بھی اپنے بابا جان کی مرضی کے بغیر باہر نہیں نکلتی‘ میں ان کے ساتھ ہی ایبٹ آباد آئی تھی‘ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان کا سات دن کا وہ آفیشل ٹور مجھ پر اس قدر بھاری پڑے گا کہ میری تم سے دوستی ہوجائے گی اور اسی دوستی کی وجہ سے میں ایک دن اپنے بابا جان کے اعتبار کو توڑتی صرف تمہارے اکسانے پر بغیر انہیں بتائے یوں چھپ کر باہر چلی جاؤں گی...... میرے لیے تو وہ ذرا بھر کی آؤٹنگ تھی لیکن تمہارے لیے تو وہ کچھ اور ہی تھا ناں...... بتاؤ کیا تم نے نہیں بلایا تھا اسے وہاں......؟''

''آکاس میں......''

''نہیں گل رعنا بتاؤ ذرا کیا تم نے نہیں بلایا تھا اپنے بوائے فرینڈ کو ملنے کے لیے......'' عبس ساکت وششدر سا سب سن رہا تھا۔

اس نے دوبارہ بے یقینی سے آ کاس کی پشت کو دیکھا اور پھر اس لڑکی کو جس کی خوب صورتی کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جینز پر کرتی پہنے شرمندہ چہرے والی وہ لڑکی تھی جو آ کاس کے سامنے کھڑی تھی۔

''میں آج بھی وہ بھیانک دن نہیں بھولی گل رعنا جب انہوں نے مجھے تمہاری غلط فہمی میں پکڑ لیا تھا اور اپنے ساتھ لے گئے تھے کیونکہ وہ اس دن اکیلا نہیں آیا تھا' اپنے تین دوستوں کو بھی ساتھ لایا تھا۔'' آ کاس اب رونے لگی تھی...... عبس کا دل بند ہونے لگا۔

''اپنے گھر سے چھپ کر نکلنے کی سزا تھی وہ' بابا جان کا اعتبار توڑنے کا جرم' بابا جان نے ہم پر پابندی نہیں لگا رکھی تھی گل رعنا' وہ ان کی سختی اور ہمارے لیے اصول' ہماری حفاظت تھے' بن ماں باپ کے بچوں کی تربیت کا بوجھ آسان نہیں ہوتا نہ لڑکے کے لیے اور نہ ہی لڑکی کے لیے...... لیکن بابا جان اپنے پوتے اور نواسی کے لیے بہت کانشس تھے اور یہی ان کی ہمارے لیے محبت احساس وخیال تھا جو تمہیں اپنے ماں باپ سے نہیں ملا تھا اور تم جیسی محروم لڑکی نے چند دنوں میں ہی یہ محبت بھانپ لی تھی اور شاید اسی محرومی نے تمہیں اپنی ذات میں وہ سوراخ بنا لینے پر مجبور کردیا تھا جس میں چھپا سانپ تمہیں ڈسنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر تمہاری بجائے اس دن میں پھنس گئی۔''

''لیکن میں نے تمہیں کبھی حسد کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا آ کاس اور نہ ہی مجھے اس شخص کی گندی فطرت کا اندازہ تھا' تم یقین کرو میرا۔''

''تم پر ہی یقین کیا تھا تو خود پر سے یقین اٹھ گیا ہے میرا اور جس کا نتیجہ وہ بھیانک دن...... جب میرے بابا جان کی ہی کوئی نیکی مجھے بچا گئی...... ان دوستوں کا آپس میں کوئی جھگڑا ہوگیا اور مجھے گاڑی سے نکل بھاگنے کا موقع مل گیا ورنہ......'' آ کاس خاموش ہوگئی تو جیسے ہر طرف سکوت سا چھا گیا تھا۔

''میں آج تک بابا جان اور عبس کو اس حادثے کے بارے میں نہ بتا سکی' اس خوف سے کہ بابا جان کو اپنے اعتماد ویقین ٹوٹ جانے پر کس قدر دکھ ہوگا' وہ یہ سوچنے لگیں کہ یقیناً ان کی تربیت' خلوص ونیت میں کوئی کمی رہ گئی یا کھوٹ رہ گیا جو ان کے بچوں کو چور دروازوں کی ضرورت پڑنے لگی...... میں نے سب سے زیادہ اپنی اسی غلطی کی معافی مانگی ہے' میری ہر عبادت اسی غلطی کے کفارے کے لیے ہے...... میں نہیں جانتی کہ ایسا ہوسکتا ہے یا نہیں مگر میری توبہ اللہ ضرور قبول کرے گا۔'' آ کاس کا یقین سے پُر لہجہ عبس کے دل کو چھو گیا۔

''اور میں...... کیا تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں' کیا تم مجھ سے پھر سے دوستی نہیں رکھ سکتیں آ کاس کہ تمہاری وجہ سے ہی اس دن مجھے اس شخص کی فطرت کا اندازہ ہوا جسے میں نے محبت کی حقیقت کو سمجھ لیا تھا۔'' گل رعنا نے آگے بڑھتے اس کے ہاتھ تھامے...... وہ ایک آس سے آ کاس کو دیکھنے لگی۔

''نہیں گل رعنا اب بہت مشکل ہے' ناممکن ہے یہ کیونکہ ایک لڑکی کے لیے سب سے اہم اس کا کردار' اس کی عزت ہی ہے جو ایک ایسا آئینہ ہے جس پر آئی باریک سی دراڑ کو کوئی نہیں بھر سکتا اور میں وہ آئینہ بنتے بنتے بچی ہوں۔'' آ کاس کی نگاہوں میں' لہجے میں کہیں کوئی نرمی نہیں تھی جس نے گل رعنا کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا اور پھر وہ بہت خاموشی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی اور اپنے ساتھ آ کاس کا وہ خوف بھی لیتی گئی جس نے اس کی زندگی کو مطمئن ہونے سے روک رکھا تھا کہ کہیں اس کی دوستی کا کھوٹ آ کاس کو بابا کی نظروں سے نہ گرا دے۔

مگر برا بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن کی نیت وخیال برے ہوتے ہیں سو یہاں آ کاس کی توبہ و معافی قبول ہو چکی تھی اس کی اچھی نیت وخلوص اور سب

سے بڑھ کر اس کی صاف ستھری سوچ و عمل کے سبب اور عبس جس بات کی کھوج لگا رہا تھا اتنے دنوں سے اس کھوج کا اختتام اس رات ہوا تھا اور جس کا انکشاف اس کی ذات کو ہی نہیں روح تک کو ہلا گیا تھا اسی لیے آ کاس کے پلٹنے سے بھی پہلے وہ واپسی کے لیے مڑ گیا تھا' اپنی ذات و اعصاب پہ دو بوجھ لیے۔

❖......○......❖

آ کاس کے ذہن و دل سے بوجھ کیا ہٹا وہ ہلکی پھلکی سی ہوگئی۔ متحرک و پھرتیلی تو وہ پہلے بھی تھی اب رمضان کے آخری عشرے میں وہ اور بھی زیادہ مصروف تھی۔ اس آخری عشرے میں وہ زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ صلوۃ تسبیح پڑھ کر اٹھی تو عبس کو لاؤنج سے گزرتے اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھا......وہ ابھی کالج سے آیا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی چند لمحوں بعد وہ باہر آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک باکس تھا جس میں کباب' کیچپ' سلاد کے ساتھ بن موجود تھا۔ جسے لے کر وہ سیدھا عبس کے کمرے تک پہنچی اور کاریڈور کی صفائی کرتی ملازمہ نے فقط ایک نظر اسے اور اس کے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ آ کاس نے بند لبوں پر مسکراہٹ روکی اور دروازہ کھولتے اندر قدم رکھا۔ عبس جائے نماز سمیٹتے کھڑا ہو رہا تھا۔ آ کاس کو حیرت ہوئی تو نہیں چاہیے تھی کہ کبھی کبھار عبس اللہ کو یاد کر ہی لیتا تھا مگر چونکہ اب ذرا مستقل مزاج ثابت ہو رہا تھا تو حیرت تو تھی ہی۔

''یہ لو تمہارا لنچ......جلدی جلدی کرلو چار بجنے والے ہیں......تمہیں بھوک بھی لگ رہی ہوگی اور بابا جان بھی آتے ہی ہوں گے۔''

''نہیں میرا روزہ ہے آ کاس۔'' ٹوپی سر سے اتار کر تہہ کرتے عبس کو آ کاس نے حیرت سے دیکھا۔

''آج بھی......!''

''ہاں کیوں' کیا نہیں ہوسکتا؟'' سنجیدہ سے عبس کا

جیا نقوی......تلہ گنگ کی پسند

اُجڑ اُجڑ کے سنورتی ہے تیرے ہجر کی شام
نہ پوچھ کیسے گزرتی ہے تیرے ہجر کی شام
یہ برگ برگ اداسی بکھر رہی ہے مری !
کہ شاخ شاخ اترتی ہے تیرے ہجر کی شام
اُجاڑ گھر میں کوئی چاند کب اترتا ہے ؟
سوال مجھ سے یہ کرتی ہے تیرے ہجر کی شام
مرے سفر میں اک ایسا بھی موڑ آتا ہے
جب اپنے آپ سے ڈرتی ہے تیرے ہجر کی شام
بہت عزیز ہیں دل کو یہ زخم زخم رتیں
انہی رتوں میں نکھرتی ہے تیرے ہجر کی شام
یہ حادثہ شاید تجھے کردے گا
کہ مرے ساتھ ہی مرتی ہے تیرے ہجر کی شام

☆......☆......☆......☆
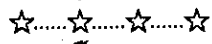
عائشہ سحر......بہاولنگر کی پسند

ایک شرارت کرتے ہیں
آؤ محبت کرتے ہیں
ہنستی آنکھوں سے کہہ دو
دریا ہجرت کرتے ہیں
کچھ دل ایسے ہیں جن پر
ہم بھی حکومت کرتے ہیں
کوئی بات تو ہے مجھ میں
دشمن عزت کرتے ہیں
زندہ رہنا ہے دشوار
اچھا ہمت کرتے ہیں
ویسے ہوتے نہیں ہیں لوگ
جیسی چاہت کرتے ہیں
اکثر اپنے آپ سے ہم
تیری شکایت کرتے ہیں

یہ روپ ناقابلِ فہم تھا۔
''تمہیں ہوسکتا ہے تمہارا بھی روزہ۔''
''میں نے کوچنگ اسٹارٹ کی ہے آ کاس میں وہیں جارہا ہوں افطار تک آجاؤں گا۔'' بال بناتے' کتابیں اٹھاتے عبس نے اسے دیکھا جو بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اس کی سرمئی آنکھوں میں ٹھہری حیرت سے نظریں چراتا باہر نکل گیا۔
''اسے کیا ہورہا ہے؟'' خودکلامی کرتے آ کاس نے لنچ باکس دیکھا جس کی اب شاید ضرورت نہیں پڑنی تھی عبس کے مزاج کے آثار تو یہی کہتے نظر آرہے تھے۔
وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ بس یہی ایک حیران کن منظر ہے تو اس خیال کی بھی نفی ہوگئی۔ آہستہ آہستہ اس کے دن کی ہی نہیں رات کی روٹین بھی بدل گئی۔ جب وہ بابا جان کے ساتھ عشاء کے ساتھ ساتھ تراویح پڑھنے کے لیے بھی بنا کوئی بہانہ کیے آرام وسکون کے ساتھ جانے لگا۔ عبس آ کاس کے لیے حیرت کا شاید کوئی سمندر بنانا چاہ رہا تھا جس میں اسے روز ایک ڈبکی لگانی تھی لیکن یہاں بھی اس کے لیے ایک غلط فہمی تیار تھی۔ عبس کے کالج ایگزامز کا رزلٹ اناؤنس ہوا تھا جس میں اس نے بہترین نمبرز کے ساتھ پروگریس لی تھی۔ بابا جان بہت خوش تھے' بار بار عبس کا کندھا تھپک رہے تھے' افطار کے بعد آ کاس گرین ٹی بنا کر لائی تو بابا جان اور عبس دونوں ہی کسی خاص موضوع پر بات کررہے تھے جو اسے دیکھ کر چپ ہوگئے مگر آ کاس کا دھیان لحہ بھر کو اس طرف ہوا تھا۔
''آؤ بھئی آ کاس تم سے بھی مجھے ایک بات کرنی ہے۔'' بابا جان نے اس کے لیے اپنے برابر جگہ بنائی تو وہ مسکراتی ہوئی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
''جی بابا جان۔''
''میں نے تم دونوں ہی کو اپنے بچوں کی طرح پالا ہے' تمہارے لیے ہر صحیح وغلط کو جانچ اور پرکھ کر تمہارے متعلق فیصلہ کیا ہے' تمہیں زندگی میں ایک کامیاب انسان بنا دیکھنے کی مجھے شدت سے خواہش ہے' اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم دونوں ایک مضبوط اور بھرپور زندگی بھی جیو اس لیے تمہارے مستقبل کا فیصلہ بھی میں نے کرلیا ہے لیکن یہ فیصلہ ایسا ہے کہ تم دونوں کی رائے کے بغیر کوئی بھی حتمی بات نہیں ہوسکتی۔'' بابا جان نے سنجیدگی سے دونوں کو دیکھا عبس کے تاثرات نارمل جبکہ آ کاس کے تعجب انگیز تھے پھر بابا جان نے جیسے دھماکہ کیا۔
''میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے۔'' آ کاس نے حیرت سے بابا جان کو دیکھا۔ بابا جان نے ہلکے سے مسکراتے اس کے تاثرات دیکھے۔
''میں چاہتا تو تمہارے لیے بہتر سے بہترین چوائس ہے بھی میرے پاس اور میں ڈھونڈ بھی سکتا ہوں مگر مجھے اپنی بیٹی اپنے پاس ہی دیکھنی ہے اور اس کے لیے عبس سے بہتر کوئی نہیں وہ تمہیں زندگی میں بھی کوئی کمی نہیں ہونے دے گا کیوں عبس......؟''
''مجھے آپ کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے بابا جان۔'' عبس کے مطمئن جملے پر آ کاس کی بندھی امید ٹوٹ گئی۔
''اور تم آ کاس......؟'' بابا جان نے اپنا مان بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تو آ کاس سر جھکا گئی مگر اسے سخت رونا آرہا تھا۔
جس شخص کو وہ اب تک بچوں کی طرح سمجھاتی آئی تھی اسی کے ساتھ وہ اب ساری زندگی کیسے گزارے گی؟ اس بات پر اس کا ذہن تو کیا دل بھی راضی نہ ہورہا تھا۔ بڑی مشکل سے تو وہ اپنی ذات ومقام تک واپس پہنچ پائی تھی اب پھر اس کی زندگی میں ایک نئے موڑ کا اچانک آغاز ہونے لگا تھا۔
''اس عید پر منگنی کرلیتے ہیں تم دونوں کی' باقی کے معاملات بعد میں طے کرلیں گے' شادی کے لیے میں عبس کے پوری طرح اسٹیبلش ہونے کا انتظار کروں گا'

ایسے ہی نکمے اور ناکارہ سے لڑکے کو اپنی بیٹی نہیں دوں گا میں......'' بابا جان کا موڈ حد درجہ خوشگوار تھا' آکاس نے اب تک اپنی زندگی میں بابا جان کو اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔

''صرف دو سال بابا جان' ایم بی اے کرتے ہی میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا بزنس میں تو آپ اس قدر لائق وذمہ دار لڑکے کے لیے دو دن بھی انتظار کرنا گوارہ نہیں کریں گے کہ کہیں اس قدر کامیاب لڑکے پر کسی اور کی نظر نہ پڑ جائے۔'' عبس کا مسکراتا لہجہ اور مضبوط انداز صرف بابا جان کو ہی خوش کر گیا تھا آکاس کو وہ اس سے پہلے زہر بھرا کبھی نہیں لگا تھا۔

''چلو یہ بھی دیکھ لیں گے فی الحال میں ذرا اپنی میلز چیک کرلوں پھر عشاء کے لیے ساتھ ہی چلیں گے۔'' بابا جان عبس سے کہتے اٹھے تو آکاس بھی ان کے ساتھ اٹھتی برتن سمیٹ کرنے لگی۔ عبس تنہا بیٹھا رہ گیا تھا۔

❖......○......❖

آکاس نے آج سے پہلے خود کو کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا' برتن کچن میں رکھتی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

''آخر بابا جان نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟'' یہ بات ایسی تھی کہ اس کے وجود میں بے سکونی بھر گئی تھی وہ دن بھر یہی سوچتی رہتی اور دل اتنا ہی بے سکونی کی کیفیت میں جکڑ جاتا' آخری عشرے کی راتوں میں وہ عبادت کرکے جو سکون حاصل کرتی وہ عبس کو دیکھ کر بے چینی و بے اطمینانی میں بدل جاتا۔ وہ بری طرح سے بے قرار تھی اور اوپر سے عید اور ان کی منگنی کی تیاریاں' بابا جان کا جوش و خروش عبس کی شاپنگ' یہ سب اس کا دل جلانے کو کافی تھا' مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی' مارے باندھے بابا جان کے کہنے پر ان دونوں کا ساتھ دیتی مگر دل تھا کہ خوش نہیں تھا حتیٰ کہ چاند نظر آ گیا......اب بھی وہ لان کی پچھلی سائیڈ پر آ بیٹھی تھی جہاں درخت نہ ہونے کے باعث آسمان صاف نظر آ رہا تھا وہ کتنی ہی دیر

پسند: اُمیمہ شاہ......واہ کینٹ

بہت ہی مدت کے بعد کل جب
کتابِ ماضی کو میں نے کھولا
بہت سے چہرے نظر میں اُترے
بہت سے ناموں پہ دل پسیجا
ایک ایسا صفحہ بھی اس میں آیا
لکھا ہوا تھا جو آنسوؤں سے
کہ جس کا عنوان ہم سفر تھا
یہ صفحہ ہی سب سے معتبر تھا
کچھ اور آنسو پھر اس پہ ٹپکے
پھر اس سے آگے
میں پڑھ نہ پایا
کتابِ ماضی کو بند کر کے
اسی کی یادوں میں کھو گیا میں
اگر وہ ملتا تو کیسا ہوتا
انہیں خیالوں میں سو گیا میں

خالی الذہن بیٹھی رہی چونکی تب جب عبس بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا اور آکاس نے اس آنکھ مچولی کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

''مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ اچانک سے بابا جان کو تمہارے اندر ذمہ دار لڑکے کی روح کیسے نظر آنے لگی جو انہوں نے یوں اچانک اس قدر بڑا فیصلہ کرلیا...... یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارا میرا جوڑ کہیں سے بھی نہیں بنتا اور نہ ہی میں نے آج تک اس طرح سے کبھی سوچا......''

آکاس بس کچھ دیر کی ہی خاموشی کو برداشت کرسکی تھی اور عبس آکاس کے لہجے میں موجود غصے' دکھ اور افسوس کو محسوس کرتے لب بھینچ گیا۔

''کبھی کبھی بدلنے کے لیے انسان کو ٹھوکر کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی منہ کے بل گرنے کی وہ بھی اپنی ہی نظروں میں......'' عبس کے سنجیدہ الفاظ آکاس کو ساکت کر گئے۔ اس کے محسوسات' اس کے خوف کا

اور اک کس قدر حیران کن طور پر عبس کی ذات پر بھی اترا تھا مگر یہ کس طرح ممکن ہوا...... کیا اس کی طرح اس سے بھی کوئی غلطی۔

''تم نے ٹھیک کہا کہ میں بالکل بھی ذمہ دار نہیں' مجھے سمجھنے کے لیے بھی تو تمہارے لفظوں کی ضرورت پڑتی ہے میرا تمہارا جوڑ بھی ٹھیک نہیں کہ تم زندگی کے ہر لمحے کو سوچ سمجھ کر گزارتی ہو اور میں تفریحات میں ضائع کرنے کا شوق رکھتا ہوں...... لیکن تم میں اور مجھ میں ایک قدر تو مشترک ہے کہ ہم دونوں ہی ایک ہی درخت کی ڈالی کے پتے ہیں' پتے بھی وہ جو نہ ڈالی سے ٹوٹ کر زمین پر بکھرے ہیں اور نہ ہی پوری طرح ڈالی سے جڑے ہرے بھرے ہیں......'' عبس سامنے دیکھ رہا تھا لیکن آکاس کی حیرت بھری نظریں اسی پر جمی تھیں۔

''جن بچوں کے ماں باپ نہ ہوں ان کی زندگی کا ہر لمحہ قابل گرفت ہوتا ہے...... سو بابا جان نے ان لمحوں پر اپنی گرفت رکھی تاکہ ہم بگڑ نہ جائیں' لیکن ایسے بچے محرومی کا شکار کچھ ضدی اور کچھ اکڑ والے بھی ہوتے ہیں۔ اپنے اردگرد باندھے گئے حصار کو توڑ دینے والے اور میں بھی ایسا ہی تھا' پابندی سے روک ٹوک سے مجھے گھبراہٹ ہوتی تھی لیکن میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ یہ پابندی میری حفاظت کا ایک ان دیکھا حصار ہے' جسے گھبرا کر توڑ دینے سے' بھاگ نکلنے سے میری عزت و آن پر حرف پڑتا' میرے دوست میرا مذاق اڑانے لگے تھے لیکن باوجود غصے کے میں کبھی نہ انہیں ٹوک سکا اور نہ ہی ان سے کنارہ کش ہو سکا' فقط اپنی ذات کی خوشی کے لیے لیکن آنکھ تو کبھی کھلنی ہی تھی سو جب میرے بہترین و مخلص دوستوں نے مجھے ڈرنک کی آفر دی اور تب مجھے اس پابندی کے حصار کا احساس ہوا......'' وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

''میں کتنی بڑی غلطی کرتا رہا تھا وہ لوگ جو مجھ سے مخلص نہیں تھے ان کے ساتھ ساتھ ہی رہا اور جو مجھ سے مخلص تھے محبت کرتے تھے ان سے دور بھاگتا رہا۔'' عبس کی نم آواز آکاس کا دل جکڑنے لگی۔

''اور میں نے اپنی اس غلطی کی سزا پائی اور اپنے دوستوں کے ہاتھوں اوندھے منہ گرنے کی یہ سزا اس قدر بڑی نکلی کہ پھر پابند ہونے کی گھبراہٹ سے میں نکلتا گیا کیونکہ پابندی اگر انسان کی طرف سے ہو تو بندہ دنیا کی غلط و گندی نگاہوں سے بچ نکلتا ہے اور اگر رب کی طرف سے عائد پابندی کے حصار میں ہو تو دنیا میں صحیح و غلط کی تمیز و پہچان رکھتا' آخرت میں سرخروئی حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے میں رب کی طرف سے ہی پابند ہونے لگا' روزہ رکھ کر اور اس عبادت کی لذت کو دل و روح سے محسوس کیا جسے نہ کوئی چھو سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔'' آکاس کو لگا اس کا لہجہ بھیگ رہا ہے...... خود اس کا دل بھی عبس کے دھیمے لہجے کی پھوار میں بھیگ رہا تھا اس نے بے اختیار اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا...... عبس نے اسے دیکھا اور تبھی ہوا کے ایک تیز جھونکے کے ساتھ ہلکی ہلکی ٹھنڈی نم پھوار نے ان دونوں کے چہروں کو بیک وقت چھوا۔

''تمہارے ساتھ میرا رشتہ بہت خاص رہا ہے آکاس' یہ ٹھیک ہے کہ تمہاری ہی طرح میں نے بھی کبھی اپنے اور تمہارے تعلق کو دوست اور کزن کے علاوہ کسی اور رشتے کی نظر سے نہیں دیکھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں نے اپنے دل کو تمہاری طرف جھکتا پایا اور یہ کب ہوا یہ میں تمہیں تب بتاؤں گا جب تم مجھے یہ بتاؤ گی کہ تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں......'' عبس نے سنجیدہ لہجے میں کہتے اس کی سرمئی آنکھوں میں جھانکا تو وہ بے اختیار نظریں چراتی اس کے کندھے سے اپنا ہاتھ ہٹا گئی تھی۔

''آکاس......'' عبس نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھاما کہ اس کے لہجے میں' اس کی باتوں میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی کہیں کوئی لاابالی پن نہیں دکھا تھا...... جس پر آکاس بھی حیران ہوئی تھی لیکن جس طرح سے آکاس نے خود پر بیتا زندگی کا ایک بدترین اور برا لمحہ سہا تھا......
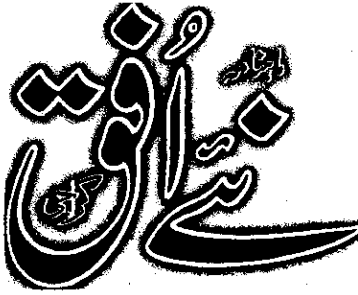
ٹھیک اسی طرح عبس بھی لمحوں کے برے کھیل میں جکڑ کر وہ سنہری کنجی حاصل کرچکا تھا' جو رہنما تھی صحیح راستے کی اور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو عبس بغور دیکھ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں آکاس کہ میرا غیر ذمہ دار رویہ اور بچکانہ پن تمہیں ہاں نہیں کہنے دے رہا مگر تم یقین رکھو میں ایک ذمہ دار انسان بن کر ہی تمہیں اپناؤں گا' اس کے لیے تمہیں مجھے ذرا وقت دینا ہوگا تا کہ میں اپنے عمل سے تمہیں ثابت کر کے دکھاؤں مگر میرے بچکانہ مزاج......'' وہ جان بوجھ کر لمحہ بھر کو رکا' آکاس نے بے ساختہ اسے دیکھا۔

''اس کا کیا......'' آکاس کا یہ بے ساختہ پن عبس کا دل ہلکا پھلکا کر گیا۔

''اس سے تمہیں سمجھوتہ کرنا پڑے گا......آئی ایم سوری آکاس اس کے لیے......'' نفی میں سر ہلاتے اس کے مزاج و لہجے میں پرانا رنگ جھلکا تو آکاس نے خفگی سے ہاتھ چھڑائے۔

''اسی لیے تو مجھے یہ سوچ کر رونا آرہا تھا کہ تم سے شادی کے بعد ساری زندگی مجھے تمہارا بچوں جیسا انداز برداشت کرنا پڑے گا۔'' آکاس نے انجانے میں ہی اپنے ناراض لہجے سے اپنے اقرار کا اعتراف کرلیا تھا۔

عبس بے ساختہ ہنس دیا تھا اور اس کے ہنسنے پر آکاس ذرا بھر چونکی اور پھر اپنے ہی جملوں پر غور کر کے شرمندہ ہوئی اور ان سرمئی آنکھوں کے آئینے پر ابھرتی شرمندگی پر عبس کو بے اختیار ان روتی آنکھوں کا پانی یاد آ گیا تھا اور ساتھ ہی ان لمحوں میں دل کے ٹھہر جانے کا احساس بھی۔ پھوار تیز ہونے لگی تو نمی ان دونوں کے چہروں پر بھی ٹھہرنے لگی تھی۔ عبس نے ہاتھ بڑھا کر آکاس کی آنکھوں پہ ٹھہری نمی کو سمیٹا تو آکاس ذرا بھر جھجک کر پیچھے ہوتی اسے دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھوں سے محبت کی ست رنگی شعاعیں نکلتی آکاس کے دل تک سفر کرنے کو بے چین تھیں۔

"اگر کسی کی تکلیف پر آپ کا دل بے چین ہونے لگے ناں تو جان لینا چاہیے کہ وہ شخص بہت خاص ہے......اس دن تم بھی تو میرے لیے کچن میں بیٹھی رو رہی تھیں ناں آکاس کہ تم مجھے بابا جان کی ڈانٹ سے بچا نہیں سکی تھیں۔ اسی دن میں نے جان لیا تھا کہ......"

"نہیں......وہ تو میں عبس......" آکاس گڑبڑاتے ہوئے اس کی بات کاٹ گئی کیونکہ ان لمحوں کی کیفیت و درد ہی کچھ اور تھا۔

اور آج دل کی کیفیت و ماحول کچھ اور وہ بات نہ بنا پا رہی تھی اور عبس وہ تو اب اس کے دل کے ہر راز کا امین تھا اسی لیے اس کی مشکل آسان کر گیا۔

"اس دن بے شک تم نے سچ کہا یا جھوٹ...... مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ اس دن میں تمہاری ان آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا تھا' جہاں ہر عکس صاف شفاف پانی کی طرح جھلکتا ہے......" عبس نے جیسے اپنے دل کی بات کہنے کی ابتدا کی' ابر رحمت نے بھی تیزی و جوش دکھایا۔

سبزے کے چاروں طرف تیز تیز بارش کے قطرے گر رہے تھے اور عبس اس سے کہتا رہا...... وہ سب جو اس نے محسوس کیا اور یہ تو اس کے دل کے خوشگوار احساسات تھے جن کا رنگ آکاس کے چہرے پر چھلکتا عبس کے دل کو مخمور کرتا اسے حیران بھی کر رہا تھا۔

محبت واقعی لمحوں کا کھیل ہے...... وہ جان گیا تھا لیکن وہ اگر نہیں جان پایا تھا تو اپنے بابا جان کو نہیں جان پایا تھا۔ اسے ان خوب صورت لمحوں میں بھی وہ رات نہیں بھول پا رہی تھی۔ جب وہ ہمیشہ کی طرح اپنے مخصوص وقت میں اپنی مخصوص جگہ پر کھڑا تھا...... وہی مانوس اندھیرا' وہی مانوس لکیر......اگر کچھ نیا تھا تو اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی اور چہرے پر اپنی ذات کے بکھر جانے کے تاثرات۔

"کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آزادی کا دلدادہ ہونے کے لیے خواہش' مجھے یوں اپنی ہی نظروں میں گرا دے گی اور یہ عمل مجھے اس طرح سے توڑ کر رکھ دے گا......آج میرے مخلص دوست نے مجھے شراب پینے کی ترغیب دی کل وہ مجھے اس سے بڑھ کر برا کرنے کو کہتے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ کوئی غلط فعل کرنے کو کہتے میری تو پوری لائف ہی برباد ہو جاتی...... میں تو کب سے یہ سوچ سوچ کر اندر ہی اندر ڈوبتا رہا ہوں کہ میری اس خواہش کا نتیجہ کس قدر بھیانک نکلتا۔" اس نے شرمندگی و دکھ سے سر جھکایا تو روشنی کی مخصوص لکیر اس کے سر پر سے سفر کرتی آکاس کے چہرے کو ابھارنے لگی۔ عبس نے سر اٹھاتے اس کی تصویر کو دیکھا' دل میں درد گہرا ہوا۔

"اور تم اسی لیے تو مجھے منع کرتی رہی میری غلط روش پر کہ تم نے بھی اپنی ذات پر اترتے اس عذاب کو جھیلا تھا......جس کا اثر روح تک کو محسوس ہوتا ہے...... جیسے میں نہیں جھیل پا رہا ہوں فقط ان چند گھنٹوں میں تو تم نے کیسے اتنے عرصے اس عذاب کو جھیلا ہے...... اف آکاس کاش میں تمہاری بات مان جاتا...... کاش میں "اس وقت" کے آنے سے پہلے ہی سمجھ جاتا...... کاش......" دھیما سرگوشی جیسا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"اللہ نے تو تمہیں وقت کے ذریعے ایک ہلکی سی ٹھوکر دے کر بچا لیا' تو پھر شکر ادا کرو اس کا کیونکہ شکر گزاری کے آنسوؤں میں ہی زندگی بھر کی فلاح ہے۔" سنجیدہ بارعب سی آواز عبس کا حلق خشک کر گئی۔ آنسو وہیں ٹھٹھر سے گئے۔ وہ ہل تک نہ سکا۔ تب بابا جان اس کے ساتھ آ کھڑے ہوئے۔

"مجھ سے مت ڈرو عبس' اگر ڈرنا ہے تو اللہ سے ڈرو کیونکہ چھپ کر کام کرنے کا عمل ہو یا کھلے عام دونوں ہی افعال اس رب کی ذات کی نظر میں ہوتے ہیں......" جھکا سر بابا جان کی اس بات پر اٹھا۔

"جب بچوں کو اپنے ہاتھوں سے پالا جاتا ہے تو ان کی نگاہ جنبش تک پر ماں باپ کی نظر ہوتی ہے تو پھر تو میں تمہارا بابا جان ہوں...... میں سب جانتا ہوں' یہ بھی کہ تم

رات کو کب سوتے ہو' کب کالج کی کلاسز بنک کرتے ہو اور کب کب تم نے اپنے باپ سے میری شکایتیں کی ہیں اور یہ بھی کہ کس طرح سے آج تم ایک برا فعل کرنے سے بچے ہو...... بالکل اسی طرح جس طرح سے آکاس ایبٹ آباد میں ایک برے حادثے سے بچی تھی۔"

"بابا جان......!" بے یقینی سے عبس نے اندھیرے میں ان کے نقوش دیکھنے چاہے...... دل تھا کہ کہیں گہرائی میں جا ڈوبنے لگا تھا۔

"تم سوچ رہے ہو گے کہ سب جانتے ہوئے بھی میں نے تم دونوں کو کچھ نہیں کہا تو صرف اس لیے کہ میں چاہتا تھا کہ تم دونوں کا اپنی ذات پر اعتماد دوبارہ بحال ہو اور تم دونوں ہی اپنا اپنا مقام پہچانو اور آکاس تو اپنا اعتماد و مقام تو حاصل کر گئی ہے مگر تم یہ نہیں کر پا رہے تھے اسی لیے مجھے آنا پڑا......" عبس سانس روکے انہیں سن رہا تھا۔

"زندگی میں غلط دروازے ہر کسی کے لیے کبھی نہ کبھی کھلتے ہیں لیکن جب بھی انسان کو اس غلط دروازے کا احساس ہو اور وہ پلٹ کر آگے آنے کے بجائے واپس چلا جائے تو اپنے پیچھے اس دروزے کو سختی سے بند کرتا آئے تاکہ کبھی بھی وہ دوبارہ نہ کھل سکے...... سمجھ رہے ہوناں میری بات۔" وہی بارعب آواز سنجیدہ لہجہ تھا مگر اس میں چھپی نرمی و شفقت پہلی بار عبس کو محسوس ہوئی تھی...... اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔

"جی بابا جان۔"

"گڈ......" وہ اس کا کندھا تھپکتے پلٹنے لگے کہ عبس نے ان کا ہاتھ تھاما اور بے ساختہ ان کے گلے لگ گیا۔

"آئی ایم سوری بابا جان...... آئی ایم رئیلی سوری۔"

بابا جان کی آنکھیں اس کی بھیگی شرمسار آواز کو سن کر نم ہونے لگیں تھیں...... مگر انہوں نے کچھ اور کہا۔

"میری بیٹی کے قابل ہو جاؤ' مسٹر عبس تاکہ تمہیں رات کو چھپ کر اس سے باتیں کرنے اور دیکھنے کے لیے یہاں نہیں آنا پڑے۔" عبس کے لیے ان کا مسکراتے لہجے والا یہ جملہ تابوت پر لگی آخری کیل ثابت ہوا...... وہ جھٹکے سے ان سے الگ ہوا۔ حیرت در حیرت اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگی تھی جسے بابا جان نے نظر انداز کیا۔

"مگر بس ساری زندگی یہ خیال رکھنا کہ آکاس جس بات کو چھپاتی آئی ہے اسے کبھی اس پر ظاہر نہ کرنا' انجانے میں ہوئے اس حادثے کا پردہ جب اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے تو وہ پردہ اب رہنا چاہیے تاکہ اس کا اعتماد و یقین بھی سلامت رہے' بکھرنے نہ پائے کیونکہ بیٹیوں کے سر ڈھکے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔" اور عبس نے اس رات ان سے وعدہ کیا تھا جواب اسے دل و جان سے نبھانا تھا ساری عمر۔ جس کے لیے وہ بخوشی تیار تھا۔

برستی بارش میں آکاس کے ہمقدم چلتے اس نے بے حد مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھاما اور خوش دلی و محبت سے اسے دیکھ کر سوچا۔

"اس بھیگی برسات اور عید پہ مجھے میری منزل مل گئی ہے آکاس......" اور لحہ بہ لحہ اس کے طرز عمل اور جملوں پر حیران ہوتی آکاس اپنی زندگی کے ان انوکھے لمحوں میں مسکرا دی تھی۔

بے حد پُرسکون سی اپنے دل کے تمام تر اطمینان کے ساتھ...... کہ عید سے پہلے ایک انوکھی' چمکتے تاروں سے بھری عید اس کے من آنگن میں آ کر ٹھہر گئی تھی...... عمر بھر کے لیے۔

قسط نمبر 18

نائلہ طارق

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زنائشہ شہرام کے گھر والوں کو قبول کرلیتی ہے اس کی نظر میں وہ لوگ عرش کے محسن تھے جن کی وجہ سے عرش کو ایک بار پھر زندگی ملی ہوئی ہے اب اس گھر سے زنائشہ اور عرش دونوں کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ شہرام بھی اپنے گزشتہ رویے کی معافی زنائشہ سے مانگتے سحر سے اس کی رخصتی کی بات کرتے زنائشہ کو بھی حیران کرجاتے ہیں۔ زرکاش کو احساس ہوجاتا ہے کہ وہ دراج کے ساتھ غلط کرگیا ہے جب ہی اسے منانے ہاسٹل پہنچتا ہے پر دراج زرکاش کو اس کے تمام تر تحائف واپس کرکے سب بھول جانے کا کہتی ہر تعلق ختم کردینے پر اسے ششدر کرجاتی ہے۔ سحر شہرام اور عرش سے رخصتی کے لیے وقت مانگتی ہے اسے شادی کے حوالے سے تھوڑی خریداری کرنی ہوتی ہے۔ عرش نیم رضامندی سے اجازت دے دیتا ہے۔ رجاب شہرام کے بچوں حسن اور حسین کو ٹیوشن پڑھانے آجاتی ہے دراصل وہ شقران سے بدلا لینا چاہتی ہے جبکہ وہ امام کو بھی پہچان جاتی ہے کہ حادثہ کے وقت وہ بھی شقران کے ساتھ موجود تھا لیکن انتقام وہ صرف شقران سے لینا چاہتی ہے۔ صبغہ زرکاش کی محبت کی خاطر نرم پڑتی ہے اسے شادی کے لیے ہامی بھرلیتی ہے لیکن ساتھ ہی گھر میں ابھی اس ذکر سے منع کردیتی ہے اس کے خیال میں بھائی بہنوں میں اس کی شادی کو لے کر اختلاف مزید پھیل سکتا تھا زنائشہ دراج سے ملنے آتی ہے تب دراج اسے اپنے اور زرکاش کے بارے میں بتا کر پریشان کردیتی ہے جس پر زنائشہ اسے سمجھاتی ہے کہ وہ زرکاش کے ساتھ غلط کرنے کے ساتھ خود کو بھی اذیت دے رہی تھی۔ عرش زنائشہ کو اپنے ساتھ ساحل سمندر پر لے آتا ہے اور ماضی کی باتیں یاد کرتے دونوں آنے والی زندگی کے بارے میں پرامید ہوتے ہیں زنائشہ کو اب شہرام کی ناراضگی کی بھی پروا ہوتی ہے اور وہ عرش سے اس حوالے سے بات کرتی اسے حیران کرجاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......۞......❁

"مجھے تو کوئی چیز ایسی سمجھ نہیں آرہی تھی جو تمہارے شایانِ شان ہوتی، یہ کنگن بھی تمہارے ہاتھوں میں سج کر آنکھوں میں جچ رہے ہیں۔" کنگن پہنا کر عرش نے اس کی خوشی سے جگمگاتی آنکھوں میں دیکھا۔

"میرے لیے یہ تحفہ اسی قدر قیمتی اور جان سے پیارا ہے جتنا کہ ماما کی یہ انگوٹھی۔" دھیمے لہجے میں کہتی زنائشہ نے اپنی انگلی میں دمکتی انگوٹھی کو دیکھا۔

"اب اگر تم مجھے زندگی بھر کوئی تحفہ نہ دو تو بھی مجھے کوئی گلہ نہ ہوگا، تم نہیں جانتے میں کس قدر خوش ہوں.....' اس کا کھلتا چہرہ اور جلترنگ بکھیرتی ہنسی سے اس کی بے تحاشہ خوشی کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔ کھانے کے دوران آنے والی فون کال کو وہ چاہتے ہوئے بھی نظر انداز نہ کرسکا تھا۔

"عرش...... مجھے فوری طور پر زنائشہ سے ملنا ہے، بہت ضروری بات کرنی ہے، پرسنل ہے اس لیے شہرام سے کہنا مناسب نہیں لگا۔" رسمی سلام دعا کے بعد زرکاش نے مقصد بیان کرنے میں دیر نہیں کی۔

"ٹھیک ہے، میں ایک گھنٹے بعد گھر پہنچ رہا ہوں پھر کال بیک کروں گا۔" مختصر بات کرکے اس نے رابطہ منقطع کردیا۔

''تم رجاء کے بارے میں کوئی بات کررہی تھیں، ابھی یاد آیا۔'' اس کی سوالیہ نظریں اگنور کرتا وہ بولا۔
''عرش..... وہ تم سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف لگتی ہے اور مجھے یہ قطعی پسند نہیں۔'' وہ خفیف سا ہوکر بولی۔
''ابھی یہ سب بھی ہونا ہے ہمارے درمیان؟'' عرش نے حیرت سے اسے دیکھا۔
''یہ ہمیشہ ہوگا ہمارے درمیان، میرے سامنے کوئی اور لڑکی تم سے بے تکلف ہوگی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مجھ پر کوئی اثر نہ ہو، بے شک وہ بہت اچھی ہے مگر......''
''میں اب احتیاط کروں گا۔'' وہ درمیان میں بول اٹھا۔
''ویسے یہ اچھا ہے، اس بہانے تم مجھ پر زیادہ نظر رکھوں گی، میں تو یہی چاہتا ہوں۔'' مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ بولا۔
''عرش..... ایک بات کہوں تم سے؟''
''زنائشہ..... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ ضرور کہو۔'' عرش کے کہنے پر وہ فوری طور پر کچھ نہ بول سکی۔
''مجھے اندازہ ہے کہ میری وجہ سے سب کے سامنے تمہیں شرمندگی ہوئی، بہت رنج بھی ہوا..... مگر مجھے واقعی اس وقت کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا کہنا چاہیے، دراج کے دماغ پر وہی باتیں سوار تھیں جو تمہارے فون پر میں نے اس سے کی تھیں، وہ اس حقیقت سے واقف نہیں تھی کہ میرا ارادہ بدل چکا ہے، میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتی...... اسے کچھ بتانے کا مجھے موقع بھی نہیں ملا۔ اپنے طور پر وہ میرے لیے سب پر حاوی ہونا چاہتی تھی، وہ بہت جذباتی ہوچکی تھی اور مجھ سے اس صورت حال میں اتنی بڑی غلطی ہوگئی...... آج جب ساری حقیقت میں نے دراج کو بتائی تو کتنی ہی دیر تک ہم دونوں ایک دوسرے سے نظر بھی نہ ملا سکے تھے۔'' وہ ندامت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
''بے شک دراج نے کبھی مجھے تنہا نہیں چھوڑا مگر ہمیشہ کی طرح زندہ رہنے کے لیے میں نے اپنے لیے کنواں خود ہی کھودا ہے، زرکاش ہوں یا دراج، میں نے کبھی ایسا کوئی احسان ان سے نہیں لیا جس کے عوض مجھے اپنی خودداری کو نظر انداز کرنا پڑتا یا میں تم پر ان دونوں کو ترجیح دینے پر مجبور ہوتی......''
''مزید کسی وضاحت کی اب تمہیں بھی ضرورت نہیں اور مجھے یقین بھی ہے کہ تمہاری خاموشی بھی میرے حق میں تھی، دراج نے جو کیا تمہارے لیے کیا، بے خبری میں کیا، تمہارے لیے تو میں قتل کا الزام بھی اپنے سر لے سکتا ہوں۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر وہ تشکر آمیز نگاہوں سے بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

❁......◉......❁

گرین ایریا میں موجود رجاء کے ساتھ امام کے متوجہ کرنے پر عرش نے وہیں گاڑی روک لی تھی۔
''کیسی ہیں آپ' دوست خیریت سے ہیں آپ کی' واپسی میں کافی دیر کردی آپ نے؟'' بڑی لگاوٹ سے سوال کرتے امام نے زنائشہ کا اعتماد ڈوانواڈول کیا۔
''ہاں..... وہ میری دوست نے ہی روک لیا تھا ہاسٹل میں......'' گڑبڑا کر کہتے ہوئے اس نے ایک نظر قریب آتے عرش کو دیکھا۔
''اچھا لیکن مجھے تو پتہ ہے آپ کہاں سے آرہی ہیں، ہاسٹل سے تو بالکل نہیں آرہیں۔'' امام کے فوراً کہنے پر وہ دنگ ہوئی۔
''امام..... باز آجاؤ۔'' زنائشہ کے تاثرات پر رجاء نے ہنستے ہوئے امام کو گھرکا۔
''میں کیا کروں، مجھے سچ خود بخود پتہ چل جاتا ہے۔'' امام ڈھٹائی سے کہتا عرش کو دیکھ رہا تھا۔
''ان کو جھوٹ بولنا تو سکھا دو ورنہ اگلی ڈیٹ پر تم دونوں کے ساتھ تمہارے بھائی بھابی بھی موجود ہوں گے۔'' امام کے شرارتی لہجے نے زنائشہ کو شرمندہ کیا۔
''تم دونوں ایک ساتھ یہاں کون سے گل کھلا رہے ہو؟'' عرش نے مشکوک نظروں سے امام اور رجاء کو دیکھا۔

''عرش...... میں اس کا ضمیر جگا رہی ہوں کہ یہ جاب حاصل کرے ورنہ مجھے بھول جائے۔'' رجاء بولی۔
''امام...... اچھا موقع ہے، بھول جاؤ، جان چھڑاؤ......''
''عرش......'' رجاء احتجاجاً چیخی۔
''زنائشہ...... آپ اس بے وقوف لڑکی کو سمجھائیں کہ میں نے جاب جس دن شروع کی آپی دوسرے ہی دن میری شادی کروادیں گی اور جس سے شادی ہوگی وہ اس کے علاوہ کوئی بھی لڑکی ہوسکتی ہے۔''
''ظاہر ہے تمہاری بہن تو مجھ سے خار کھائے بیٹھی ہیں، میں کہاں ان کی نظروں میں سما سکتی ہوں۔'' رجاء نے جل کر امام کی بات کاٹی۔
''رجاء...... تم بھابی سے صلح کرلو، وہ بہت اچھی ہیں، مان جائیں گی۔'' زنائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''یہ بات میں ہزار بار اس سے کہہ چکا ہوں، اسے پتہ ہے کہ میرے گھر میں آپی کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز ادھر سے ادھر نہیں ہوسکتی۔ یہ ان کو راضی کرلے میں جاب اسٹارٹ کردوں گا۔'' امام بولا۔ تب ہی اس کی نگاہ زرکاش تک گئی، فوراً ہی وہ ان سب کے درمیان سے نکلتی زرکاش کی جانب بڑھ گئی۔
''یہ کون ہے؟'' امام نے حیرت سے زنائشہ کے مقابل کھڑے زرکاش کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''جو بھی ہے، بہت اہم ہے، نظر نہیں آرہا تمہیں۔'' ناگوار تاثرات کے ساتھ اس جانب سے رخ پھیرتا عرش بولا جب کہ رجاء اور امام دونوں کے چہروں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
''تم اسے سمجھا سکتی ہو زنائشہ، وہ تمہاری بات نہیں ٹال سکتی، اس سے کہو کم از کم وہ میری بات تو سننے کے لیے راضی ہوجائے۔ نہ میری کال ریسیو کرتی ہے میں یہاں تک مجبور ہوگیا کہ اماں کو بھی اس کے پاس بھیج چکا ہوں۔ مگر وہ اس کی بھی نہیں سن رہی، اس سے پوچھو کہ آخر وہ میرے ساتھ کرنا کیا چاہتی ہے، میری ایک غلطی نے اس کے دل کو اتنا سخت کردیا ہے کہ وہ میری آواز تک سننے کی روادار نہیں۔'' زرکاش کی پریشانی اور اضطرابی کیفیت زنائشہ کو بھی از حد پریشان کرگئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہہ کر زرکاش کو مطمئن کرے حالانکہ اس نے آج ہاسٹل میں دراج سے ہونے والی ساری گفتگو سے زرکاش کو آگاہ کردیا تھا۔
''میں اسے دوبارہ سمجھانے کی پوری کوشش کروں گی......''
''صرف کوشش نہیں کرنی، اس سے کہو کہ میری آزمائش کو مزید طول نہ دے، ورنہ ڈھونڈتی رہ جائے گی وہ مجھے۔'' زرکاش فوراً بولا۔ ''بہت آزمالیا اس نے میرے ضبط کو لیکن اب میرے صبر اور ضبط کی حد ہوچکی ہے...... میں ابھی رائمہ کی طرف سے آیا ہوں، لیکن وہ بھی دراج کو راضی نہیں کرپائی، میں رائمہ سے معافی بھی مانگ چکا ہوں، یہ کام مجھے کرنا ہی تھا، رائمہ نے میرے سامنے اسے کال کی مگر وہ رائمہ سے میرے بارے میں کوئی بات تک نہیں سننا چاہتی، اس سے پوچھو کہ وہ مجھے اور کہاں تک ذلیل وخوار کرے گی، اب اور کیا کروں میں اسے راضی کرنے کے لیے...... اس کے لیے میری ماں راضی ہوگئی ہیں، اس نے میرے میسجز ضرور پڑھے ہوں گے وہ یہ جان چکی ہے، اماں نے بھی اسے یہ بتایا ہے مگر پھر بھی وہ پگھلنے کے لیے تیار نہیں...... اگر اس کے دل میں میرے لیے کچھ باقی نہیں رہا ہے تو وہ یہ سچ تمہیں ہی بتادے......''
''آپ ایسا مت سوچیں...... وہ جذباتی ہے، ضد میں آگئی ہے مگر خود بھی خوش نہیں ہے۔ حال سے بے حال دیکھا ہے میں نے اسے...... آپ مجھے کچھ وقت دیں، میں ابھی اسے کال کرتی ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات سنے گی۔''
''زنائشہ...... میں اس طرح تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا، پہلے ہی دراج کی وجہ سے تمہیں اور عرش کو بہت پریشانی اٹھانی پڑی تھی، میں یہ بالکل نہیں چاہتا کہ میری یا دراج کی وجہ سے تمہارے گھر میں کوئی کشیدگی ہو مگر تم سے مدد مانگنے کے سوا میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔'' زرکاش کی باتوں کے درمیان ہی اس کی نظر وہاں سے گزرتے عرش پر پڑی اور ایک پل کو اس کا دھیان زرکاش کی طرف سے ہٹ گیا تھا، اسے بہت عجیب لگا عرش کا یوں نظر انداز

کر کے چلے جانا، عرش کے ساتھ امام بھی تھا، کچھ ہی دیر میں اس نے دیکھا عرش کی گاڑی واپس گیٹ سے نکل گئی تھی۔
"تمہارے پاس صرف کل تک کا وقت ہے، اسے بتادینا کہ میں کل ہاسٹل کے باہر اس کا انتظار کروں گا، اس وقت تک وہاں موجود رہوں گا جب تک وہ ہاسٹل سے باہر نہیں آئے گی۔ دوبارہ پلٹ کر وہ ہاسٹل کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں، یہ بات میں رائمہ کو بھی بتاچکا ہوں، امی نے تلقین کی ہے کہ میں اب دیر نہ کروں، اس سے کہہ دینا کہ کل اگر اس نے میرے انتظار کی حد کردی تو پھر جو ہوگا اس کی ذمہ دار وہی ہوگی۔" زرکاش کے سنگین ارادے بھانپ کر اس کا دل ہول اٹھا، ایک اچھے خاصے، سلجھے دھیمے مزاج کے انسان کو اپنی ضد میں وہ کس مقام پر پہنچا چکی تھی۔ سناٹے میں گھری وہ واپس جاتے زرکاش کو دیکھتی سوچوں میں گم تھی۔ جب رجاء کی آواز نے اسے چونکایا۔
"وہ دونوں حضرات تو تمہارے انتظار سے بیزار ہو کر چلے گئے، میں ہی تنہا سو کھ رہی ہوں...... ویسے یہ کون تھے؟"
"عرش نے کچھ کہا تھا جاتے ہوئے؟" وہ بغور رجاء کو دیکھتی اس کا سوال نظر انداز کر گئی۔
"نہیں مگر اس کا موڈ ضرور خراب ہو چکا تھا، خیر تم ٹھیک کردو گی مجھے پتہ ہے۔ یہ بتاؤ کیسا وقت گزرا کہاں کہاں گئے تم دونوں؟"
"رجاء...... کچھ دیر بعد ٹیرس پر ملو پھر سب بتاتی ہوں، ابھی گھر جاتی ہوں، سب انتظار کر رہے ہوں گے۔"
"ٹھیک ہے چلو پھر......" وہ بخوشی اس کے ساتھ ہی چل دی تھی۔

❀......❀......❀

ایک اور رات کانٹوں پر چلتے ہوئے، ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں پلکوں سے چنتے، چنتے بیت گئی، وہ جانتی تھی کہ اپنے فیصلے پر قائم رہنا دہکتے انگاروں پر چلتے رہنے کے مترادف ہوگا، وہ جانتی تھی کہ زرکاش سے منہ موڑ کر اس کے بغیر جینا تو کیا سانس لینا بھی ناممکن ہو جائے گا، مگر عزت نفس اور انا کی مضبوط دیواریں ارد گرد کھڑی ایک انچ بھی اپنے فیصلے سے آگے پیچھے ہونے سے روک رہی تھیں، رائمہ کی التجائیں، غصے اور جذباتی دباؤ میں بدلیں تو دوبارہ اس نے رائمہ کی کال ہی ریسیو نہیں کی مگر گھبراہٹ کو کم کرنے کے لیے، مکمل ٹوٹ کر بکھرنے سے خود کو روکنے کے لیے ایک زنائشہ کی آواز ہی اس کے لیے غنیمت تھی، ورنہ حبس زدہ رات میں کسی بھی وقت ہاسٹل کی سائیں سائیں کرتی دیواروں کے درمیان اس کا دم گھٹ جاتا، ساری رات زنائشہ اسے سمجھاتی رہی تھی، زرکاش کی تمام اچھی باتیں اسے یاد دلاتی رہی تھیں مگر اسے یہ بھی ہمیشہ یاد رہنے والا تھا کہ کس طرح اور کتنی آسانی سے زرکاش نے اسے دھتکار دیا تھا، اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ زرکاش کی جگہ اس کے گھر کا کوئی اور فرد دراج کے ساتھ یہ سلوک کرتا تو وہ کبھی اپنے ساتھ زرکاش کو بھی یوں اذیت میں نہ ڈالتی...... صبح جانے کس وقت زنائشہ تھک کر خاموش ہوئی، مگر اس کی جلتی آنکھیں سلگتی رہیں۔
وجود برف بن چکا تھا، دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں تھا، جانے کتنی بار رائمہ کی کال آئی، مگر وہ پتھر بنی بیٹھی رہی، پھر جانے کب بیٹھے بیٹھے ہی اس کی دکھتی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں...... ہمت حوصلہ تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا، دو راتوں سے وہ سوئی تک نہ تھی، کھانا تو دور کی بات اسے پانی پینا بھی یاد نہ رہتا تھا۔ وہ بہت کچھ سوچتی رہی تھی، نہ چاہنے کے باوجود بھی سوچیں خود بخود رستہ بناتیں، اپنے ماں، باپ کے بارے میں، اپنے گھر اور بچپن کے بارے میں، وہ سوچتی رہی، سب کو یاد کرتی رہی یہاں تک کہ اپنے تایا کی شفقت بھی اسے یاد آرہی تھی، ایک زرکاش کو سوچنے سے بچنے کے لیے جانے اس کا دماغ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا مگر فرار ہونا اتنا آسان تو نہ تھا...... پوری کوشش کے باوجود وہ اپنی غائب دماغی اور بکھری حالت زنائشہ کی نظروں سے نہیں چھپا سکی تھی، شاید ایک وہی اس کی غمگسار تھی جس کی نظروں سے کچھ نہیں چھپ سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر دماغ میں گڈمڈ ہوتی سوچیں غافل ہونے نہیں دے رہی تھیں اور پھر ہر تھوڑی دیر بعد آتی کال اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیتی، رائمہ کی کال ڈسکنیکٹ کرتے ہوئے اسے یاد آیا کہ کل رات سے اب تک زرکاش کی ایک کال بھی نہیں آئی...... لیکن اگلے ہی پل اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے بیڈ سے اترنا چاہا تھا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا...... لڑکھڑاتی ہوئی وہ واپس بیٹھ گئی، چند لمحوں میں وہ پسینے میں شرابور ہوگئی،

سر ہاتھوں میں تھامے بیٹھی وہ بالآخر ہمت کر کے فون کی جانب ہاتھ بڑھا سکی تھی جو مسلسل چیختا اس کے دماغ کے پرخچے اڑا رہا تھا۔ زنائشہ کی کال ریسیو کرنے میں اس نے دیر نہیں کی۔

''مجھ سے اب اور کچھ مت کہو، میں اب اور کچھ نہیں سمجھنا چاہتی، میرا دماغ پھٹ جائے گا ورنہ...... اس شخص سے مجھے خیرات، احسان کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔'' وہ ضبط کھوتی چیخ اٹھی۔

''اس وقت تم یہی سوچ سکتی ہو، ان کی محبت بھی تمہیں صدقہ، خیرات ہی لگے گی...... میں تمہارے دل کی حالت سے واقف ہوں، سمجھ سکتی ہوں کیونکہ اس کیفیت سے میں گزر چکی ہوں۔'' زنائشہ کا لہجہ بہت نرم اور حلاوت سے پُر تھا۔

''زرکاش اس کے حق دار ہیں کہ ان کو ایک موقع تم دو، انہوں نے تمہاری بے شمار غلطیوں کو معاف کیا ہے دراج...... دنیا سے انہیں دوسرا موقع ملے یا نہ ملے مگر تم پر فرض ہے کہ ان کو تلافی کا ایک موقع دو اور اس سچ کو قبول کرو کہ زرکاش سے ہر تعلق ختم کرنا خود تمہارے لیے، ساری زندگی کی اذیت اور پچھتاوا بن جائے گا۔ کیا یہ بات تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ انہوں نے اپنی ماں کو تمہارے لیے راضی کر لیا ہے......؟ ان کا بھائی اور بہنیں تو یہی چاہتے ہیں کہ تم ان سے دور ہو جاؤ، ان کی زندگی سے نکل جاؤ، تم نے کبھی ان سب کے سامنے خود کو کمزور نہیں پڑنے دیا، مگر اب اتنی آسانی سے زرکاش سے دستبردار ہو کر تم ان سب کی دیرینہ خواہش پوری کر دو گی...... زرکاش کی اور اپنی ساری ریاضت اور محبت یوں خاک میں ملتا کیسے دیکھ سکو گی تم......؟ بھول جاؤ سب کچھ، صرف اپنے بارے میں سوچو، صرف ایک بار زرکاش کے لیے اپنے ظرف کو بڑا رکھ کر تم وہ مقام، وہ زندگی حاصل کر لو گی جس کی تم مستحق ہو...... تم اپنی عزت نفس پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر رہیں، ان کی بیوی کی حیثیت سے تم ان کی زندگی میں شامل ہو جاؤ گی تو پھر یقیناً تمہیں عزت اور مقام ملے گا۔ ابھی تم ان کی صرف ایک کزن ہو جسے ان کی بہنیں، بھائی سخت ناپسند کرتے ہیں، تمہاری طرف داری میں وہ ایک حد تک ہی جا سکتے ہیں مگر جب ان سے ایک مضبوط رشتے میں بندھ جاؤ گی تو ان کو بھی یہ مکمل اختیار مل جائے گا کہ ہر اس شخص کی زبان کو روک دیں جو تمہارے خلاف زہر اگلتی ہے، ایک وقت آئے گا کہ ان کی وجہ سے ان کے بھائی، بہنیں بھی تمہیں تمہارا مقام دینے اور تمہاری عزت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ تمہارا یہ ردعمل جائز ہے، زرکاش کو پتہ ہے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ غلط کیا، تم اپنی جگہ درست ہو اسی لیے وہ پھر تمہارے پاس آ رہے ہیں، تمہیں ہمیشہ کے لیے ہاسٹل سے لے جانے کے لیے، میں اب اور تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتی، میں اب یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ اب مجھے تم سے کہاں ملنا ہوگا، زرکاش کے اس گھر میں جو تمہارا منتظر ہے یا پھر اس ہاسٹل میں جہاں میں اب تمہیں تنہا نہیں دیکھنا چاہتی۔'' بات ختم کرتے ہی زنائشہ نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔ حبس اندر ہی نہیں باہر بھی بڑھتا جا رہا تھا، کہیں سے کوئی آواز نہیں ابھر رہی تھی، خاموشی اور سناٹا شہر خموشاں کو مات دینے والا تھا، جانے کتنا وقت گزر گیا تھا، بت بنی وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی، تب ہی فون کال نے اس کا سکتہ توڑا، کچھ دیر تک وہ سپاٹ نظروں سے فون کو دیکھتی رہی اور پھر جانے کیا سوچ کر بالآخر آج زرکاش کی کال ریسیو کی، دوسری جانب زرکاش کے لیے یقین کرنا مشکل تھا کہ دراج نے اس کی کال ریسیو کر لی ہے اس لیے تو جانے کتنے لمحوں تک وہ کچھ بول نہ سکا تھا۔

''تم چاہتی ہو کہ میں تم سے رحم کی بھیک مانگوں...... نہیں دراج میں تمہارے لیے اپنے آپ کو فروخت کر سکتا ہوں، تمہاری خوشی کے لیے مجھے کسی کے سامنے ہاتھ بھی پھیلانا پڑا تو دیر نہیں کروں گا مگر اپنے لیے، اپنی محبت کے لیے میں تمہارے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔'' وہ دھیمے مگر قطعی لہجے میں بولا۔

''میں جانتا ہوں میں نے بہت اذیت پہنچائی ہے تمہیں، مگر میں وہ انسان بھی ہوں جو تمہیں اپنی زندگی سے بڑھ کر چاہتا ہے...... جو سزا دینی ہے دے دو پر اس طرح میری نظروں سے چھپ کر پل، پل موت کی اذیت سے دوچار مت کرو...... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، میرے ساتھ گھر چلو، وہ گھر تمہارا تھا اور تمہارا ہی رہے گا۔ میں ایسا کچھ نہیں کہنے جا رہا کہ تمہارے دل سے نکلنے کے بعد میں اپنے قدموں کے نشان تک اس زمین پر چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں بس تمہارے ہاسٹل سے باہر آنے کا انتظار کر رہا ہوں، تم مجھے انتظار کرواتے، کرواتے تھک جاؤ گی، مگر میں تمہارا انتظار کرتا

رہوں گا۔" وہ خاموش ہوگیا تھا، گیلری کے بند دروازے کو ذرا کھول کر اس نے باہر سڑک کے دوسری جانب دیکھا تھا، گہری ہوتی رات کی تاریکی میں زرکاش کی گاڑی کو وہ پہچان سکتی تھی، سپاٹ نظروں سے وہ کچھ دیر تک اس جانب دیکھتی رہی اور پھر دھیرے سے دروازہ بند کردیا۔

❀......◉......❀

گاڑی کے باہر ادھر سے ادھر چکر کاٹتے ہوئے اس کا اضطراب اپنے عروج پر تھا، حبس تھا کہ بڑھتا ہی جارہا تھا، ہوا کا ایک جھونکا تک نہیں تھا، سر اٹھا کر اس نے آسمان کو دیکھا جو گہرے سیاہ بادلوں سے ڈھکا رات کی تاریکی کو مزید گہرا کررہا تھا، اسٹریٹ لائٹ دور کہیں روشن تھی، اپنے اردگرد موجود ہولناک تاریکی کو دور کرنے کے لیے اس نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن کردی تھیں، سڑک پر چند ایک گاڑیوں کے گزرنے کا سلسلہ بھی موقوف ہوچکا تھا، ہیڈ لائٹس میں دور تک اپنے سوا کوئی ذی روح اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی، سڑک پر چھائے سکوت میں اسے صرف اپنے قدموں کی آواز ہی سنائی دے سکتی تھی، انتظار کی طوالت ناقابل برداشت ضرور تھی مگر وہ مایوس اب بھی نہ تھا، امیدوں کے دیپ روشن تھے۔ دراج کی کبھی شعلہ کبھی شبنم جیسی فطرت سے وہ واقف تھا، اس کی خاموشی بتاچکی تھی کہ تعلق توڑ دینا خود اس کے لیے بھی ناممکنات میں سے تھا مگر اپنی ضد اور انا کی تسکین کے لیے وہ اسے بے چین اور بے قرار رکھنا چاہ رہی تھی...... یک دم ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے چلنے لگے تھے، بادلوں کی گڑگڑاہٹیں شروع ہوئیں، آسمانی بجلی کے جھماکے موسم کے تیوروں کا پتہ دے رہے تھے، قدرت کے جلوے اس کے انتظار، اس کی تڑپ کے گواہ بنے جارہے تھے۔

❀......◉......❀

گھن گرج کے ساتھ زور و شور سے برستی موسم کی یہ آخری بارش بہت منہ زور اور طوفان انگیزیاں لیے ہوئے تھی، اپنے ساتھ سب کچھ بہالے جانے والی تھی، آسمان کا غیض و غضب زمین پر برس رہا تھا، قدم اکھیڑ دینے والی ہواؤں کے جھکڑ بے قابو تھے، جس کا نام و نشان نہ رہا تھا، رگوں میں لہو جمادینے والی یخ بستگی میں اس کا لاغر وجود کانپ رہا تھا، دور سڑک پر تیز ہیڈ لائٹس میں اسے ایک ہیولہ حرکت کرتا دکھائی دے رہا تھا جو بپھرے موسم کے تیوروں سے قطعی بے نیاز تھا، بالآخر گیلری کے نیم وا دروازے سے دور ہٹتی وہ بے جان پیروں پر مزید کھڑے رہنے کے قابل نہ رہی تھی۔ بند آنکھوں کے ساتھ نڈھال بیٹھی تھی، بادلوں کا بھیانک تصادم، دل کو بند کرتی آسمانی بجلی کے کڑاکے اور دھواں دھار برستی بارش کے شور میں اسے بس وہ ہیولہ ہی یاد رہا جو قدرت کی حشر سامانیوں کے درمیان موجود انتظار میں تھا۔ باہر کا موسم، اندر کے موسم پر پوری شدت سے غالب آتا اسے ایک قطعی فیصلے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ایک شخص کے سوا سب کچھ بھول جانے پر مجبور کر گیا تھا۔

❀......◉......❀

ساری رات ٹوٹ کر برستا آسمان اس کے عزم اور مستقبل مزاجی کو جلا بخشتا رہا تھا تو عجیب وہم سے بھی دوچار کرتا اسے زچ کرتا رہا...... تیز بارش کی دھند میں اس نے کئی بار ہاسٹل کے گیٹ کو کھلتے اور دراج کو اپنی سمت آتے دیکھا تھا، صبح کا اجالا نمودار ہونے تک بارش کا زور ٹوٹ گیا، سب کچھ آہستہ آہستہ شانت ہونے لگا تھا یہاں تک کہ زرکاش کے اعصاب اور اضطراب بھی...... اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی تھی ہر منظر دھل کر نکھر گیا تھا، خوشگوار ہوا کے نرم جھونکے اس کے نم لباس سے ٹکراتے وجود میں نئی زندگی اور تازگی دوڑا رہے تھے۔ سینے پر بازو باندھے گاڑی سے پشت ٹکائے وہ اب بھی اپنی منتظر اور جلتی نگاہوں سے ہاسٹل کے گیٹ کو تک رہا تھا، نرم چمکتی دھوپ ہر سمت پھیل رہی تھی جب اس نے ہاسٹل کے گیٹ کو کھلتے دیکھا، نظریں اس پر ساکت تھیں جو گیٹ سے باہر نکلتی اس کی طرف ہی آرہی تھی، سفید کرتے میں ملبوس، سرخ دوپٹہ گردن میں لپیٹے، بالوں کو اونچی پونی ٹیل میں جکڑے، ایک ہاتھ میں بھاری بیگ سنبھالے سڑک عبور کرتی آتی وہ اسے اپنا وہم ہی دکھائی دے رہی تھی، وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکا تھا جب وہم غائب ہونے کے بجائے قریب آتا چلا گیا، ایک سپاٹ نگاہ دراج نے اس کے چہرے اور سرخ آنکھوں پر

ڈالی اور پھر دوبارہ اس کی جانب نہیں دیکھ سکی، اس نے بیک سیٹ کا ڈور کھولنا چاہا مگر وہ لاک تھا، رک کر اس نے اپنے بیگ کو دیکھا جو زرکاش نے اس سے لے لیا تھا، خاموشی سے ڈرائیونگ سیٹ کا ڈور اس کے لیے کھولا، ایک آخری نگاہ دراج نے ہاسٹل کی عمارت پر ڈالی اور پھر نم آنکھوں کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی تھی، سامنے سڑک پر نگاہ جمائے بیٹھے زرکاش نے فوراً ہی گاڑی آگے بڑھادی، نہ ہی نظریں ملیں، نہ ہی کسی جملے کا تبادلہ ہوا، گہری چپ میں بہت کچھ پنہاں تھا۔

❁......◉......❁

گہری نیند میں کسی نے اسے جھنجوڑ ہی ڈالا تھا، زنائشہ کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے حواس مکمل بیدار ہوگئے تھے۔

''دراج...... تمہاری دنیا اِدھر سے اُدھر ہونے جارہی ہے اور تم خواب غفلت سے باہر آنے کے لیے تیار نہیں، بجیا پہلے ہی بہت غصے میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ نکاح سے پہلے وہ خوب درگت بنادیں تمہاری۔'' زنائشہ کے مسکراتے لہجے پر وہ بس خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''پتہ ہے زرکاش بھائی کی عجلت نے میری اور بجیا کی دوڑیں لگوادی ہیں، تم نکاح پر جو لباس پہنوگی، اسے دیکھ کر ہی خوش ہوجاؤ گی، تمہاری پسند کا پورا خیال رکھا ہے میں نے......''

''زنائشہ! میں نے ٹھیک کیا یہاں آ کر؟'' دراج کے دھیمے لہجے پر وہ مسکرائی۔

''یہ سوال ذرا تم اپنے دل سے پوچھو۔ تمہارا یہ فیصلہ سب کے لیے خوشی کا باعث بن گیا ہے اس لیے بے فکر رہو اور اس وقت کو اندیشوں میں برباد نہ ہونے دو، وقت کم ہے اب تم سستی کو ایک طرف رکھ کر تیاری شروع کرو، عصر کے بعد نکاح ہے اور بات سنو، یہ زرکاش بھائی کا کیا حشر کردیا تم نے، شدید قسم کے فلو اور فیور میں مبتلا ہیں، مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں ان کو دیکھ دیکھ کر۔'' اس سے پہلے کہ دراج' زنائشہ کی بات کا جواب دیتی رائمہ کی آواز پر چونک گئی۔

''اب سکون سے ہو تم سب کی ناک میں دم کر کے، خون جلا کے۔'' رائمہ کے لہجے سے غصہ عیاں تھا۔

''بجیا...... زرکاش بھائی نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اسے کچھ نہیں کہیں گی۔'' دراج کے اترے چہرے کو دیکھ کر زنائشہ نے یاد دلایا۔

''چپ رہو تم...... تم نے اور زرکاش بھائی نے ہی اسے اس حال پر پہنچایا ہے، ہٹ دھرمی کی انتہا کر ڈالی ہے اس نے، دل تو چاہتا ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دوں...... اس کی وجہ سے زرکاش بھائی نے مجھ سے معافی مانگی، اس کی وجہ سے میں نے ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے...... میرے لیے شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے مگر اسے کس کی پروا، سب کو نیچا دکھا کر، اب مل گئی اسے تسکین...... زرکاش بھائی کا خیال نہ ہوتا تو میں اس کی شکل بھی دیکھنے نہ آتی یہاں......'' غصیلی نظروں سے دراج کو دیکھتی رائمہ واپس چلی گئی۔

''اب اس طرح مت بیٹھو، اتنا تنگ کیا ہے انہیں تھوڑا بہت غصہ کرنے کا تو حق ہے بجیا کو...... تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے نکاح پر سب سے زیادہ آنسو بجیا نے ہی بہانے ہیں۔'' زنائشہ نے مسکراتے ہوئے ماحول کا تناؤ کم کیا۔

''جانتی ہو، زرکاش بھائی تو اس حد تک تمہاری طرف سے ہوشیار اور محتاط ہوچکے ہیں کہ بجیا کے اصرار پر بھی نکاح اور رخصتی کی رسم کے لیے تمہیں ان کے گھر بھیجنے پر رضامند نہیں ہوئے، لہٰذا سب یہیں مدعو ہیں اور ہاں، شزا کے شوہر بھی نکاح میں شریک ہونے آرہے ہیں۔''

''احمد بھائی......؟'' دراج نے چونک کر شدید حیرت و بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں، مجھے بھی بجیا نے بتایا۔'' دراج کے کہنے پر وہ خاموش مگر ورطۂ حیرت میں ہی تھی۔

❁......◉......❁

سبک روانی سے آگے بڑھتے ہوئے اس کی نگاہیں گرین ایریا کی جانب تھیں، وسیع سبز خطے پر کھیلتے بچے خوش گپیوں

میں مصروف اور ٹریک پرواک کرتے لوگ...... سب کتنے خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ ہنستے مسکراتے' بات بات پر کھلکھلاتے چہرے اسے بہت اٹریکٹ کرتے تھے' بظاہر زندگی کتنی خوش کن اور پرکشش ہوتی ہے یا پھر انسان ہی غم والم کو مسکراہٹ کے پردے میں چھپا کر جینا سیکھ جاتا ہے' ورنہ زندگی کو گزارنا مشکل ہو جائے...... عقب سے ابھرتی ایک پکار نے اس کے قدموں کو ساکت کر دیا تھا' شاید وہ سانس بھی نہ لے سکی تھی۔ جب وہ شخص اس کے سامنے آ تا راستہ روک گیا تھا۔

''رجاب...... میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں...... بس ایک بار......'' مقابل کھڑے شخص کی آنکھوں اور لہجے میں یاس اور التجائیں تھیں۔

''میرا راستہ چھوڑو...... میں نہیں جانتی تمہیں۔'' وحشت سے بولتی وہ کترا کر نکل جانا چاہتی تھی۔

''نہیں رجاب...... ایسی بے رحمی کا برتاؤ مجھ سے نہ کرو...... مجھے بس ایک موقع دو' مجھے بے موت مرنے سے بچالو......'' حاذق گھٹی آواز میں بولا۔

''میں نے کہا میرا راستہ چھوڑ دو' میں نہیں جانتی تمہیں......'' وہ اسے سامنے سے ہٹا دینا چاہتی تھی' مگر اس وقت بے حس و حرکت ہو کر رہ گئی جب حاذق نے بے اختیاری میں ہی اسے بازوؤں سے تھام لیا۔ اس کی جرأت پر رجاب کا پتھرا جانا فطری تھا' اس سے پہلے کہ وہ ہوش میں آتی کوئی مزاحمت کرتی یک لخت کسی نے ایک ہی جھٹکے میں حاذق کو اس سے دور دھکیل دیا' رجاب کی وحشت زدہ نظریں شقران پر جامد تھیں' جو اب حاذق کے مقابل تن کر کھڑا تھا۔

''تم جو کوئی بھی ہو' ایک بات میری غور سے سن لو...... آئندہ اگر تم نے اس کا تعاقب کیا یا اس کا راستہ روکا یا اسے ہاتھ لگانے کی کوشش بھی کی تو وہیں اسی جگہ جان سے مار دوں گا تمہیں......'' شدید غضب ناک لب و لہجے میں حاذق کو وارن کر کے وہ رجاب کی طرف پلٹا جس کا چہرہ متغیر تھا' اگلے ہی لمحے وہ بلا جھجک رجاب کی کلائی گرفت میں لیتا گم صم کھڑے حاذق پر ایک سلگتی نگاہ ڈال کر آگے بڑھتا چلا گیا' لفٹ میں داخل ہونے کے بعد ہی شقران نے اس کا سرد ہوتا ہاتھ چھوڑا جو سناٹے میں گھری خود بھی برف کی طرح سفید ہو چکی تھی' لفٹ کی دیوار سے پشت لگائے ساکت کھڑی وہ اس وقت چونکی جب ایک جھٹکے سے لفٹ رکی' آٹومیٹک ایمرجنسی لائٹ نے ماحول کی تاریکی کو دور کر دیا تھا۔ وہ گزری صورت حال کو سمجھنے کے قابل اب ہو چکی تھی۔

''کون تھا وہ شخص......؟'' گہری خاموشی کو شقران کی آواز نے توڑا۔ ''یہ شخص پچھلے دو دن سے تمہارے تعاقب میں یہاں آ رہا ہے۔''

''تم یہ کیسے جانتے ہو' کیا تم میرا تعاقب کرتے رہے ہو یا کسی اور کو اس کام پر لگا رکھا ہے؟'' تیز نظروں سے اسے دیکھتے اس سے پوچھا۔

''مجھ سے سوال کرنے کی ہمت کیسے ہوئی تمہاری۔ مجھ سے یہ سوال کرنے والے کون ہوتے ہو تم؟'' رجاب کی آواز بلند ہوئی' دوسری جانب شقران اس کی غصیلی نگاہوں میں دیکھتا قریب آیا۔

''تمہارا مجرم...... تمہارا گناہ گار...... تم جانتی ہو یہ۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''اپنی حیثیت جب جانتے ہی ہو تو پھر یہ بھی یاد رکھو کہ مجرموں اور گناہ گاروں کو سوال کرنے کا حق نہیں ہوتا۔'' وہ ہر لفظ پر زور دیتی بولی۔

''سچ تو یہ ہے کہ مجھے حق ہے سوال کرنے کا۔ برسوں سے میرا تم سے ایک تعلق ہے ایسا جو مجھے حق دیتا ہے مگر تم اس تعلق سے بے خبر ہو۔'' ایسا کچھ ضرور تھا شقران کے گمبھیر لہجے میں جو چند پل رجاب تحیر زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

''پہلی فرصت میں آگ لگا دو اس تعلق کو جو تمہیں مجھ سے سوال کرنے کا حق دیتا ہے' ورنہ اگر میں نے یہ کام کیا تو ساتھ تم بھی جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔'' وہ غرائی۔

''جس آگ میں' میں جل رہا ہوں وہ تو ہر دن مجھے بھسم کرتی ہے رجاب...... میرے اور اپنے درمیان موجود تعلق کو

کسی بھی طرح ختم کرنا خود تمہارے بس میں بھی نہ ہوگا......شاید وہی ایک بے نام تعلق ہے جو تمہیں میری سزا متعین کرنے سے میرے لیے کوئی انتہائی فیصلہ لینے سے روک رہا ہے۔''

''تمہیں ساری زندگی تڑپتے' سسکتے دیکھنے سے مجھے کوئی طاقت' کوئی تعلق نہیں روک سکتا' کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی غلطی مت کرنا' نہ ہی مجھے کسی جال میں پھانسنے کی احمقانہ کوشش کرنا۔ عورت کا دل نرم اور حساسیت سے معمور ضرور ہوتا ہے' مگر جب وہ اپنی پامالی اور زیاں کا حساب لینے پر اتر آتی ہے تو مقابل کے لیے ایسی چٹان ثابت ہوتی ہے جس سے ٹکرا کر صرف پاش' پاش ہوا جاسکتا ہے۔'' رجاب کا لہجہ سخت اور بھڑکتا ہوا تھا۔

''رجاب وہ شخص کون تھا؟'' شفر ان کا سوال دہراتا اسے ہتھے سے اکھاڑ گیا۔

''بار بار اپنی زبان پر میرا نام مت لاؤ ورنہ مجھے اپنے نام سے نفرت ہوجائے گی' تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے اس شخص سے۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ چیخی۔

''مجھے ہر اس شخص سے سروکار ہوگا جو زبردستی تمہارا راستہ روکے گا' تمہیں چھونے کی کوشش کرے گا۔''

''کیوں......اپنے جیسا کوئی دوسرا بدفطرت فتنہ برداشت نہیں ہوتا تم سے......؟'' وہ سلگ کر شفران کی بات کاٹ گئی۔

''نہیں۔'' اس کی شعلہ بار آنکھوں میں آنکھیں ڈالے قطعی لہجے میں وہ اتنا ہی بولا۔

''تم مجھے نہیں بتاؤ گی مگر میں جانتا ہوں وہ شخص کون تھا' پہچان گیا ہوں اسے......''

''جب تم سب جانتے' پہچانتے ہو تو سوال پوچھتے ہی کیوں ہو؟'' چند لمحوں تک شفران اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتا ہی رہا' شاید ماضی کے ادھڑتے زخم کی اذیت نے اس کی کانچ جیسی سبز آنکھوں میں سرخی اور بڑھا دی تھی۔

''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا آج بھی اس شخص سے تمہارا کوئی تعلق باقی ہے؟ جاننا چاہتا ہوں کہ کیوں تمہارے لیے اس شخص پر بھروسہ کیا گیا؟ کیوں اعتبار کیا گیا اس شخص پر جس کے نزدیک اپنے اور تمہارے تعلق کی کوئی حیثیت' وقعت نہ تھی۔ جو صرف اپنی زندگی' اپنی جان بچانے کی فکر میں تمہیں خطرے میں سڑک پر چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔''

''بھاگے تو تم بھی تھے اپنی جان بچا کر' کوئی فرق نہیں ہے اس میں اور تم میں......تم میرے چہرے کو داغدار کرنے والے ہو اور وہ میرے دامن کو۔'' غراتے ہوئے وہ شفران کی سچائی بتا گئی۔ تب ہی اچانک اسٹارٹ ہوتی لفٹ کے جھٹکے پر بگڑتے توازن کو سنبھالنے کے لیے رجاب نے غیر ارادی طور پر شفران کے بازو کا سہارا لیا' بغور شفران نے اس کے بدلتے تاثرات دیکھے جو فوراً ہاتھ واپس کھینچتی نظریں چرا گئی تھی۔

''دوبارہ اس شخص کے سامنے مت جانا' اس نے بھی اگر تمہیں پہچان لیا تو میرے لیے دشواریاں کھڑی ہوسکتی ہیں۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سرد لہجے میں بولی اور پھر لفٹ کے کھلتے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ گھر کے گیٹ پر پہلا ٹکراؤ زنائشہ سے ہی ہوا تھا۔ رجاب بمشکل مسکراہٹ لبوں تک لاسکی تھی۔

''زنائشہ' اچھی لگ رہی ہو' عرش سے پہلے میں نے تمہاری تعریف کردی ہے' اسے ضرور بتانا' جل کر کباب ہوجائے گا۔'' شفران کے کہنے پر زنائشہ بے ساختہ ہنسی جبکہ رجاب نے سلگتی نگاہوں سے شفران کو دیکھا تھا۔

''یہ شخص کچھ زیادہ ہی بے تکلف نہیں تم سے۔'' شفران کے جاتے ہی رجاب نے کافی تلخی سے کہا مگر اگلے ہی پل زنائشہ کے دنگ تاثرات پر مسکرائی۔

''ہمارے درمیان اب کچھ ڈھکا چھپا نہیں' اس گھر کے افراد سے تمہارا رشتہ بہت نازک بھی ہے' یہاں تم سب کو بہت زیادہ نہیں جانتیں' تمہارے ایک اچھے امیج کے لیے' تمہاری بھلائی کے لیے میں یہی چاہوں گی کہ تم پھونک پھونک کر قدم اٹھاؤ اور آنکھیں بند کرکے کسی پر بھروسہ کرنے میں جلدی ہرگز مت کرو۔''

''رجاب' مجھے بہت اچھا لگا یہ جان کر کہ تمہیں میری بھلائی کی فکر ہے' مگر اس گھر کے افراد کے درمیان تمہیں بھی تو

بہت زیادہ وقت نہیں گزرا پھر بھی تمہیں ہم سب پر کتنا بھروسہ ہے۔ تمہارا یہاں موجود ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے۔''
زنائشہ نے سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
''اور میرا معاملہ تو تم سے بہت الگ بھی ہے اس گھر سے میرا تعلق عرش کی وجہ سے بھی بہت گہرا ہے' عرش کو جو لوگ عزیز ہیں' جن پر وہ دنیا میں سب سے زیادہ بھروسہ کرتا ہے' مجھ پر فرض ہے کہ انہیں میں بھی دل سے قریب رکھوں اور ان پر بھروسہ کروں......''
''زنائشہ یہ کنگن کتنے حسین لگ رہے ہیں' یہی عرش نے دیے ہیں تمہیں؟'' رجاب کو حقیقتاً وہ کنگن بہت خوب صورت لگے تھے۔ جواباً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے زنائشہ کو یوں رجاب کا موضوع بدلنا عجیب لگا۔
''اور تم خود بھی بہت پیاری لگ رہی ہو۔ اس میں تو کوئی شک نہیں۔'' رجاب کی تعریف پر وہ مسکرائی۔
''مگر تم اتنی سادہ کیوں نظر آرہی ہو' جب کہ تمہیں پتہ ہے کہ آج تمہیں میری بہت پیاری دوست کے نکاح میں شرکت کرنی ہے۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوگی۔''
''میں بھی تمہاری دوست کی خاطر ہی آج خاص طور پر آئی ہوں اور جہاں تک بات سادگی کی ہے تو مجھ سے چہرے پر کوئی رنگ روغن نہیں ہوگا۔'' رجاب بولی۔
''یعنی میں نے بھی رنگ روغن کر رکھا ہے۔'' زنائشہ نے خفگی سے دیکھا۔
''بالکل نہیں' تم پر تو فرض ہے اب سولہ سنگھار' تعریف کرنے والا جو موجود ہے تمہاری زندگی میں' تمہاری تعریف میں زمین آسمان کی قلابیں ملادے تو وہ بھی کم ہے۔''
''وہ کیوں......!'' زنائشہ نے چونک کر اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔
''وہ اس لیے کیونکہ عرش کو میں نے دیکھا ہوا ہے' خوب صورت لوگ اکثر بڑے خود پسند ہوتے ہیں' اپنے سامنے کسی کو بھی اہمیت دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔''
''ایسا بالکل نہیں ہے' کہیں نہ کہیں ہم سب ہی خود پسندی کا مظاہرہ کر جاتے ہیں' انجانے میں سہی اور پھر تم نے تو صرف دیکھا ہوا ہے عرش کو' اس کی نظر میں مجھ میں اور کسی میں بہت فرق ہے۔'' زنائشہ نے کہا۔
''حیرت نہیں ہے مجھے' اندازہ ہوگیا ہے کہ عرش سمیت تمہیں یہاں سب پر بھروسہ ہے' امید یہی کرتی ہوں کہ تمہارا یہ بھروسہ کبھی نہ ٹوٹے۔'' رباب کی مسکراہٹ زنائشہ کو بہت عجیب لگی۔
''بھابی تمہاری دوست کے پاس ہیں؟'' رجاب یک دم موضوع پھر بدل گئی۔
''نہیں وہ بالکل ریڈی ہیں پر انہیں ضد ہے کہ جب تک رجاء اور پرداج کے پاس ہے وہ اور نہیں جائیں گی' رجاء بہت اچھی بیوٹیشن ہے' اب اتنے کم وقت میں وہی دستیاب تھی' تم بھابی کو راضی کر کے ساتھ چلنے کا کہو' میں تو کوشش کر رہی ہوں۔''
''کوئی مسئلہ نہیں ابھی راضی کر لیتے ہیں انہیں' ویسے وہ ہیں کہاں؟''
''اپنے کمرے میں' تم جاؤ ان کے پاس میں ذرا شفران سے کہہ دوں امام سے کام ختم کر کے جلدی آنے کا کہے' مجھے تو عرش نے بتایا کہ امام فوٹو گرافی میں ماہر ہے' اب رجاء کی طرح امام کو بھی پریشان کرنا میری مجبوری ہے' بس دعا کرنا کوئی کسر نہ رہے' نکاح کی تقریب میں......'' زنائشہ عجلت میں کہتی اس کے سامنے سے ہٹی' جب کہ رجاب ناگواری ضبط کیے اسے شفران کے کمرے میں جاتا دیکھتی رہی تھی۔

❁......۞......❁

تندہی سے کھانا ٹیبل پر لگاتی وہ ایک پل کے لیے کچن میں داخل ہوتے عرش کی طرف متوجہ ہوئی۔ خفت زدہ تاثرات کے ساتھ اس کی شوخ نظروں اور شرارتی مسکراہٹ پر خاموشی قائم رکھے وہ واپس پلٹ کر کاؤنٹر کی سمت چلی گئی۔

''ایک تو تمہیں چھیڑنے کا کوئی فائدہ نہیں' بندہ ردعمل کے انتظار میں سوچتا ہی رہ جائے' مقصد میں کامیابی ہوئی یا نہیں۔'' ہاتھ واش کرتے ہوئے اس نے مسکراتی نظروں سے زنائشہ کو دیکھا۔

''عرش...... کوئی اور وقت ہوتا تو میں تمہیں اچھی طرح اپنا ردعمل بتاتی' کب سے یہاں تمہارے انتظار میں بھوک سے بے حال ہوں اور تم بجائے شرمندہ ہونے کے مجھ پر وسلنگ کر رہے ہو' حد ہوتی ہے۔''

''ہاں' تم کیوں شرمندہ ہونے لگے' تم پر تو جیسے تمام بیہودہ حرکتیں جچتی ہیں۔'' زنائشہ کے خشمگیں لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسا۔

''پتہ ہے' سارا دن دراج کے نکاح کی خوشی اور تیاریوں کی فکر میں' میں نے کچھ کھایا پیا تک نہیں' سوچا تھا رات میں آرام سے تمہارے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے سارے دن کی روداد تمہیں سناؤں گی۔''

''ضرور سناؤ' تمہیں سننے کے لیے مجھ غریب کے پاس ہی ایک موقع ہوتا ہے تنہائی کا...... ویسے میں فوٹوگرافس دیکھ رہا تھا' امام کام شروع بھی کر چکا' بڑی ویلیو ہے تمہاری ورنہ ابھی تک اس نے حسن اور حسین کی برتھ ڈے کا البم تیار کر کے نہیں دیا۔''

''ویلیو تو میری بہت ہے' امام نے بہت وقت دیا اپنا' نکاح کا البم وہ مجھے ایک ہفتے میں ہی دے گا۔'' زنائشہ خوش ہو کر بولی۔ ''آج کا دن بہت اچھا تھا عرش' شہرام بھائی اور بھابی نے صرف میری خاطر بھرپور طریقے سے دراج اور زرکاش بھائی کی خوشی میں شرکت کی' میرے ایک ہی بار کہنے پر رجاء' سب نے مل کر کوئی کسر نہیں چھوڑی تیاریوں میں اور وہ بھی اتنے شارٹ نوٹس پر۔''

''یہاں سب کو تمہاری اتنی پروا اور قدر اس لیے ہے زنائشہ کہ تم خود سب کے ساتھ بہت اچھی ہو' سب کی عزت کرتی ہو' سب کو اہمیت دیتی ہو۔'' عرش نے تعریفی نظروں سے اس کے مزید کھلتے چہرے کو دیکھا۔

''اچھا یہ بتاؤ کھانا کیسا ہے؟''

''بہت عمدہ...... آخر تمہاری بیسٹ فرینڈ کی شادی کا کھانا ہے۔'' عرش نے فوراً کہا۔

''پتہ ہے' زرکاش بھائی نے کھانے کا مینیو مجھ سے ہی پوچھ کر آرڈر کیا' جانتے ہو وہ بہت مشکور تھے میرے' کہہ رہے تھے آج میری وجہ سے ہی وہ اور دراج ایک ہوئے ہیں' وہ شہرام بھائی سے بھی میری بہت تعریف کر رہے تھے اور کیوں نہ کرتے' نکاح سادگی سے ہونا تھا مگر میں نے کوئی کسر باقی نہ رہنے دی' اتنا خوب صورت دن بار بار تھوڑا ہی آتا ہے' البم دیکھ کر تو دراج خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔ بس فکر یہ ہے کہ ابھی کسی پاگل پن کا مظاہرہ نہ کرنے پہلے ہی زرکاش بھائی فلو اور فیور سے بے حال ہیں...... عرش تم میری بات سن بھی رہے ہو یا نہیں؟'' زنائشہ کو یک دم اس کی غیر دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔

''میں بالکل ہمہ تن گوش ہوں' اب یہی کہہ سکتا ہوں کہ زرکاش بے چارہ بہت نفیس انسان ہوا کرتا تھا۔'' عرش کے غیر سنجیدہ لہجے پر زنائشہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''عرش...... اگر تم بھی نکاح میں شرکت کے لیے تھوڑا وقت نکال لیتے تو زرکاش بھائی کو خوشی ہوتی' انہوں نے خود کال کر کے تمہیں انوائیٹ کیا تھا۔'' زنائشہ نے شکایت کی۔

''زرکاش کی خوشی جس میں ہے وہ اب اس کے پاس ہے' ویسے میں نے فون پر اسے مبارک باد دے دی تھی۔''

''حد ہوتی ہے کسی سے اتنی پرخاش رکھنے کی۔'' زنائشہ نے ناراضگی سے کہا۔

''بات سنو' مجھے کوئی ضرورت نہیں' اس سے پرخاش رکھنے کی۔'' عرش کے سنجیدہ لہجے پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''ایک بات بتاؤ' جب تمہیں پتہ تھا کہ نکاح میں بس خاص خاص لوگ مدعو ہیں تو رجاب کو انوائیٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' بلآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

''درج کے کہنے پر انوائیٹ کیا' وہ چاہتی تھی کہ میں رجاء اور رجاب کو بھی خاص طور پر بلاؤں' اسی بہانے ان دونوں

کی ملاقات بھی ہوگئی دراج سے۔‘‘
’’ملاقات بعد میں بھی ہوسکتی تھی زنائشہ..... زرکاش نے جانے کیا سوچا ہوگا۔‘‘ عرش نے ٹوکا۔
’’اچھا ہی سوچا ہوگا کیونکہ وہ خود بہت اچھے ہیں اور میری کسی بات پر تو ان کو کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔‘‘ زنائشہ قطعی لہجے میں بولی جب کہ عرش کے تاثرات مزید سنجیدہ ہوگئے تھے۔
’’سنو! دوبارہ مجھے یہ مت بتانا کہ زرکاش کتنا اچھا ہے کیونکہ میں یہ تم سے سننا ہی نہیں چاہتا۔‘‘
’’عرش..... تم اس طرح کیوں کہہ رہے ہو؟‘‘ زنائشہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
’’زنائشہ..... یہ میری برداشت سے باہر ہے کہ تم میرے سامنے کسی اور مرد کو اچھا کہو اس کی اچھائیوں کا دم بھرو.....‘‘
’’عرش..... ! تم جانتے ہو کہ کوئی کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو مگر میرے لیے تم سے بڑھ کر کوئی اچھا اور اہم نہیں ہوسکتا۔‘‘
’’ہاں' میں جانتا ہوں اور تم بھی سمجھ سکتی ہو کہ میں تمہارے لیے اس درجے تک حساس کیونکر ہوسکتا ہوں اسی لیے دل میں جو تھا وہ تم سے کہہ دیا' میں ذاتی طور پر زرکاش کو پسند کرتا ہوں' اس کی عزت بھی کرتا ہوں۔‘‘ عرش کی صاف گوئی پر وہ خاموش ہورہی۔
’’کیا سوچ رہی ہو؟‘‘ عرش نے خاموشی کو توڑا۔
’’کچھ نہیں' بس یونہی رجاب کی طرف دھیان چلا گیا۔ آج اس کی کچھ باتیں مجھے بہت عجیب اور الجھی ہوئی لگیں۔‘‘ زنائشہ کا یہ کہنا عرش کو چونکا گیا۔
’’مجھے بتاؤ ایسی کیا باتیں کیں اس نے تم سے۔‘‘ عرش کے استفسار پر اس نے اپنے اور رجاب کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو من وعن دہرادی۔
’’زنائشہ' ایک تو یہ میری سمجھ سے باہر ہے کہ اتنے مختصر وقت میں تم کسی انجان لڑکی سے اس حد تک بے تکلف کیسے ہوگئیں کہ وہ تمہاری ذاتی زندگی پر اور مجھ سمیت سب پر اپنی رائے دے رہی ہے' تنقید کررہی ہے' الٹے سیدھے مشوروں سے مستفید کررہی ہے۔‘‘
’’عرش!' وہ خود میرے ساتھ بہت فرینڈلی رہی ہے' بے تکلفی کے باوجود میں نے تمہارے بارے میں بھی اس سے بات کرنے میں پہل نہیں کی تھی لیکن جب اس نے خود ہی تمہارے بارے میں مجھ سے بات کی تو میں اسے خاموش تو نہیں کرسکتی تھی اور پھر جب وہ میری دوست ہے تو۔‘‘
’’دوست ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس گھر کے مکینوں کے بارے میں وہ تمہیں وسوسوں میں ڈالے' تمہاری ذاتیات میں انتشار پھیلائے۔‘‘ عرش نے ناراضگی سے کہا۔ ’’دراج اور رجاء کے بعد تمہیں مزید کسی دوست کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے تھی' خوش اخلاقی' ملنساری اپنی جگہ مگر تم پر فرض نہیں ہے کہ اس گھر میں آنے جانے والے ہر انسان پر تم بھروسہ کرو۔ زنائشہ' میں نہیں چاہتا کہ تم اس سے مزید تعلقات بڑھاؤ' اسے بس ایک حد میں رکھو نہ تم موقع دو گی نہ وہ حد سے آگے بڑھے گی۔‘‘ عرش کی تاکید پر اس نے اثبات میں سرہلایا۔
’’ویسے اپنے متعلق تم رجاب کی رائے کو کافی تقویت دے رہے ہو' میرے سارے سنگھار دھرے کے دھرے رہ گئے۔‘‘ اس کے زچ ہوجانے والے تاثرات پر شکایت کرتی وہ بمشکل مسکراہٹ چھپاسکی تھی۔
’’تمہاری تعریف کرنے کے لیے مجھے تمہارے سنگھار کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں' تمہیں پتہ ہے کہ تم میری نظر میں کیا ہو' اتنا کافی ہے۔‘‘
’’تو اس کا کیا مطلب ہے..... میری تعریف ہی نہیں کروگے؟‘‘ زنائشہ نے حیرت سے پوچھا۔
’’اتنی دور سے تو کبھی نہیں کروں گا۔‘‘ عرش کے خشمگیں لہجے پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔
❁.....❁.....❁

بیک کراؤن سے پشت لگائے بیٹھی وہ ایک ٹک سامنے ڈریسنگ کے آئینے میں دیکھتے اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی شانے پر پڑی سیاہ چوٹی بند کلیوں سے گندھی تھی۔ جن کی مسحور کن مہک اور تازگی عروج پر تھی پھولوں کے کنگن چوڑیوں اور مہندی کے حسین نقش و نگار نے ہی اسے انوکھا روپ بخش دیا تھا صبیح چہرے کے تیکھے نقوش میں بکھرے حزن اور آزردگی نے نفاست سے سجے سنورے روپ کو پُرنور پاکیزگی سے منور کردیا تھا شنگرفی لبوں پر مستقل گہری چپ رقصاں تھی اور اب اس چپ کا دامن اس نے چھوڑنا بھی نہیں تھا گزرے وقت نے اسے یہ بھی سکھا دیا تھا کہ مسلسل بولنے سے اپنی اہمیت اور وقعت کا احساس کسی کو نہیں دلایا جاسکتا جتنا کہ خاموش رہ کر دلایا جاسکتا ہے...... اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والے ہمیشہ دنیا کو کھٹکتے ہیں...... مگر وہ اپنی فطرت کے خلاف تو نہیں جاسکتی تھی البتہ مسلسل بولنے سے برا بنتے بنتے وہ تھک ضرور گئی تھی سو اب چپ رہ کر بس آرام کرنا چاہتی تھی زندگی کے اس نئے آغاز کو بھرپور طریقے سے جینا چاہتی تھی ایک مقدس بندھن نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا اس حسین آغاز کو وہ گزرے وقت کی تلخیوں کی نذر نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے تو رائمہ کی جھڑکیاں چپ چاپ سنتی رہی تھی گہری سانس لے کر اس نے درودیوار پر نگاہیں ڈالیں جو اس کے لیے اجنبی پہلے بھی نہیں تھے تب ہی کھلتے دروازے پر اس کی نگاہیں ٹھہری چاہتے ہوئے بھی وہ اب نگاہیں نہیں پھیر سکی تھی اس شخص کی جانب سے جو صرف اس کی محبت کے بل بوتے پر ناممکن کو ممکن کر گیا تھا اسے واپس اپنے قریب اپنی دسترس میں لے آیا تھا پہلے سے زیادہ استحقاق کے ساتھ۔ اپنے ہاتھوں پر نظر جمائے وہ دوبارہ اس کی طرف نہیں دیکھ سکی تھی جو کچھ ہی فاصلے پر رکا گیا تھا۔

''رائمہ نے غصے میں بہت کچھ کہا تمہیں...... میں نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ کچھ نہیں کہے مگر...... شاید جو غصہ اسے مجھ پر تھا وہ بھی اس نے تم پر نکالا کیونکہ اس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ میری بہت عزت کرتی ہے اور تم سے بہت محبت......'' دراج کی جھکی پلکوں پر نگاہ جمائے وہ گہری سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ ''کبھی کبھی کسی کو بہت عزت دے کر بھی انسان مجبور ہو جاتا ہے اور کبھی کسی سے بہت محبت کر کے بھی...... رائمہ نے جو کچھ تمہیں میری وجہ سے کہا اس سب کے لیے میں تم سے معافی مانگتا ہوں تم اس کی کسی بھی بات کو دل میں مت رکھنا......''

''آپ کو کسی بھی بات کے لیے مجھ سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی حیثیت سے اچھی طرح واقف ہوچکی ہوں مجھے اب کسی کی کوئی بھی تلخ بات تکلیف نہیں دے سکتی مان لیا ہے میں نے سب ٹھیک ہیں بس ایک میں ہی غلط رہی ہوں۔'' اس کے لرزتے لہجے پر زرکاش نے مضطرب نظروں سے اس کی جھکی پلکوں پر چمکتے موتیوں کو دیکھا۔

''اگر ایسا ہے بھی تو اس بات کا یقین رکھنا ساری دنیا تمہاری مخالفت میں ایک طرف ہوجائے تو دوسری طرف تم تنہا نہیں ہوگی مجھے تم اپنے ساتھ پاؤ گی...... تمہاری حیثیت تمہارا مرتبہ میرے دل اور زندگی میں کتنا بلند ہے یہ تم بھی جانتی ہو دراج۔'' گمبھیر لہجے پر دراج نے بس ایک نگاہ اسے دیکھا جو سامنے براجمان تھا۔

''جانتا ہوں کہ تم بہت کچھ کہنا چاہتی ہو...... تمہارے دل میں جس قدر بھی گلے شکوے ہیں سب کہہ دو دراج میں سب سنوں گا میرے لیے یہ برداشت کرنا ناممکن ہے کہ میری غلطیوں نے مجھے تمہارے دل کے اس مقام سے ہٹا دیا ہے جہاں میں نے ہمیشہ خود کو دیکھا۔'' اس کے بوجھل لہجے پر وہ بس نظر جھکائے خاموش رہی۔

''مجھے بتاؤ دراج میں ایسا کیا کروں کہ تمہارے دل میں مجھے واپس وہی مقام مل جائے...... یہ سزا بہت بھاری ہے کہ تم بہت قریب ہونے کے باوجود بہت دور دکھائی دے رہی ہو۔'' بجھے لہجے پر دراج کو اس کی جانب دیکھنا پڑا وجیہہ چہرے پر تھکن نمایاں تھی ہمیشہ روشن رہنے والی گہری آنکھوں کی چمک معدوم تھی۔

''میں کسی سمجھوتے کے تحت واپس نہیں آئی زرکاش...... مجھے آپ تک ہی آنا تھا کیونکہ میری منزل آپ ہیں زندگی کے سفر میں آپ کی ہمراہی اگر میری خواہش رہی ہے تو اس خواہش میں قدرت کی بھی رضامندی شامل ہوچکی تھی اسی لیے نہ آپ پیچھے ہٹے نہ مجھے ثابت قدمی میں کمزور پڑنے دیا۔ مجھے قدر ہے اس کی کہ آپ نے کیا کچھ قربان کر کے مجھے اپنی زندگی میں ایسا مقام دیا ہے جس کے میں قابل نہ تھی آپ نے اپنوں کے دیئے گئے زخم تو سینے پر سجا لیے لیکن

ہمارے تعلق کو بیچ منجدھار میں نہیں چھوڑا' اس تعلق کو آج دنیا کی نظر میں بھی ایک مقدس نام دے کر آپ نے سچے پاکیزہ جذبوں کو خاک میں ملنے سے بچالیا۔ تائی امی نے مجھے آپ کے لیے قبول کرکے مجھے میری ہی نظروں میں سرخرو کردیا' وہ آپ کی ماں ہیں' اسی لیے تو ان کا دل اور ظرف آپ جیسا ہی وسیع ہے۔ آپ کی ہر غلطی کو بھلا کر آپ تک آنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔" دھیمے لہجے میں کہتی وہ ایک پل کو رکی اور پھر نظر اٹھا کر زرکاش کی جانب دیکھا' جس کا دل سینے میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی دھڑک رہا تھا۔

"دنیا اِدھر سے اُدھر ہوسکتی ہے مگر جو مقام میرے دل میں آپ کا ہے' وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا' وہ مقام آج بھی آپ کا ہے اور ہمیشہ آپ کا ہی رہے گا' آپ کی کوئی غلطی' کوئی عمل اس مقام سے آپ کو نہیں ہٹا سکتا۔ اس مقام کی جانب نگاہ اٹھانے کی گستاخی تو میں خود بھی نہیں کرسکتی۔ میں تو بس آپ کے اس مقام کی پہرے دار ہوں' اس کی حفاظت پر معمور ہوں۔" اس کے مستحکم لہجے اور لبوں پر بکھری پُریقین مسکراہٹ نے دم بخود بیٹھے زرکاش میں جیسے نئی روح پھونک دی تھی' جذبات سے مغلوب وہ کچھ کہہ نہ سکا' بس دراج کا موی ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگالیا تھا۔

"مجھے معاف کردیں' میری ہٹ دھرمی نے آپ کو تکلیف پہنچائی' بہت تنگ کیے رکھا۔" دراج کے کہنے پر زرکاش نے گہری نظروں سے اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں یہ لگ رہا ہے کہ آج بھی بہت آسانی سے معافی مل جائے گی' ہے ناں؟" زرکاش کی مسکراتی نظروں پر وہ مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کرتی نظر جھکا گئی۔

"معافی تلافی کے معاملے پر غور کرلیں گے' پہلے حساب تو وہ سارے بے باک ہوجائیں جن کا انبار لگا رکھا ہے تم نے میرے پاس' ان سے مکر بھی نہیں سکتیں تم' دامن بچا کر تمہیں میں فرار نہیں ہونے دوں گا دراج' اب کیا ہوگا تمہارا؟" وارفتہ نگاہوں اور شوخ لہجے پر وہ مجوب زدہ گل رنگ ہوتا چہرہ ہاتھوں میں چھپالینا چاہتی تھی مگر زرکاش نے اس کے ہاتھ پکڑلیے تھے۔

❁......◉......❁

"وہ بہت ڈھکے چھپے طریقے سے مجھ پر واضح کرچکی تھی بلکہ دوسرے معنوں میں خبردار کرچکی تھی کہ میں تمہارے اور اس کے معاملے سے دور رہوں' یہی میرے حق میں بہتر ہے لیکن اس کے باوجود میں تمہاری خاطر صرف عرش کی تاکید پر پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام کررہا ہوں...... اگر کوئی شخص اس کے تعاقب میں ہے تو میری بتائی گئی یہ انفارمیشن تمہیں رجاب کے سامنے کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ اب ہوشیار رہے گی' اپنے اردگرد کی ہر ممکن خبر رکھے گی' اب ایسے میں' میں کس طرح اس پر نظر رکھ سکوں گا۔" امام شدید ناگواری اور جھنجھلاہٹ کے درمیان بولا' جب کہ عرش کی سنجیدہ نظریں شقران پر مرکوز ہوگئیں جو فوری طور پر کچھ کہہ نہیں سکا تھا۔

"میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس شخص سے رجاب کا کوئی تعلق کس حد تک باقی ہے...... اور یہ بھی کہ وہ کس مقصد سے رجاب کے پیچھے آرہا ہے۔" شقران ان دونوں سے نظر ملائے بغیر بولا۔

"اس کا تعلق کسی سے بھی ہو' کوئی کسی بھی مقصد سے اس کے تعاقب میں ہو' تمہیں اس سے کیا لینا دینا' یہاں خطرہ تم سمیت سب کے سروں پر منڈلا رہا ہے اور تمہیں اس کی فکر پڑی ہے جو خطرے کا باعث ہے۔" امام زچ ہوکر برسا۔

"وہ کوئی خون آشام بلا نہیں جو تم اسے یہاں سب کے لیے خطرہ قرار دے رہے ہو' اس کا ٹارگٹ صرف میں ہوں' میرے ساتھ اسے کیا کرنا ہے' یہ وہ جانتی ہے مگر مجھے اس کی بات پر یقین ہے کہ وہ میرے گناہ کی سزا کسی اور کو نہیں دے سکتی۔" شقران اپنے لفظوں پر زور دیتا ان دونوں سے ہی مخاطب ہوا۔

"تمہیں اب بھی اس کی بات پر یقین ہے؟" امام نے دنگ نظروں سے اسے دیکھا۔

"شقران...... وہ اس شہر کے سب سے معروف سائیکاٹرسٹ کے پاس یونہی حاضری لگانے نہیں گئی تھی۔ وہاں باقاعدہ سیشن ہوتے ہیں اس کے' میں ساری معلومات کرچکا ہوں' وہ ایک طویل عرصے سے اس سائیکاٹرسٹ کے زیر

علاج ہے یہ جاننے کے بعد اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ کسی معمولی ذہنی اور نفسیاتی مسائل سے دوچار نہیں۔"

"اگر وہ کسی سائیکاٹرسٹ کے زیر علاج ہے تو یہ بات قابل گرفت کیسے ہوسکتی ہے اسے بنیاد بنا کر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟" شفقر ان سرخ چہرے کے ساتھ اکھڑے لہجے میں مخاطب ہوا۔

"امام کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتا۔ وہ صرف حقیقت بتا کر تمہیں ہوشیار کرنا چاہتا ہے جس پر توجہ دینے کے بجائے تم رجاب کے ہر لفظ پر آنکھیں بند کیے یقین کیے بیٹھے ہو میں اس پر یقین نہیں کرنے والا گھر میں بھائی بچے اور زنائشہ ہے امام ٹھیک کہہ رہا ہے وہ یقیناً کسی معمولی نوعیت کے نفسیاتی مسائل کا شکار نہیں ہم رسک نہیں لے سکتے وہ یہاں کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے کم از کم میں اس پر اندھا بھروسہ نہیں کرسکتا تم سے دشمنی رکھ کر وہ تمہارے اردگرد موجود لوگوں سے ہرگز مخلص نہیں ہوسکتی اس کا ثبوت وہ تمام باتیں ہیں جو اس نے زنائشہ سے کرکے اسے ہم سب سے بدظن کرنے کی کوشش کی۔" عرش بگڑے لہجے میں بولا۔

"عرش خدشات مجھے بھی تھے اس کی طرف سے جن کو وہ بھانپ گئی تھی اس نے واضح طور پر مجھ سے کہا ہے کہ وہ میرے اور اپنے معاملے میں کسی تیسرے کو نہیں گھسیٹنا چاہتی مجھ سے بھی وہ یہی چاہتی ہے میں نے بلاوجہ اس پر یقین نہیں کیا میری وجہ سے وہ یہاں کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گی اس کی مرضی کے خلاف جاکر میں سب کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔" شفقر ان مضطرب ہوا۔

"وہ تمہاری زندگی میں آسانیاں اور راحتیں بکھیرنے نہیں آئی...... اگر تم نے واقعی اس کا چہرہ غور سے دیکھا ہے تو تمہیں اس سے کسی بھی اچھائی کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔" امام کا لہجہ طنزیہ ہوا۔

"شفقر ان وہ واضح کرچکی ہے اپنے ہر ردعمل سے کہ وہ ساری زندگی تمہیں ذہنی اذیت میں یونہی مبتلا رکھے گی مگر کبھی معاف کرنے کی غلطی نہیں کرے گی تمہیں اس سے اس طرح نجات نہیں ملنے والی یا تو تم خاموشی توڑ کر بھائی کے سامنے اعتراف کرلو وہ اپنے طور پر اس معاملے کو سنبھال سکتے ہیں یا پھر مجھے رجاب کے حوالے سے ساری حقیقت زنائشہ کے گوش گزار کرنے دو رجاء ٹیرس سے کہاں تک رجاب پر نظر رکھ سکے گی زنائشہ کو ہوشیار کرنا ضروری ہے۔ بھابی کو اگر رجب کی طرف سے خبردار کیا تو وہ گھبراہٹ میں سارا معاملہ بگاڑ دیں گی تمہیں ان میں سے کوئی ایک آپشن استعمال کرنا پڑے گا۔" عرش قطعی انداز میں بولا۔

"تم چاہتے ہو کہ رجاء کے بعد اب میں زنائشہ سے بھی نظر ملانے کے قابل نہ رہوں......؟" شفقر ان کمزور لہجے میں بولا۔

"ایسا ہرگز نہیں ہوگا مجھ پر یقین رکھو میں جانتا ہوں کہ مجھے کس طرح زنائشہ کو ساری بات بتانی ہے۔"

"عرش...... سچ یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن مجھے زنائشہ کی نظروں میں بھی منہ کے بل گرنا ہے لیکن کیا تم مجھے تھوڑا وقت نہیں دے سکتے؟ میں ابھی رجاب کے معاملے میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔"

"آخر تمہیں کس وقت کا انتظار ہے؟" امام نے زچ ہوکر پوچھا۔ "جتنا تیزی سے وہ زنائشہ اور رجاء کے قریب ہورہی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس کے مقاصد کا...... اس نے دیکھ لیا ہے مجھے اپنے تعاقب میں وہ کیسے بے خبر رہ سکتی ہے کہ رجاء نے اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھی ہوئی ہے...... ایک بات ابھی بتا رہا ہوں اس نے اگر رجاء کو ذرا بھی نقصان پہنچایا مجھے دی گئی دھمکی کے مطابق تو نہ میں خاموش رہوں گا نہ تمہیں چھوڑوں گا اور نہ اسے۔" شفقر ان کی ڈھٹائی پر امام بری طرح بگڑ کر کہتا وہاں سے چلا گیا عرش بس خاموشی سے بغور شفقر ان کے تاثرات دیکھتا رہا جو کسی سوچ میں گم جیسے وہاں موجود ہی نہیں تھا۔

❁......❁......❁

"امام تم نے جان بوجھ کر میری روتی بسورتی تصویر لی ہے نکاح کے وقت یہ اچھا نہیں کیا تم نے......" اپنے ٹیرس پر موجود رجاء سخت جھلائی ہوئی تھی۔

''امام کی غلطی نہیں ہے' تم تو ہمہ وقت روتی ہوئی نظر آتی ہو' کبھی امام کا رونا' کبھی فلاں کا رونا۔'' زنائشہ سے چائے کا مگ لیتے شفر ان نے لقمہ دیا۔
''تم تو بس ہمیشہ میرے خلاف بولنا' مجال ہے جو میرے متعلق کوئی اچھی بات تمہاری زبان پر آ جائے۔'' رجاء کے جل اٹھنے پر زنائشہ بے ساختہ ہنسی۔
''میں کیوں جان بوجھ کر ایسا کروں گا' آخر تمہیں بیگانی شادی میں اتنا رونا ڈالنے کی ضرورت ہی کیا تھی' جس کا نکاح تھا وہ بھی نہیں روئی اتنا۔'' امام نے کوفت سے کہا۔
''تو اب کیا کروں' ایسے ہی موقعوں پر یاد آ جاتے ہیں تمہارے لگائے غم..... کہیں سے خالص زہر مل جائے تو ہر غم کا ہی مداوا ہو جائے۔'' رجاء کلس کر بولی۔
''رجاء..... مجھے بس ایک موقع دو۔'' شفر ان پھر درمیان میں بولا۔
''اس کے غم کا مداوا کرنے کے لیے؟'' زنائشہ نے پوچھا۔
''نہیں' خالص زہر لانے کے لیے۔'' شفر ان کے جواب پر وہ بے ساختہ ہنسی' اس بات سے قطعی بے خبر کہ رجاب کی تیز نگاہیں دور سے ہی اس پر اور شفر ان پر جمی ہیں' ڈرائنگ روم کی ونڈو کے ساتھ رکھی ٹیبل کے گرد بیٹھی وہ حسن اور حسین کو پڑھاتے ہوئے ٹیرس کی جانب سے ابھرتی آوازوں کو کافی دیر سے سن رہی تھی' لاؤنج کی ونڈوز سے اسے ٹیرس کا منظر بھی واضح دکھائی دے رہا تھا' اس وقت شفر ان بہت خوش گوار موڈ میں قریب کھڑی زنائشہ سے مخاطب تھا' جو اسے بغور سن رہی تھی' رجاب کو اپنی رگوں میں انگارے دوڑتے محسوس ہو رہے تھے' اس کی بھڑکتی تیز نگاہیں بنا پلک جھپکے شفر ان پر جمی تھیں جو بدستور زنائشہ کی طرف متوجہ تھا' لب بھینچے وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر تیز قدموں سے ڈرائنگ روم سے نکلی کہ ٹیرس کی طرف سے آتے امام کو دیکھ کر اس کے قدم رک گئے تھے۔
''کیسے ہو امام؟'' رجاب کی نظریں اور لہجہ دونوں چبھتے ہوئے تھے۔
''ٹھیک ہوں' آپ کیسی ہیں؟''
''میں ٹھیک نہیں ہوں کیونکہ میری بات نہ مان کر تم نے مجھے کافی مایوس کیا ہے۔'' اس کے سرد لہجے پر امام کچھ کہہ نہیں سکا نہ ہی کوئی راہ فرار سجھائی دی۔
''مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ رجاء کہاں تک میرے معاملے میں انوالو ہے اور تم کہاں تک میرے تعاقب میں گئے ہو..... ان احمقانہ حرکتوں سے تم لوگ کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ کم از کم رجاء کو تو اس شخص کے لیے استعمال مت کرو جسے عورت کی عزت تک کرنا نہیں آتا۔'' شدید برہمی سے کہتی وہ یک دم رک کر عرش کی طرف متوجہ ہوئی' جس کی آمد اسی وقت ہوئی تھی جب کہ عرش کی حیران نظریں امام پر تھیں جو موقع غنیمت جان کر تیز قدموں سے واپس ٹیرس کی طرف چلا گیا' مگر اب عرش کے لیے ناممکن تھا رجاب سے کترا کر نکل جانا' پہلی سرسری ملاقات کے بعد اب یہ موقع آیا تھا کہ جس میں رجاب سے سامنا ہو رہا تھا۔
''زنائشہ سے پوچھنا پڑے گا آج سورج کہاں سے طلوع ہوا تھا کہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔'' سلام دعا کے بعد رجاب نے بلا تکلف کہا۔
''میرے خیال میں اسے صرف اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے۔'' عرش سنجیدگی سے بولا۔ ''راسب بھائی کیسے ہیں؟''
''آغا جان بالکل ٹھیک ہیں اور..... زرق بھی.....'' رجاب کے معنی خیز لہجے میں زرق کا ذکر نکالنا اسے چونکا گیا۔
''میں زرق کے اس جارحانہ ردعمل کے لیے تم سے بہت شرمندہ ہوں' مجھے بہت غصہ تھا اس کی حرکت پر' میں زرق سے ایسے کسی فعل کی امید نہیں رکھتی تھی..... شاید وہ خود بھی سمجھ نہیں پایا تھا کہ جذبات میں وہ کس طرح کسی کی جان لینے پر آمادہ ہو گیا۔ اسے اپنی غلطی کا پورا احساس ہے' میں اس بات کی ضمانت لیتی ہوں کہ آئندہ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا جو تمہارے یا زنائشہ کے لیے نقصان دہ ہو' میں چاہتی ہوں کہ تم اسے دل سے معاف کر دو۔''

''زرق کے خلاف میرے دل میں نہ کل کچھ تھا نہ آج ہے۔'' عرش نے صاف گوئی سے کہا۔
''تو پھر زنائشہ سے تم زرق کے بارے میں اب تک کوئی بات کیوں نہیں کرسکے؟ زرق بہت بے چین ہے' پریشان ہے کیونکہ تم نے اسے زنائشہ سے دور رہنے کی تاکید کی ہے' کم از کم اسے اتنا حق تو ہونا چاہیے کہ وہ زنائشہ کو دور سے ہی ایک نظر دیکھ کر تسلی کرسکے۔''
''آپ نے ٹھیک کہا' میں زرق کے جذبات بھی سمجھ سکتا ہوں' میں نے مجبوراً زرق کو تاکید کی کیونکہ زنائشہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ کوئی مستقل اس کے تعاقب میں ہے' اس نے مجھے بتایا کہ یہ تعاقب کافی عرصے سے جاری ہے' میں اسے پریشان اور خوف زدہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا' اس لیے زرق کو روکنا پڑا' جہاں تک بات ہے کہ زنائشہ اب تک زرق سے بے خبر کیوں ہے...... تو سچ یہ ہے کہ زرق صرف اس کا بھائی نہیں' اس کے دل پر لگا گہرا زخم بھی ہے' میں زرق کو اچانک اس کے سامنے لے جا کر کھڑا نہیں کرنا چاہتا' زنائشہ کو ذہنی طور پر پہلے تیار کرنا ہوگا' زرق کے بارے میں تفصیل سے اسے بتانا ہوگا' یہ بس اتفاق ہے کہ زنائشہ کے یہاں آنے کے بعد سے حالات کچھ ایسے رہے کہ مجھے کوئی مناسب موقع نہیں مل سکا اور آج کل جو مصروفیات ہیں زنائشہ کی ان سے آپ بھی واقف ہیں۔''
''ہاں' میں جانتی ہوں' زنائشہ کی دوست دراج کی شادی کے ریسپشن میں ابھی تین چار دن باقی ہیں' وہ اسی کی تیاریوں میں مصروف ہے......'' تائیدی انداز میں کہتی رجاب یک دم اس لمحے چپ ہوگئی۔ جب اس نے زنائشہ کو اپنی طرف آتے دیکھا' جب کہ زنائشہ نے چونک کر بغور ان دونوں کو دیکھا۔
''خیریت ہے...... آپ دونوں اس طرح خاموش کیوں ہوگئے؟'' زنائشہ کو بہت عجیب لگا' عرش کا بھی خاموشی سے اپنی طرف متوجہ ہونا۔
''تم چاہتی ہو کہ ہم تمہارے سامنے بھی تمہاری تعریف کریں۔'' رجاب کے یک دم خوشگوار اور مسکراتے لہجے پر وہ بمشکل مسکرائی۔
''تمہاری چائے تیار ہے' ٹیرس پر آجاؤ' وہیں چائے لے آتی ہوں' رجاء بھی پوچھ رہی ہے تمہیں۔'' رجاب اسے مخاطب کرتی ٹیرس کی طرف چلی گئی' جب کہ زنائشہ ایک کڑی نظر عرش پر ڈالتی خود بھی جانے کے لیے پلٹ گئی۔
''زنائشہ......'' اس کے تیور بھانپتے ہی عرش نے اسے روکنا چاہا مگر وہ ان سنی کرگئی' اس کی بدگمانی کے خدشے کے پیش نظر عرش نے اس کے پیچھے جانے میں دیر نہیں کی تھی۔

❁......❁......❁

آسمان پر بہت آہستگی سے تاریکی کے پرسمٹ رہے تھے' صبح کی سپیدی نمودار نہیں ہوئی تھی' مگر خوش الحان پرندوں کی چہچہاہٹیں ایک نئی روشن صبح کی نوید تھیں' وسیع و عریض رقبے پر پھیلے سبزے پر ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا' البتہ ٹریک پر چند ایک افراد دوڑتے دکھائی دے رہے تھے' لائٹس اتنی تعداد میں ضرور آن تھیں کہ تاریکی کا غلبہ نہیں تھا' ہر منظر واضح تھا' پاک صاف خوشگوار مہکتی فضا میں گہری سانس بھرتے ہوئے' شبنم میں بھیگی گھاس پر وہ اس کے ہم قدم تھا جو بہت خاموش تھی' جبین ناز پر شکن بھی' شال میں قید وہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔
''زنائشہ' اتنی منتوں کے بعد میں نے تمہیں یہاں ساتھ آنے پر راضی کیا تو صرف اس لیے نہیں کہ مجھے تمہارے ساتھ واک کرنا تھی' مجھ سے باتیں کرو' مجھے بات کرنی ہے تم سے۔'' بالآخر عرش نے خاموشی کو توڑا۔
''مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی یہ تم بھی جانتے ہو۔'' ایک ناگوار نگاہ اس پر ڈالتی وہ بولی۔
''تم ایک ذرا سی بات کو اتنی اہمیت دے کر کیوں بڑھانا چاہتی ہو؟'' وہ زچ ہوا۔ ''ٹھیک ہے تمہارے دل میں جو ہے سب کہہ ڈالو' کم از کم تمہاری آواز تو سن سکوں گا میں۔''
''میرے کچھ کہنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں' تم نے طے کر رکھا ہے کہ میرے کسی سوال کا جواب نہیں دینا۔'' وہ ہنوز روٹھے انداز میں بولی۔

''تو کیا جواب دوں تمہارے سوال کا' جس کا کوئی سر پیر نہیں...... میں بتا چکا ہوں کہ میرے اور رجاب کے درمیان رسمی گفتگو ہی ہوئی اور کچھ نہیں۔''

''عرش...... بار بار ایک ہی بات مت دہراؤ جو کہ سچ بھی نہیں' مجھے دور سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ تم سے بہت سنجیدہ نوعیت کی بات کر رہی تھی' رسمی سی نہیں۔''

''زنائشہ...... دوسری ملاقات میں میری اس سے کیا سنجیدہ گفتگو ہو سکتی ہے؟ میری تو اس سے براہ راست بات بھی کل پہلی بار ہوئی' وہ بھی اس بہانے کے اس نے مجھے مخاطب کرنے میں پہل کی' اب میں صرف سلام کا جواب دے کر اسے اگنور تو نہیں کر سکتا تھا ناں۔''

''عرش...... میں جانتی ہوں کہ رجاب سے تمہاری کوئی جان پہچان نہیں' رجاب کی بے تکلفی سے بھی میں واقف ہوں۔ مجھے پھر بھی یہ بات بے سکون کر رہی ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان ایسی کون سی رسمی گفتگو ہو رہی تھی جو پورے دس منٹ تک جاری رہی مگر میری مداخلت نے اس گفتگو کا سلسلہ توڑ ڈالا' سچ چھپانے کے لیے تم مجھ سے غلط بیانی کر رہے ہو' تم نے میرے یقین اور اعتبار کو بھی شرمندہ کر دیا ہے۔'' وہ شدید تاسف سے کہہ رہی تھی۔ ''میں اور تم ایک دوسرے کے چہرے سے ہی اندر کے موسم کو پہچان لیتے ہیں' ہم چاہ کر بھی ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپا سکتے' یہ جانتے ہوئے بھی تم کتنے یقین سے مجھے غلط قرار دے رہے ہو...... جب مجھے یقین آ جائے گا کہ میں تمہارے معاملے میں اس طرح دھوکہ دے سکتی ہوں تب میں تم سے بات کرلوں گی' مگر ابھی مجھے مجبور مت کرو۔'' بات ختم کرکے اس نے آگے بڑھنا ترک کیا' اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر چلی جاتی عرش نے اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا۔ شدید خفگی سے زنائشہ نے اسے دیکھا' جو اس کا ہاتھ اپنے دل کے مقام سے لگائے قریب ہوا۔

''ذرا غور کرو اور بتاؤ اس وقت میرا دل تم سے کیا کہہ رہا ہے؟'' گہری مسکراتی نظروں سے عرش نے اس کے ماتھے کی شکنوں کو دیکھا۔

''یہی کہ تمہیں مجھ سے صرف سچ بولنا چاہیے۔'' وہ فوراً بولی۔

''بس...... یہ دل ہی تو دغا باز ہے' تمہارے سامنے من مانیاں بھول جاتا ہے۔'' اس کے ہارے انداز پر زنائشہ نے اسے دیکھا۔ ''یہ بھی جانتا تھا کہ غلط بیانیوں سے تمہیں مطمئن نہیں کر سکوں گا اور ڈھٹائی بھی نہیں چلنی...... مسئلہ یہ ہے کہ ابھی تم سے اس بارے میں بات نہیں کر سکتا' بس اتنا کہوں گا کہ میرے اور رجاب کے درمیان جس شخصیت کے بارے میں بات ہو رہی تھی اس سے بہت جلد تمہیں آگاہ کرنے والا ہوں' بس مجھے تھوڑا وقت دو۔''

''لیکن...... عرش......''

''اور کوئی سوال ابھی مت کرنا۔'' اس نے درمیان میں اسے روکا تھا جو سخت الجھن میں گرفتار ہو چکی تھی۔

''زنائشہ' تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے تو بے فکر ہو جاؤ' معاملہ جو بھی ہے اس میں تمہاری خوشی پوشیدہ ہے' مجھے امید ہے کہ تجسس میں تم رجاب سے کوئی سوال نہیں کرو گی' تمہارے ہر سوال کا جواب صرف میں دوں گا' سمجھ گئیں؟'' عرش کے تنبیہی انداز پر وہ بگڑے انداز میں ہاتھ چھڑاتی آگے بڑھ گئی' مسکراتی نظروں سے وہ اسے سرخ پھولوں سے لدے درخت کی گھنی شاخوں تلے گم ہوتا دیکھتا رہا اور پھر اسی جانب بڑھتے ہوئے آسمان کا جائزہ لیا' جہاں تاریکی چھٹ چکی تھی' کوئل کی سریلی تان فضا میں رس گھول رہی تھی۔ درخت کے چوڑے تنے سے پشت لگائے وہ بس ایک پل کو اس کی طرف متوجہ ہوئی جو اس کے سر سے اوپر درخت کے تنے پر ہاتھ جمائے قدرے اس کی جانب جھکا تھا۔

''ناراض ہو گئیں؟'' ریشمی رخسار کو پوروں سے چھوتا وہ دھیمے لہجے میں گنگنایا۔

''اب کیا کہوں تم سے...... سوال کرنے کی بھی اجازت نہیں دی تم نے۔'' وہ کچھ روہانسے انداز میں بولی اور پھر رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''عرش...... میری بات سنو۔'' زنائشہ نے بڑی چاہت سے اس کے چہرے کے گرد ہاتھ رکھے۔

''خبردار......'' عرش کی کرخت آواز پر وہ کرنٹ کھا کر ہاتھ پیچھے ہٹا گئی۔ ''خبردار جو یہ ہتھیار مجھ پر اپنے مطلب کی بات اگلوانے کے لیے استعمال کیے تو......''

''تو......تو کیا کرو گے تم؟'' زنائشہ نے ابرو چڑھا کر اسے گھورا۔

''تو میں انتظار نہیں کروں گا تمہارے دلہن بننے کا' ایسے ہی ہاتھ پکڑ کے گھر لے جاؤں گا۔''

''اتنے ہی جی دار ہو تو پہلے ہی یہ کام کر لیتے۔'' زنائشہ نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا اور منہ پھیر گئی۔ ''عرش' تمہیں ذرا بھی میری پریشانی کی پروا نہیں' کچھ تو بتاؤ مجھے' وہ کون شخص ہے' کیا کہتی ہے رجاب اس کے بارے میں؟'' عرش کے خاموشی سے دیکھتے رہنے پر وہ خود ہی کہہ اٹھی' مگر جواب ندارد۔ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی تھی پھر سر جھٹک کر موضوع بدل دیا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ہی منظر بار بار لہرا رہا تھا' زنائشہ کا کھلکھلاتا چہرہ اور اس کے قریب شقران کا مسکراتا مطمئن چہرہ...... جو اسے انگاروں پر دھکیل رہا تھا۔ دیوار سے نظریں ہٹا کر اس نے دائیں جانب ڈریسنگ کے آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھا' یک دم اسے دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا' کتاب ایک طرف ہٹا کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی' جانے سب کہاں تھے' لاؤنج میں پھیلی خاموشی سے اسے وحشت ہو رہی تھی' راسب کے کمرے تک آتے ہی ادھ کھلے دروازے پر اپنا نام سن کر اس کے قدم رک گئے تھے۔

❁......❁......❁

''میرے لیے یہ بہت ناقابلِ یقین بات ہے کہ اتنے کم وقت میں رجاب نے تین لڑکیوں کو دوست بنالیا اور تو اور ان میں سے ایک کے نکاح میں بھی شرکت کی ورنہ وہ تو اس قسم کی تقریبات میں جانے سے ہی صاف انکار کر دیتی تھی۔'' راسب کی حیران آواز بخوبی سنائی دی۔

''میں تو پہلے ہی آپ سے کہہ رہی تھی کہ سحر کی طرف آنے جانے سے اس میں بہت تبدیلی آئی ہے' وہ اب لوگوں میں گھلنے ملنے سے کتراتی نہیں' یہ تو آپ نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ رجاب اب خوش رہنے لگی ہے' پہلے اسے خاموشی اور تنہائی پسند تھی' اب ایک دن وہاں نہ جائے تو بوریت کی شکایت کرتی ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو اس میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں وہ صاف ظاہر بھی ہیں' مجھے تو اب افسوس ہوتا ہے کہ میں شہرام سے اتنی دیر سے کیوں ملا' شہرام اور ان کی فیملی سے پہلے تعلقات ہوتے تو رجاب میں یہ مثبت تبدیلیاں بھی بہت پہلے سے ہو گئی ہوتیں۔''

''بس اب میرا کہنا تو یہی ہے کہ اب آپ اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے پر مجبور نہ کیجیے گا' ویسے بھی اب اس کے ڈاکٹر بہت مطمئن ہیں' آپ بھی وہم سے دامن چھڑا لیں' رجاب بالکل نارمل ہے' اسے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔'' ندا پُریقین لہجہ میں بولیں۔

''ندا......بس اب تو یہ خواہش ہے کہ شہرام کے گھرانے جیسا اچھا گھرانہ رجاب کے لیے مل جائے' میری یہ دیرینہ خواہش ہے کہ رجاب کو شاد و آباد ہوتا دیکھوں' جانے وہ مبارک ساعت کب زندگی میں آئے گی' جب میں اسے دلہن کے روپ میں دیکھوں گا' اسے دھوم دھام سے رخصت کروں گا۔'' راسب کے لہجے میں نمایاں یاس و حسرت نے ساکت کھڑی رجاب کا دل مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

''وہ مبارک ساعت بھی ضرور آئے گی۔ ہماری زندگی میں' اچھی امید رکھیں' رجاب کے لیے آپ نے جو خواب دیکھے ہیں وہ پورے ہوں گے۔'' ندا اور جانے کیا کہہ رہی تھیں مگر وہ مزید وہاں نہیں رک سکی' بھاری دل کے ساتھ اپنے کمرے میں آ کر وہ کافی دیر تک کچھ سوچتی رہی اور پھر ایک قطعی فیصلہ کرنے کے بعد اپنا فون ساتھ لیے باہر لان میں نکل آئی۔ چیئر پر بیٹھی وہ چند لمحوں تک کسی معاملے پر غور کرتی رہی اور پھر اسے کال کی جو یقیناً اس کی توقع نہ رکھتا تھا۔

''میں گھر کے باہر تم سے ملنا چاہتی ہوں' بتاؤ کس وقت مل سکتے ہو؟'' کسی بھی رسمی تعارف کے بغیر وہ اسے مخاطب کر

گئی تھی دوسری جانب اس کی آواز سننے کے بعد شقران کو واقعی اپنے مخاطب کے کسی تعارف کی ضرورت نہیں رہی تھی۔
''کل صبح کسی وقت؟'' اسے سوچنے کا موقع دیے بغیر اس نے پوچھا۔
''صبح تو آفس کے ورکنگ آورز میں ممکن نہیں۔'' شقران نے حقیقتاً ٹالا۔
''کیا جاب کرتے ہو؟''
''انجینئر ہوں۔''
''شام کا کوئی وقت بتادو؟''
''شام کا سارا وقت میرا شوروم میں گزرتا ہے۔''
''ہاں' مجھے پتہ ہے تمہارا شوروم ہے' ایڈریس بتاؤ۔'' اس کے خشک لہجے پر شقران نے فوراً ایڈریس بتادیا۔
''شام کو آپ وہاں آسکتی ہیں' منتظر رہوں گا۔'' شقران کی دھیمی آواز مکمل سنے بغیر وہ لائن ڈسکنیکٹ کرگئی۔ راسب کی دیرینہ خواہش اور اپنے لیے ان کے خواب سے وہ پہلے بھی ناواقف نہیں تھی' نہ ہی شقران کی سزا اس نے اچانک متعین کی تھی' وہ اس بارے میں پہلے ہی سوچ رہی تھی لہٰذا اپنی سوچ پر اچانک عمل کرلینے کا محرک راسب نہیں تھے' البتہ وہ بہانہ ضرور بن گئے' اصل محرک تو یقیناً وہ خوش گوار تعلقات بنے تھے جو اس نے شقران اور زنائشہ کے درمیان محسوس کیے تھے' وہ جانتی تھی کہ یہ کوئی معیوب چیز نہ تھی' اس گھر کے سب ہی افراد کے ساتھ زنائشہ کے تعلقات بہت اچھے تھے' اس نے دیکھا تھا کہ سحر اور شہرام کتنی اہمیت دیتے ہیں زنائشہ کو' ہر طرف زنائشہ کے نام کی پکار سنائی دیتی تھی۔ بس ایک شقران کا زنائشہ کو پکارنا' اسے مخاطب کرنا' اس سے برداشت نہیں ہورہا تھا' یہ بہت الجھا دینے والی جلن خود اس کی سمجھ سے باہر اور کافی تشویش ناک تھی' یہ سب جو بھی تھا کم از کم شقران کے لیے اس کے دل میں بیدار نہیں ہونا چاہیے تھا۔

❁......❁......❁

شوروم میں داخل ہوکر اس نے رکے بغیر اطراف کا جائزہ لیا' کاؤنٹر کی طرف کوئی نہ تھا' دائیں جانب گلاس وال کے دوسری طرف مختلف گاڑیوں کی قطاروں کے درمیان کچھ لوگ کھڑے دکھائی دے رہے تھے' ان میں سے کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا' تیز قدموں سے ناک کی سیدھ میں چلتی وہ گلاس ڈور تک پہنچی اور اندر داخل ہوگئی' شقران کے سامنے موجود دو افراد بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے جب کہ رجاب ایک جانب بڑھ گئی۔
شقران دوبارہ اپنے کسٹمرز کی طرف متوجہ ہوگیا تھا' رجاب کی آمد غیر متوقع نہیں تھی مگر پھر بھی حواس اور اعتماد دونوں ہی ساتھ چھوڑ رہے تھے' وہ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح باقی معاملات اپنے کسٹمرز سے طے کرکے انہیں رخصت کیا تھا۔
''باہر تاکید کردو' جب تک میں یہاں موجود ہوں کوئی اندر نہ آئے۔'' اس سے پہلے کہ شقران اس کی سمت آتا دور سے ہی اس نے ہدایت دی۔
''میں اب تک یہی سوچتی رہی تھی کہ تمہاری سزا کتنی اذیت ناک ہونی چاہیے' بہرحال تمہارا انتظار اب ختم ہونے والا ہے۔'' چبھتی نظروں سے اس کے تاثرات دیکھتی وہ خاموش ہوئی اور پھر سامنے سے ہٹ کر صوفے پر براجمان ہوگئی' پیر پر پیر رکھتے ہوئے اس نے اطمینان سے ایک ہاتھ صوفے کی پشت پر پھیلایا۔
''تمہاری سزا کا سلسلہ کہاں تک جائے گا' یہ میں نہیں جانتی' لہٰذا نجات بھول جاؤ تو اچھا رہے گا' سزا جھیلنے میں آسانی ہوجائے گی۔'' زہر خند لہجے میں کہتی وہ اس کے چہرے پر لہراتے تاریک سائے بغور دیکھ رہی تھی' اگلے ہی پل رجاب نے اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھا' اس کی سبز آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں جب یک ٹک اسے دیکھتا شقران دھیرے سے گھٹنوں کے بل اس کے پیروں کے قریب بیٹھا' اندر اٹھتے اشتعال کو ضبط کرنے کی کوشش میں رجاب کے لب آپس میں بھنچ گئے' چہرے کے تاثرات سخت پتھریلے ہوگئے تھے' شقران کے جڑتے ہاتھوں کو دیکھ کر گزرے وقت کی تمام اذیتیں اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزریں' اس شخص سے نفرت میں اضافہ کررہی تھیں جو اس کے قدموں میں ہارا بیٹھا تھا' اس کے چہرے پر پچھتاوؤں کی زردی پھیلی تھی' جڑے ہاتھوں میں لرزش نمایاں تھی اور

آنکھوں میں ندامت اور شرمساری کی نمی تیر رہی تھی۔ وقت کے چابک سے بچ کر کون کہاں بھاگ سکتا۔ قدرت کے نظام سے راہ فرار ممکن نہیں' حساب تو بے باک کرنا ہی پڑتا ہے۔

''مجھے معاف کر دینا تم' تمہاری ہر سزا مجھے قبول ہے۔ تم ابھی اسی وقت میرا چہرہ مسخ کردو یا سنگسار کردو...... لیکن اس کے بعد صرف اتنا کہہ دینا کہ تم نے مجھے معاف کردیا ہے۔'' شفقران کی لرزتی آواز گھٹتی چلی گئی' ضبط کی اذیت سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ رجاب کی آنکھوں سے نکلتی چنگاریاں پچھتاوے کی آگ کو مزید بڑھا رہی تھیں۔

''اپنے ہاتھ کھول دو' مت جوڑے رکھو میرے سامنے' تمہارے یہ جڑے ہاتھ نہ میرے چہرے کے داغ مٹا سکتے ہیں' نہ ہی کیچڑ اور غلاظت سے لت پت میرے دامن کو پاک صاف کرسکتے ہیں۔'' رجاب کی دھیمی مگر بھڑکتی آواز نے اس کا سر مزید جھکا دیا۔ ''میں یہاں معافی تلافی کے لیے نہیں آئی' وہ تمام اذیتیں سود سمیت تمہیں واپس لوٹانے آئی ہوں جن کو میں اور میرے گھر کے افراد جھیلتے رہے ہیں۔ تمہاری پشیمانی' ندامت' آنسو میرے دل کو ہرگز نہیں پگھلا سکتے کیونکہ ایک مدت تک میں اپنے بھائی کی آنکھوں میں خون کے آنسو دیکھتی رہی ہوں' ان کے آنسوؤں کے سامنے تمہاری کوئی حیثیت' کوئی اوقات نہیں۔'' قہر آلود نظروں سے رجاب اس کے چہرے کے چھنتے تاثرات دیکھ رہی۔

''رجاب...... میں تمہارے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کرچکا ہوں' قبول کررہا ہوں...... ہر سزا کے لیے تیار ہوں مگر اس کے بعد کیا میں مستحق نہیں کہ تم مجھے معاف کردو' اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ تم اللہ کے لیے مجھے......''

''تم صرف ٹھوکروں کے مستحق ہو' خاک میں مل کر خاک ہوجانے کے مستحق ہو' مگر بخشے جانے کے ہرگز نہیں۔'' رجاب بھڑ اٹھی' اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

''اب خود وقت کے شکنجے میں آئے ہو تو اللہ کی یاد آئی ہے تمہیں' اللہ کے لیے تم نے مجھ پر رحم کیا تھا' مجھے بخشا تھا' میری التجائیں سنی تھیں؟ اس وقت اللہ کی یاد اور خوف نہ تھا تمہیں جب میں اس کا ہی واسطہ دے کر رحم کی بھیک مانگ رہی تھی' گڑگڑا رہی تھی اور تم...... ایک کمزور لڑکی پر اپنی طاقت آزماتے ہوئے' اسے اپنے غرور کا نشانہ بناتے رہے تمہیں رحم کیوں نہ آیا...... بتاؤ مجھے......؟''

''میں نہیں جانتا مجھے اس وقت کیا ہوگیا تھا...... میں وہ سب نہیں کرنا چاہتا تھا کبھی بھی نہیں۔''

''جھوٹ مت بولو میرے سامنے۔'' رجاب کی غراتی ہوئی آواز میں شفقران کی لرزتی آواز دب گئی۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہیں کیا ہوا تھا' میں آج تک ان شرانگیزیوں کو نہیں بھول سکی ہوں جو اس رات میں نے تمہاری آنکھوں میں دیکھی تھیں۔ شیطان غالب ہوا تھا' تمہاری نیت میں فتور تھا' جو تم کرنا چاہتے تھے وہ نہ ہوسکا تو تم نے یہ کردیا جو تم نہیں کرنا چاہتے تھے' یہ کہنا چاہتے ہو تم......؟'' رجاب کا لہجہ بلند اور بھڑکتا ہوا تھا۔

''ہاں...... یہ سچ ہے۔'' لرزتے لہجے میں شفقران نے اعتراف کیا' رجاب چند لمحوں تک زہربار نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھتی رہی اور پھر گہری سانس لے کر واپس صوفے سے پشت ٹکائی۔

''دو رستے ہیں تمہارے پاس...... دو راستے مطلب دو سزائیں جن میں سے ایک تمہیں خود اپنے لیے منتخب کرنی ہوگی۔'' رجاب کے سرد لہجے کو سنتا وہ بس سر جھکائے ساکت رہ گیا۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

محبت ہم سفر میری

فرحت انصاری

کمرے کی پُرحدت فضا کو پنکھے کی ہوا نے کم کر رکھا تھا' وہ بوجھل دل و مضمحل وجود لیے ٹیرس میں چلی آئی۔ سامنے وسیع سرسبز میدان میں چند شریر بچے موسم کی بڑھتی حدت قطعاً نظر انداز کیے کرکٹ کھیلنے میں مگن تھے۔ وہ ریلنگ پر دونوں کہنیاں ٹکائے بند مٹھی پہ ٹھوڑی رکھے سوچوں میں غلطاں بظاہر بچوں کو دیکھ رہی تھی' مگر ذہن کی پرواز دور کہیں سوچ کے گھنے جنگل میں گم تھی' خیالوں کے تمام رخ اعمش کی سمت محو پرواز تھے۔ دل میں درد و اذیت چٹکیاں بھرنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے گلابی کنارے گرم آنسو سے جھلس کر سرخ ہو رہے تھے۔ احساس نارسائی کرب کی صورت وجود کو جکڑ رہا تھا۔

''آؤٹ...... آؤٹ۔'' دھیان کے تمام پرندے اعمش کی سمت متوجہ تھے کہ دفعتاً بچوں کا شور اٹھا' چند بچے آؤٹ ہونے پر شور مچا رہے تھے جبکہ بیٹسمین آؤٹ ہونے سے مسلسل انکاری تھا۔ وہ تمام بچوں سے قد کاٹھ میں بڑا تھا' وہ ان سے خوب بحث و مباحثہ کر رہا تھا اور وہ اپنے بڑے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔ دیگر بچے چھوٹے ہونے کے باوجود اس کے دباؤ میں آنے سے انکاری تھے اور وہ اس سے باؤلنگ کرنے کا اصرار کر رہے تھے۔

''میں آؤٹ نہیں ہوں مگر میں باؤلنگ کروا دیتا ہوں۔'' اس نے بالآخر ہتھیار ڈالتے ہوئے گیند تھام لی۔ اس کا لہجہ تحکم و رعونت بھرا تھا۔ عوانہ نے بغور اس کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر بیزاری طاری تھی۔ گویا وہ جبراً باؤلنگ کروا رہا تھا۔ چند ثانیے بعد بچے اسی لگن سے کھیل میں مگن ہو چکے تھے جیسے ان کے درمیان کوئی جھگڑا ہی نہ ہوا ہو۔ عوانہ بالوں کی لٹ کانوں کے پیچھے اڑستی بوجھل سانس سینے سے آزاد کرتی پلٹ آئی۔

☆......❂......☆

''تم مجھے بتا کر نہیں جا سکتی تھی۔'' وہ بائیں بازو میں فائل دبائے کندھے پر بیگ ڈالے ڈھیلے قدموں سے سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ اس کی راہ میں مدثر حائل ہو گیا۔ اس کے وجیہ چہرے پر دنیا بھر کی خفگی نمایاں تھی۔ وہ لائبریری میں تھی دو گھنٹوں سے اہم نوٹس تیار کر رہی تھی۔ فائنل ایگزامز قریب تھے اور اس کی تیاری برائے نام تھی۔ وہ ہر ایگزامز شاندار مارکس سے کلیئر کرتی آئی تھی مگر اس بار اس کی تیاری بالکل صفر تھی۔ مدثر نے آتے ہی محبت بھرا گلہ کیا۔

''سوری مدثر' ایکچوئلی تم اس وقت کلاس فیلوز میں بزی تھے۔'' یمینہ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے مدثر کے وجیہ خفگی بھرے چہرے کو متبسم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ان کی خاموش محبت دو سال سے چل رہی تھی۔ وہ یونیورسٹی کے پہلے روز سے ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے مگر اظہار محبت کی نوبت پیش نہ آئی تھی۔ وہ دونوں ان جانے احساس میں بندھے دوستی اور پھر محبت میں مبتلا ہو گئے۔ وہ بنا کہے ایک دوجے کا حال دل جانتے تھے' وہ کلاس بنک کر کے نوٹس تیار کرنے اسے بتائے بنا لائبریری چلی آئی تھی وہ اپنے دوستوں میں محو تھا' یمینہ نے اسے دوستوں کے سامنے مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

''اٹس او کے' بٹ ڈیئر میں تمہیں ڈھونڈ کر پریشان ہو رہا تھا۔'' وہ عادتاً جلد مانتے ہوئے گویا ہوا۔ اسے یمینہ کو ڈھونڈنے میں دیر ہوئی تو اسے لائبریری کا خیال

آیا۔ وہ لائبریری جانے لگا تو وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی' مدثر نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا' وہ ایسا ہی تھا' اظہار محبت کے لیے واضح الفاظ کا سہارا نہ لیتا مگر اس کا رواں رواں محبت کا اعلان کرتا تھا۔

''چلو کینٹین فریش ہو کر آتے ہیں۔'' یمینہ کو ہی پہلے ریفریشمنٹ کا خیال آیا' وہ سدا کی چٹوری کھانے پینے کی شوقین تھی۔ اسے اکثر مدثر چھیڑتا تھا۔

''اسے کھایا پیا بالکل نہ لگتا تھا۔'' جبکہ وہ برا مانے بغیر فخر سے گردن اکڑا لیتی تھی۔

☆......◈......☆

''آیئے آیئے زہے نصیب۔'' وہ مین روڈ پر تعمیر جدید طرز تعمیر کے حامل بنگلہ نما گھر کے سامنے جار کی تھی۔ اس نے بیل دی تو گیٹ خلاف توقع چوکیدار کی بجائے اعمش نے کھولا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اعمش خوشی سے کھل اٹھا' وہ کئی روز بعد گھر آئی تھی۔ دل محبوب کی دید کے لیے ترس رہا تھا۔ اور دل نے بالآخر اپنی مراد پالی تھی۔ اعمش نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

''السلام علیکم!'' عوانہ شرمگیں مسکراہٹ چہرے پہ لیے اندر آ گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور وجود اعمش کی محبت بھری نگاہوں کی تپش سے پگھلا جا رہا تھا۔

''سبا اپنے کمرے میں ہے۔'' اعمش گیٹ بند کر کے اس کے پیچھے لپکا۔ اس نے گھر آنا کم کر دیا تھا۔ ان کی ملاقات کئی کئی روز تک نہ ہو پاتی تھی۔ اعمش کی نگاہیں مسلسل عوانہ پہ جمی تھیں' دل محبوب کی دید سے بھر ہی نہ رہا تھا' اس نے بہانے سے گفتگو شروع کی۔

''آپ کیسے ہیں؟'' عوانہ نے دھیمی سرگوشی میں استفسار کیا۔ جیسے اس کی محبت کا راز طشت ازبام ہو جائے گا۔ حالانکہ گھر کے در و بام ان کی محبت کے گواہ تھے اور سبا دونوں کی رازداں۔

''شکر ہے یار...... تمہیں بھی میری خیریت معلوم کرنے کا خیال آ گیا۔'' اعمش کے لبوں سے بے ساختہ شکوہ پھسلا' سبا اور عوانہ فرینڈز تھیں ان کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا تھا۔ سبا کا ایک ہی بھائی تھا اعمش۔ نہ جانے وہ دونوں کب ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے' اعمش اکثر اسٹڈی میں دونوں کی ہیلپ کرتا تھا' عوانہ اکثر اسی کے لیے آتی تھی۔ پڑھائی تو محض بہانہ تھی۔ دونوں کی محبت ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''اعمش......'' وہ اعمش کے محبت بھرے گلہ پہ روہانسی ہوئی۔

''سوری عوانہ......'' وہ اس کے حالات سے آگاہ

تھا اور مجبوریوں سے بھی لیکن کیا کرتا دل کسی مجبوری کو ماننے پر تیار ہی نہ ہوتا تھا' اس سے عوانہ کی حسین گلابی آنکھوں کی نمی نہ دیکھی گئی' وہ فوراً معذرت کرتا اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

''تم کب آئیں؟'' سبا مبہم آوازوں پر باہر آئی تو عوانہ نمی بھری آنکھوں سے اَمش کو دیکھ رہی تھی۔ سبا انہیں شوخی سے دیکھتے ہوئے عوانہ کے گلے لگ گئی۔ وہ بہت دنوں بعد ان کے گھر آئی تھی۔

''ابھی' تھوڑی دیر ہوئی ہے۔'' عوانہ نمی اندر اتارتی خود کو کمپوز کرتی نارمل ہو چکی تھی۔ اس نے جواباً مسکراتے ہوئے سبا کے گال پر بوسہ دیا۔ اسے مدثر بھیا کسی کام سے جاتے ہوئے ادھر ڈراپ کر گئے تھے۔ ان کی واپسی کچھ دیر بعد تھی۔

''آؤ......'' وہ اسے لیے اندر آ گئی۔ اَمش گہری بوجھل سانس خارج کرتا پیچھے لپکا۔ اس نے کچھ دیر بعد لوٹ جانا تھا اور پھر وہ نہ جانے کب آتی۔ مما کسی عزیز کے ہاں گئی ہوئی تھیں اور پپا آفس تھے' سو وہ ان کے ساتھ کہیں ہانک سکتا تھا۔

☆......◆......☆

''یمینہ ......'' یونیورسٹی پوائنٹس اپنی اپنی منزل کی سمت محوسفر تھے۔ وہ بس پوائنٹ پہ کھڑی اپنے پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی۔ پوائنٹ پہ خلاف معمول بے پناہ رش تھا۔ وہ اپنے پوائنٹ پہ چڑھنا چاہتی تھی مگر رش دیکھ کر اسے ہمت نہ ہوئی' وہ بے بسی سے پوائنٹ کو جاتا دیکھتی رہی۔ اس کی پشت پہ شناسا آواز ابھری۔

''تم گھر نہیں گئیں۔'' اس نے مدثر کو مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا اور اس کی بائیک پر سوار ہو گئی۔

''میری بائیک اسٹارٹ ہونے میں تنگ کر رہی تھی۔'' وہ بائیک پہ یونیورسٹی آتا تھا' بائیک اچانک خراب ہو گئی تھی اور اسٹارٹ نہ ہو رہی تھی سجاد (فرینڈ) بائیک کا خاصا ماہر تھا وہ بائیک کی چھوٹی موٹی خرابی خود چیک کر کے ٹھیک کر لیتا تھا' سجاد نے اسے بائیک ٹھیک کر کے دی تھی' مدثر نے دلچسپی سے مرر میں جھانکتے یمینہ کے عکس پر نگاہ دوڑائی۔

''میں ثمن کے ڈیپارٹمنٹ گئی تھی تاکہ اسے نیو ایڈمیشن کی بنا پر کوئی مشکل ہو تو اس کی ہیلپ کر سکوں۔'' ثمن اس کی خالہ زاد تھی مما اور فاخرہ خالہ میں مثالی محبت تھی اور انہی کی محبت ثمن اور یمینہ میں منتقل ہوئی تھی۔ یمینہ نے اسے تفصیلاً بتاتے ہوئے ہوا کے دوش پہ اڑتے بال کان کے پیچھے اڑسے۔

''یار کبھی ہمیں بھی اتنی لفٹ کروا دیا کرو۔'' مدثر کے لبوں پہ شوخ تبسم بکھرا......اسے یمینہ سے یہی گلہ رہتا تھا وہ اسے مکمل وقت نہ دیتی۔

''مدثر......'' یمینہ نے جھینپتے ہوئے مصنوعی خفگی بھری آنکھوں سے گھورتے ہوئے زوردار دھپ اس کی کمر پہ رسید کی۔

''آہ......'' وہ درد سے بلبلا کر رہ گیا۔ یمینہ کی ہنسی اور مدثر کا جاندار قہقہہ اگلے پل فضا میں بکھرا تھا۔ بائیک منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ محبت کے دو راہی ہم قدم تھے۔

☆......◆......☆

''یمینہ۔'' روبینہ بیگم اس کے کمرے کا دروازہ ناک کر کے اندر آئیں۔ وہ مطالعہ میں مصروف تھی۔ اس نے ماں کو چونک کر دیکھتے ہوئے اپنی بکس سمیٹ کر ان کے لیے جگہ بنائی۔

''بیٹھیں مما۔'' ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی' وہ گہری سوچ میں غلطاں بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

''بیٹا' آج عابدہ باجی آئی تھیں۔'' روبینہ نے گفتگو
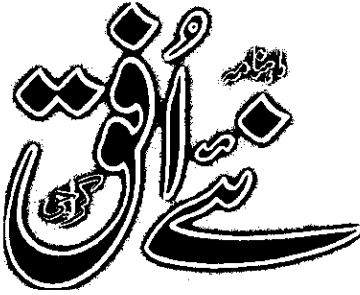
کا آغاز کیا۔
"مما! اشعر مجھ سے ملے بغیر چلا گیا۔" عابدہ خالہ اس کی غیر موجودگی میں اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ آئی تھیں اشعر اور یمینہ کی گہری دوستی اور خاصی بے تکلفی تھی۔ وہ ماں کی بات کی گہرائی ناپے بغیر جھٹ سے خفگی سے منہ پھلائے گویا ہوئی۔
"بیٹا اسے آفس جلدی پہنچنا تھا۔" عابدہ کو اشعر لنچ آورز میں خالہ کے گھر ڈراپ کرکے چلا گیا تھا۔ عابدہ کی آمد خاص مقصد کے لیے تھی۔
"پھر بھی مما! اچھا چھوڑیں عابدہ خالہ کیا کہہ رہی تھیں؟" یمینہ نے اس کی کمی محسوس کرتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا پھر دفعتاً کچھ خیال آنے پر سر جھٹک کر ماں سے استفسار کیا۔
"بیٹا تمہیں اشعر کیسا لگتا ہے؟" روبینہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"واٹ...... اشعر نیور مما! ہی از جسٹ مائی فرینڈ۔" اسے ایک سیکنڈ لگا تھا ان کی بات سمجھنے میں وہ چونکتے ہوئے زور زور سے سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔
"بیٹا کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟" روبینہ کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا' انہیں اشعر بے حد پسند تھا۔ خالد بھائی کی شہر کی بڑی آٹو مارکیٹ میں اسپیئر پارٹس کی دو دکانیں تھیں۔ وہ بڑے بیٹے کو بیاہ کر ایک دکان اس کے حوالے کر چکے تھے۔ جبکہ اشعر وقتی شوق میں جاب کرتا تھا مگر خالد بھائی کا ارادہ اسے بزنس میں لگانے کا تھا۔ اس کی تنخواہ سے کئی گنا بڑھ کر دکان سے آمدن ہوجاتی تھی۔ وہ دوسری دکان اشعر کو سونپنا چاہتے تھے۔
"جی مما...... وہ میرا کلاس فیلو مدثر ہے۔" اس نے بلا جھجک اعتراف محبت ماں جیسی غمگسار و ہمدرد ہستی

کے سامنے کر دیا۔

''بیٹا اسے کہو اپنے والدین کو بھیجے۔'' یمینہ کا خیال درست تھا' انہوں نے کھلے دل سے بیٹی کی پسند کو بنا دیکھے قبول کرلیا تھا۔ وہ اپنا فیصلہ سناتی اٹھ گئیں۔ یمینہ پُرسوچ انداز میں سر ہلا گئی۔

☆......❖......☆

''میں نے مدثر کے لیے سبرینہ کا انتخاب کیا ہے۔'' دن بھر میں ڈنر کے اوقات سب کے مشترکہ تھے۔ سب اہل خانہ جہازی سائز ڈائننگ ٹیبل کے گرد براجمان کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ فضا پر خاموشی طاری تھی۔ فاروق نے باری باری بڑے دونوں بیٹوں اور بہوؤں' بیوی' رحانہ آپی اور عوانہ پر نگاہ ڈالی۔ فاروق کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں' گھر میں انہی کا حکم چلتا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے بڑے تینوں بچوں کے رشتے طے کرتے وقت بیوی کو صرف اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ انہوں نے بیوی کو فیصلے میں شامل نہ کیا تھا۔ وہ غیر خاندان' وغیر برادری میں رشتے کے سخت مخالف تھے۔ فاخر (بڑا بیٹا) کی بیوی ان کی بھانجی' ذاکر (منجھلا بیٹا) کی بیوی فرخندہ کی بھانجی جبکہ رحانہ کی شادی فاروق کے خالہ زاد سے ہوئی تھی۔ وہ مدثر اور عوانہ کی شادیاں بھی خاندان میں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مدثر کے لیے اپنی بھتیجی سبرینہ کا انتخاب کیا تھا۔

''بابا آپ نے مدثر کی پسند پوچھی ہے؟'' فاروق بھلے حاکمیت پسند وہٹیلی طبیعت کے مالک تھے لیکن انہیں اپنی دونوں بیٹیاں دل وجان سے عزیز تھیں۔ رحانہ باپ کی بے حد لاڈلی اور چہیتی تھی۔ فرخندہ ان کے سامنے بات کرتے ہوئے ہچکچاتیں جبکہ رحانہ کبھی نہ ہچکچائی تھی۔ اکثر بڑے دونوں بھائیوں کو باپ سے جو بات منوانا ہوتی وہ چھوٹی بہن کو آگے کر دیتے اور انہیں کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑا تھا۔

''سبرینہ میں کیا کمی ہے جو مدثر کو انکار ہوگا۔'' وہ اپنے روایتی رعب دار انداز میں بولے۔ ان کے دبنگ لہجے کے سامنے بیوی بچوں کی اکثر بولتی بند ہوجاتی تھی۔

''میں مدثر کی پسند کی بات کررہی ہوں بابا۔'' رحانہ ذرا بھر ان کے رعب میں نہ آئی تھی۔ اس نے بے خوف ونرم لہجے میں کہا۔ ذاکر اور فاخر توصیفی نگاہوں سے بہن کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنی ازدواجی زندگیوں سے مطمئن تھے۔ وہ بھی مدثر کی رضامندی حاصل کرنے کے حامی تھے۔

''مدثر میرا بیٹا ہے وہ کبھی انکار نہ کرے گا۔'' بابا کا لہجہ بے لچک تھا' وہ اپنی بات پر بدستور ڈٹے ہوئے تھے۔ مدثر کے دل کو بہن کے دم سے ڈھارس تھی۔ وہ امید بھری نگاہوں سے کبھی بہن اور کبھی باپ کو دیکھ رہا تھا' مگر جب کوئی سبیل نظر نہ آئی تو خاموشی سے کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا۔

''آپ ایک بار اس سے بات تو کر کے دیکھتے۔'' فرخندہ نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

''فرخندہ مجھے پورا یقین ہے وہ انکار نہیں کرے گا۔'' فاروق کے بے لچک لہجے میں مان وتفاخر ابھر آیا تھا۔ فاروق کی اونچی آواز مدثر اپنے کمرے میں بخوبی سن رہا تھا۔ وہ بے بسی سے دل تھام کر رہ گیا۔ مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہ بچی تھی۔ فاروق فیصلہ سنا کر اٹھ گئے' تو باقی افراد بھی ایک ایک کر کے اٹھنے لگے' عوانہ کا دل خوف ودرد سے لرز رہا تھا۔ وہ مردہ قدموں سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆......❖......☆

''مدثر تم مجھے چھوڑ تو نہ دو گے۔'' وہ کمرے میں گھپ اندھیرا کیے اوندھے منہ لیٹا تھا' ان کے فائنل ایگزامز قریب تھے۔ وہ زیادہ تر اکٹھے وقت گزارتے

تھے۔ چند روز قبل ان میں پہلی بار اظہار محبت ہوا تھا۔ یمینہ اس کے بابا کی روایت پسند و بے لچک طبیعت سے آگاہ تھی۔ اس نے فوراً سہم کر اس سے تجدید وفا کا پیمان مانگا اور اس نے بے حد یقین سے عمر بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ تینوں بھائیوں میں بابا کا زیادہ چہیتا تھا۔ اسے امید تھی کہ وہ تھوڑی ضد سے بابا کو منالے گا مگر بابا نے تو اس کی رائے تک پوچھنا گوارا نہ کی اور اس کا رشتہ طے کر کے اسے صرف آگاہ کیا تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گیا۔

دل درد سے بے حال تھا تمام امیدیں اور یقین ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔ وہ بے آب مچھلی کی مانند تڑپ رہا تھا مگر کچھ کر نہ پا رہا تھا۔ اس نے دو سال یمینہ کو پوری شدت سے چاہا تھا۔

''نو نیور......'' ذاکر بھیا نے بابا کے سامنے سرنڈر کر دیا تھا وہ خاموشی سے اپنی محبت سے دستبردار ہو گئے تھے۔ وہ ذاکر نہ تھا وہ کسی قیمت پر یمینہ کو نہ چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے بغیر اس کی زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی۔

''مدثر میرا بیٹا ہے وہ کبھی انکار نہ کرے گا۔'' بابا نے ساری زندگی محنت کی تھی انہوں نے اپنی قابلیت و محنت سے بزنس عروج پر پہنچایا تھا۔ انہوں نے اولاد کو سونے کا نوالہ کھلا کر شیر کی نگاہیں رکھی تھیں۔ وہ لاکھ روایت پسند و اصول پرست سہی مگر انہوں نے اپنی اولاد کو آسائشی زندگی مہیا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ وہ مدثر کو بے حد چاہتے تھے اور اس کی ہر خواہش بنا کہے پوری کرتے تھے۔ مدثر کے اندر بغاوت پنپ رہی تھی۔ اگلے پل اس کی سماعت میں بابا کا مان بھرا لہجہ گونجا تو اندر اٹھتا اشتعال بغاوت دم توڑنے لگے۔ اس کے مشتعل و تنے اعصاب رفتہ رفتہ ڈھیلے پڑنے لگے۔ آنکھوں میں ضبط کی سرخی پھیلنے لگی۔ وہ بے بسی سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

''آہ......'' اس نے کرب سے مکا دوسرے ہاتھ پر مارا۔ وہ باپ کا مان تھا' اسے ان کا مان بننا تھا اور دوسری طرف محبت تھی وہ زندگی کے مشکل دوراہے پر کھڑا تھا۔ ذہن سوچ سوچ کر شل ہوا جا رہا تھا اور پھر اسے اندھیرے میں امید کی ہلکی رمق نظر آئی۔ اس کے چہرے پر اشتعال و بے بسی کی جگہ گہری سوچ نے لے لی تھی۔ وہ جوں جوں سوچتا رہا تھا' دل و دماغ پرسکون ہونے لگے تھے۔

☆......❖......☆

''ثناء آج فاروق آیا تھا۔'' ڈنر کے بعد حسب معمول نماز عشا کے بعد وہ اپنے وظائف میں مشغول تھیں۔ وہ وظائف سے فارغ ہو کر سونے کے لیے بیڈ پر آئیں تو صدیق گہری سوچ میں گم تھے۔ سبرینہ ان کی تمام اولادوں میں چھوٹی تھی۔ وہ سب بچوں کو بیاہ کر فارغ تھے۔ سبرینہ خاندانی روایت کے سخت خلاف تھی اور ان سے بے تکلفی بھری دوستی ہونے کے ناطے انہیں کئی بار باور کرا چکی تھی کہ وہ خاندان میں شادی نہ کرے گی۔ انہوں نے متفکرانہ انداز میں انہیں مخاطب کیا تو وہ الجھ کر متوجہ ہوئیں۔ فاروق کا گھر ان کے قریب تھا وہ ہر دوسرے روز چکر لگا جاتا تھا پھر آج کیا خاص بات تھی کہ وہ بطور خاص اس کا ذکر کر رہے تھے۔

''وہ مدثر کے لیے سبرینہ کا رشتہ مانگ رہا ہے۔'' صدیق نے دھیرے سے آگاہ کیا۔ سبرینہ ان کی چہیتی تھی اور خاصی ضدی بھی۔ وہ ہرگز خاندان میں شادی نہ کرتی۔ وہ میڈیکل فورتھ ایئر کی طالبہ تھی۔ مدثر اور سبرینہ ہم عمر تھے سبرینہ کسی لڑکے میں انٹرسٹڈ نہ تھی اسے صرف خاندانی روایت سے چڑ تھی۔ وہ اکثر ذاکر کو چھیڑتی تھی کہ وہ بزدل نکلے' صدیق متفکر تھے کہ وہ بھائی کو کیسے انکار کریں۔

"آپ فوراً انکار کردیں۔ سبرینہ خاندان سے باہر شادی کرنا چاہتی ہے۔" ثناء نے قطعیت بھرے لہجے میں انکار کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

"بابا میں آجاؤں۔" اسی لمحہ سبرینہ دروازہ ناک کرتی ان کی اجازت کا انتظار کیے بغیر ان کے قریب آ کر دوزانو بیٹھ گئی۔

"بابا' مجھے کسی سے محبت نہیں ہے' میں صرف اس فضول رسم وروایت کے خلاف ہوں۔ ہم مسلمان ہیں اور اسلام میں شادی کے لیے خاندان وغیر کی شرط لازم نہیں ہے۔" وہ کچن میں بابا کے لیے دودھ گرم کرنے جارہی تھی کہ اپنے ذکر پر رک گئی۔ اس نے محبت سے باپ کے ہاتھ تھام کرلحہ بھر کا توقف کیا۔

"بابا آپ جس خاندان اور جس لڑکے سے میری شادی کروائیں گے مجھے منظور ہے مگر مجھے اس رسم سے نفرت ہے پلیز بابا' پلیز مدثر نہیں۔" وہ روہانسے لہجے میں ملتجی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں دھیرے دھیرے نمی پھیلنے لگی۔

"سبرینہ میری بچی۔" صدیق لاڈلی بیٹی کے آنسو دیکھ کر ہی تڑپ اٹھے۔ انہوں نے اسے اپنے قریب بٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ ثنا کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سبرینہ جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہوگا۔" صدیق نے بیٹی کو یقین دہانی کروائی۔ وہ خاندان کی ہر پرانی روایت ورسم توڑ سکتے تھے مگر وہ اپنی لاڈوں پلی بیٹی کا دل توڑنے کا تصور بھی نہ کرسکتے تھے' انہوں نے مضبوط لہجے میں بیٹی کو فیصلہ سنایا۔

"تھینک یو بابا' تھینک یو سوچ' میں آپ دونوں کے لیے دودھ گرم کرکے لاتی ہوں۔" وہ آنسو پونچھتی خوشی سے کھل اٹھی اور چٹکی بجاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ صدیق اور ثنا کی محبت پاش نظریں اسی پر جمی تھیں۔

☆......◆......☆

"مما پلیز' آپ ایک بار بابا کو منالیں۔" وہ تینوں ماں کو گھیرے بیٹھے تھے۔ مدثر دنیا بھر کی بیزاریت چہرے پہ طاری کیے بیٹھا تھا۔ وہ رات سے اپنے کمرے میں مقید تھا۔ اس نے ناشتہ کیا تھا اور نہ ہی لنچ۔

"بیٹا تمہارے باپ کے جو دل میں سودا سما جائے وہی کرتا ہے۔" فرخندہ کو شوہر کی یہی عادت بری لگتی تھی۔ وہ اپنی اصول پرستی اور روایت پسندی کے آگے کسی کی نہ چلنے دیتے تھے۔ فرخندہ بیٹے کی مبہم خفگی سے اس کی ناپسندیدگی بھانپ چکی تھیں۔ وہ ماں تھیں۔ ان کے لہجے میں غصہ' بے بسی اور تنفر سب ہی کچھ تھا۔

"مما پلیز' یمینہ بہت اچھی لڑکی ہے۔" رحانہ نے بھائی کی بھرپور وکالت کی ذمہ داری نبھائی۔ اسے اپنے تینوں بھائیوں میں مدثر بے حد عزیز تھا۔ وہ اسے دکھی یا پریشان نہ دیکھ سکتی تھی۔ وہ یمینہ سے ملی نہ تھی مگر مدثر کی زبانی تعریفیں سن کر اسے علم ہوگیا تھا کہ وہ بے حد سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔

"بیٹا تمہارے باپ نے ساری عمر اپنی مرضی کی ہے۔" فرخندہ دھیمی پڑیں ان کے لہجے میں غصہ کی جگہ نرمی نے لے لی تھی۔ وہ اپنی تمام اولاد کو خوش وخرم دیکھنا چاہتی تھیں۔

"مما کوشش کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے ناں۔" عوانہ نے بھی ماں کو قائل کیا۔ اسے اعمش یاد آنے لگا تھا' بابا بیٹے کے لیے رضامند نہ ہوپاتے تو وہ بیٹی کو کیونکر غیر برادری میں بیاہتے' اس کا ننھا دل پسلیوں کے پنجرے میں سہم کر سکڑا تھا' وہ اعمش کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہ کرسکتی تھی' اس کے بغیر زندگی پھیکی اور بے کیف گزرتی۔ عوانہ کو بھی بھائی سے

ہمدردی تھی۔

’’ہوں‘ میں کوشش کروں گی۔ مگر تم لوگ بھی حقیقت پسند بنو۔‘‘ وہ فاروق کے مزاج کو بخوبی سمجھتی تھیں۔ ان کے دل کو زیادہ خوش گمانی نہ تھی۔

’’تھینک یو مما۔‘‘ مدثر کے لیے ماں کا اتنا سہارا بھی کافی تھا۔ وہ بابا سے بات کرتیں تو شاید وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتے‘ مدثر مایوس نہ تھا‘ اسے امید کی کرن نظر آئی‘ وہ ممنونیت سے ماں کے ساتھ لپٹ گیا۔ فرخندہ نے اسے اپنی ممتا بھری آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔

☆......☆

’’فاروق سبرینہ بہت اچھی اور گھر کی دیکھی بھالی لڑکی ہے مجھے آپ کی پسند ہرگز ناپسند نہیں مگر زندگی ہمارے بچوں کو گزارنا ہے‘ مدثر اپنی کلاس فلو کو پسند کرتا ہے۔‘‘ وہ اسی رات سونے سے پہلے شوہر سے ہم کلام ہوئیں۔

’’سبرینہ اچھی لڑکی ہے تمہیں پسند بھی ہے تو پھر جھگڑا کس بات کا ہے۔‘‘ فاروق کا ازلی غصہ اور ہٹ دھرمی لوٹ آئی۔

’’زندگی مجھے نہیں مدثر کو اس کے ساتھ گزارنی ہے۔‘‘ انہوں نے نرمی سے شوہر کو سمجھایا۔

’’آپ نے مجھے کبھی بچوں کی ماں ہونے کا حق نہیں دیا۔‘‘ فاروق کے بے لچک لہجے نے ان کا شوہر سے مان ختم کر دیا تھا۔ ان کا ممتا بھرا دل کرچی کرچی ہو گیا تھا۔ وہ شکوہ کیے بنا نہ رہ سکیں اور خفگی سے منہ پھلا کر سونے کے لیے لیٹ گئیں۔ مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہ بچی تھی۔

☆......☆

’’تم ادھر کیوں بیٹھے ہو؟‘‘ وہ ہفتہ وار تعطیل کے بعد دو روز بعد یونیورسٹی آیا تھا‘ اس کا دل دنیا بھر سے بیزار تھا‘ وہ یمینہ کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہ رکھتا تھا سو وہ کلاسز بنک کر کے ڈیپارٹمنٹ کے دائیں جانب کے بڑے گراسی پلاٹ میں بنچ پر بیٹھا سوچوں میں غلطاں تھا کہ یمینہ چلی آئی‘ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

’’میری طبیعت ٹھیک نہیں۔‘‘ مدثر نے بہانہ بنایا۔

’’مدثر مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔‘‘ اس کے چہرے پر طاری مضمحل پن کی جگہ بشاشت نے لے لی تھی طبیعت کی سستی بدلتے موسم کا شاخسانہ تھی۔ وہ مطمئن سی اس کے قریب ٹک گئی۔ اس نے بے چینی سے دو روز گزارے تھے‘ مدثر بغیر بتائے غائب تھا اور آج بھی صبح سے کلاسز اٹینڈ نہ کر رہا تھا۔ اسے مدثر کے دوست کی باتوں سے اس کے آنے کا علم ہوا تھا اور نہ وہ سمجھ رہی تھی کہ مدثر نے پھر چھٹی کی ہے‘ وہ اسے ڈھونڈتی ادھر آئی تو اسے مضمحل دیکھ کر فکر مند ہو گئی۔ اسے مدثر کی بشاشت نے مطمئن کیا تو اسے اپنی پریشانی یاد آئی۔

’’مدثر میری خالہ نے اپنے بیٹے کے لیے میرا ہاتھ مانگا ہے۔‘‘ مدثر نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ فوراً اپنی پریشانی بیان کر گئی۔ مدثر نے کرب سے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس کے چہرے پر پھیلی بشاشت سمٹ گئی۔ وہ جس کرب کا شکار تھا یمینہ بھی اسی کرب سے گزر رہی تھی۔

’’مدثر......‘‘ یمینہ نے ہولے سے اس کا کندھا ہلایا‘ وہ مدثر کی دگرگوں حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ مدثر کی جامد خاموشی اس کا دل سہا رہی تھی۔

’’تم فکر مند نہ ہو میں گھر میں بات کرتا ہوں۔‘‘ مدثر نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے اسے حوصلہ دیا۔ وہ بابا سے خود بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اسے بابا کا فیصلہ قبول نہ تھا‘ آخر اسے زندگی گزارنی تھی۔ وہ تنفر سے سوچتا حتمی فیصلہ کر چکا تھا۔

’’مدثر تم جلدی اپنے گھر والوں کو بھیجو‘ میرے گھر

والوں کو ہماری شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔" وہ ماں کو مدثر کے متعلق تفصیلاً بتا چکی تھی انہیں رشتہ معقول لگا تھا' انہوں نے خوشدلی سے حامی بھرلی تھی۔

''میں جلد گھر والوں کو تمہارے گھر بھیجتا ہوں۔''

وہ یمینہ کو بابا کی روایت پسندی سے آگاہ کرچکا تھا مگر اسے بابا کا فیصلہ قبول نہ تھا وہ اسے سبرینہ کے متعلق بتا کر پریشان نہ کرنا چاہتا تھا' مدثر نے اسے مضبوط لہجے میں تسلی دیتے ہوئے بھرپور یقین دہانی کرائی۔ یمینہ مطمئن ہوکر سر ہولے سے اثبات میں ہلانے لگی۔

☆......◆......☆

''عوانہ تم یہاں بیٹھو۔'' وہ پچھلے چند روز سے کافی پریشان تھی۔ اسی نے سبا سے بھی اپنی پریشانی شیئر نہ کی تھی' وہ اس کی پریشانی محسوس کرکے چپ تھی وہ چاہتی تھی کہ عوانہ اس سے خود بات کرے مگر وہ اس سے کوئی بات نہ کررہی تھی۔ اس روز میڈم فوزیہ گلزار کا پریڈ فری تھا' وہ اسے لیے کالج کے نسبتاً پرسکون گوشے میں آگئی تاکہ عوانہ سہولت سے بات کرسکے۔ اس نے نرمی سے عوانہ کا بیگ کندھے سے اتار کر نیچے گھاس پر رکھا اور اس کا بازو کھینچتی گھاس پہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس کی خاموش گہری استفہامیہ نظریں عوانہ پہ جمی تھیں۔ عوانہ فی الحال اس سے بات کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔ وہ سبا کو بتاتی تو وہ اعمش کو بتا دیتی۔

عوانہ اپنی محبت کے انجام سے خوف زدہ تھی۔ وہ اپنے باپ کی عادت سے اچھی طرح باخبر تھی' گھر میں انہی کا حکم چلتا' وہ اپنی خاندانی روایات اور اصولوں سے کسی قیمت ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ اولاد کی خوشیاں بھی داؤ پر لگانے کو تیار تھے' عوانہ کو اسی دن سے خوف تھا مگر محبت کسی انجام یا خوف سے بالاتر ہوتی ہے' محبت خود بخود کسی فکر سے آزاد ہوکر وجود میں آجاتی ہے' اسے بھی اعمش کے غیر برادری سے ہونے کے باوجود اس سے محبت ہوگئی تھی۔

''سبا وہ بات یہ ہے کہ......'' عوانہ کے پاس بتانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا وہ اسے ساری بات بتاتی گئی' سبا کے چہرے پر دھیرے دھیرے تفکر پھیلنے لگا۔

''میں اعمش بھیا سے بات کروں گی۔'' سبا نے پوری بات سنتے ہی اپنا فیصلہ سنا ڈالا۔

''میں اسی لیے تمہیں نہ بتارہی تھی وہ پریشان ہوگا۔'' عوانہ غصے بھری خفگی سے گویا ہوئی۔

''عمر بھر کی پریشانی سے وقتی پریشانی بہتر ہے عوانہ۔'' سبا نے اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کے غصے سے تنے اعصاب رفتہ رفتہ ڈھیلے ہونے لگے تھے۔

''میں اپنے پپا اور ممی سے بھی بات کروں گی' میرے پپا بہت اچھے ہیں' انہیں ہماری خوشیاں بے حد عزیز ہیں۔'' سبا نے سادے لہجے میں کہا۔ عوانہ شرمندہ ہوگئی۔ اسے نہ جانے کیوں سبا کا لہجہ کچھ باور کراتا محسوس ہوا تھا۔ اس نے مجرمانہ انداز میں گردن جھکالی تھی۔

''سوری عوانہ' میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہ تھا۔'' سبا نے معذرت کی' اس کا ارادہ قطعاً عوانہ کا دل دکھانا نہ تھا۔

''عوانہ ڈونٹ وری یار' اللہ ضرور بہتر کرے گا۔ تم اس پر بھروسہ رکھو۔'' سبا نے محبت سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے تسلی دی۔ وہ نرمی سے مسکرادی۔

☆......◆......☆

''اعمش بیٹا تم مجھے پریشان لگ رہے ہو۔'' پاپا نے لاونج میں بظاہر ٹی وی دیکھتے اعمش کو مخاطب کیا۔ سہ پہر کا وقت سب کے چائے پینے کا ہوتا تھا۔ پپا اور مما اپنی گفتگو میں محو تھے۔ سبا چائے پکا رہی تھی۔ جبکہ وہ

غائب دماغی سے ٹی وی چینل سرچ کررہا تھا۔ پپا اس کا اضطراب نوٹ کرکے چپ نہ رہ سکے۔

"پپا' ایکچوئیلی مجھے اعوانہ پسند ہے۔" ان کے گھر کا ماحول دوستانہ تھا ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کی جاتی تھی' سبا چائے لیے اندر آئی تو وہ پپا کی بات سن کر فوراً بولی۔

"تو' اس میں پرابلم کیا ہے؟" مما نے دلچسپی سے گفتگو میں حصہ لیا۔

"مما پرابلم ہماری سائیڈ سے نہیں' عوانہ کے والدین کی طرف سے ہے بلکہ صرف والد کی طرف سے۔" سبا سب کو چائے سرو کرکے اپنا کپ لے کر بھائی کے قریب ٹک گئی۔ اعمش نے ٹی وی آف کردیا' وہ مزید پریشان ہوگیا تھا۔

"کیا مطلب بیٹا؟" مما اور پپا یک زبان بولے۔ مما کو عوانہ پسند تھی' وہ سلجھی ہوئی اچھے گھرانے کی لڑکی تھی۔ انہیں اعمش کی پسند پہ کوئی اعتراض نہ تھا' ان دونوں کے لہجے میں واضح حیرانگی تھی۔

"ایکچوئیلی وہ غیر برادری میں رشتہ کے خلاف ہیں۔" سبا نے دکھ سے بتاتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔

"حیرت ہے اکیسویں صدی میں بھی لوگ فضول خاندانی روایات کے ساتھ زندہ ہیں۔" مما نے افسوس کا برملا اظہار کیا۔

"مما آپ دعا کریں کوئی معجزہ ہوجائے۔" سبا سے بھائی کا افسردہ چہرہ نہ دیکھا جارہا تھا' اس نے اعمش کے چہرے پہ محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے ان سے درخواست کی۔

"بیٹا' اللہ مسبب الاسباب ہے۔" پپا نے اعمش کے بجھے چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے تسلی دی۔ ماحول بوجھل ہوگیا تھا' دکھ کی نامحسوس چادر ماحول پر تنی تھی۔

عوانہ نے اسے اپنے والد کی ہٹ دھرمی واصول پرستی کے متعلق بتا رکھا تھا مگر اس نے کوئی فکر یا تشویش نہ پالی تھی' اسے لگتا تھا کہ وقت آنے پر سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا' دل پہ بوجھل پن طاری تھا' اس کی طبیعت پہ اضمحلال بڑھتا ہی جارہا تھا۔ دل انجانے خدشات سے سوکھے پتوں کی طرح لرز رہا تھا اسے پہلی بار معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔

☆......◆......☆

"عوانہ میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ مرد ہوکر متفکر و متوحش تھا تو عوانہ جیسی نازک لڑکی کا کیا حال ہوتا' وہ ڈنر گول کرکے مضمحل وجود لیے کمرے میں بند تھا اس نے عوانہ کا خیال آنے پر اسے کال کی' دوسری طرف سے فوراً کال ریسیو کرلی گئی جیسے وہ اسی کی کال کی منتظر ہو۔ وہ اس کی آواز سنتے ہی رونے لگی۔ اعمش نے محبت سے اسے تڑپ کر مخاطب کیا۔

"عوانہ پلیز مجھے پریشان نہ کرو۔" وہ مسلسل روئے جارہی تھی اعمش نے بےبسی سے التجا کی۔

"میں ہمیشہ تمہیں یہی سمجھاتی آئی تھی مگر تم ہر بار مجھے کہتے تھے کہ وقت آنے پہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا' بابا نے بیٹے کے لیے انکار کردیا تو وہ بیٹی کیسے غیر برادری میں دے دیں گے۔" عوانہ کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے اعمش اسے اب بھی تسلیاں دے رہا تھا وہ کسی خوش فہمی میں نہ رہنا چاہتی تھی۔ عوانہ کے لہجے میں دکھ کرلا رہا تھا۔

"عوانہ میں اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔" اعمش کا دل اس سے جدائی کے تصور پر ہراساں تھا مگر اسے اللہ کی رحمت سے بھی پوری امید تھی۔

"اعمش میرے بابا......" عوانہ تڑپ کر جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی۔

''ہم نے محبت کی ہے کوئی گناہ نہیں...... میں تمہیں کبھی غلط راہ کی ترغیب نہ دوں گا۔'' اَعمش نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے اسے تسلی دی۔

''تم ترغیب دیتے اور میں مان جاتی۔'' عوانہ کو پریشانی میں بھی اَعمش کی بات پہ غصہ آ گیا۔ وہ بابا کی عزت سے کبھی نہ کھیلتی۔ وہ بھلے سخت وہٹ دھرم تھے مگر اسے اپنے بابا کی عزت بے حد عزیز تھی وہ لحہ بھر کو غصہ ہلکا کرنے کے لیے رکی۔

''اَعمش میں تم سے جدائی سہہ لوں گی مگر اپنے بابا سے نہیں۔'' عوانہ نے مضبوط لہجے میں آنسو پونچھتے ہوئے اَعمش کو ہلکی جھاڑ پلائی۔

''مجھے پتہ ہے بھئی۔ اسی لیے تو مجھے تمہارے ساتھ تمہارے بابا کی عزت بھی عزیز ہے' ورنہ محبت میں کون محبوبہ کے باپ کی پروا کرتا ہے۔'' اَعمش نے اس کے غصے سے خائف ہوتے ہوئے نرمی سے اس کو رام کرنا چاہا' وہ خوامخواہ بگڑ رہی تھی۔ حالانکہ اسے بھی عوانہ کی عزت پیاری تھی۔

''محبوبہ کے باپ کی عزت پیاری ہے۔'' جواباً عوانہ کا پریشانی میں بھی قہقہہ ابل پڑا' اس نے بھرپور حظ اٹھاتے ہوئے فقرہ دہرایا تھا' اَعمش دھوپ چھاؤں کی حسین سنگت پہ دل تھام کر رہ گیا۔

''مار ڈالا ظالم۔'' اس نے دل پہ ہاتھ رکھ کر مصنوعی پن سے دہائی دی۔ عوانہ کے آنسو اور ہنسی نے اسے حقیقتاً دل تھامنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''بدتمیز۔'' عوانہ نے جھینپ کر فون بند کر دیا۔

''سنو...... عوانہ۔'' وہ اسے پکارتا ہی رہ گیا مگر وہ فون بند کر چکی تھی۔ جبکہ دروازے کے باہر کھڑے فاروق اپنی جگہ پتھر کے مجسمے میں ڈھل چکے تھے۔

☆......☆......☆

''بابا......'' مدثر کو جلد کچھ کرنا تھا' دل یمینہ کی جدائی کے تصور سے ہراساں رہنے لگا تھا۔ رات کا ایک بجنے والا تھا' سب محوِخواب تھے مگر اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ متفکر سوچیں سر بھاری کر رہی تھیں وہ اپنے لیے چائے پکانے کچن میں آیا تو بابا کی اسٹڈی روم کی لائٹ آن تھی۔ وہ چونک کر ادھر ہولے سے دروازہ ناک کر کے آ گیا۔

''آپ ابھی تک سوئے نہیں؟'' وہ گود میں کھلی کتاب اوندھی رکھے آنکھیں موندھے چیئر کی پشت سے سر ٹکائے سوچوں میں غلطیاں تھے کہ مدثر کی پکار پر سیدھے ہو بیٹھے۔ ماہ رمضان کا آغاز ہو گیا تھا۔ گھنٹہ بھر بعد سحری کا ٹائم ہو جانا تھا' وہ متفکر سا ان کے قریب آ گیا۔

''بس ذرا تھکاوٹ ہو گئی ہے۔'' وہ اندر سے ٹوٹ چکے تھے۔ صدیقی بھائی نے انکار کر دیا تھا۔ وہ فطرتاً بھائی سے بالکل مختلف تھے۔ انہیں خاندانی روایات اور اصول اولاد کی خوشیوں سے بڑھ کر عزیز نہ تھیں انہوں نے سبرینہ کے انکار کو اہمیت دیتے ہوئے بھائی سے معذرت کر لی تھی۔ جبکہ وہ اولاد کی خوشیوں کو نظر انداز کیے ہوئے تھے۔ عوانہ اور مدثر کو ان کی عزت اور مان عزیز تھا۔ انہوں نے تھکن سے ماتھا رگڑا۔ ان کے چہرے پر شکستگی کی واضح تحریر تھی۔

''بابا' میں آپ کا سر دبا دیتا ہوں۔'' مدثر کے اندر پلتا باغی نوجوان مر گیا تھا۔ وہ باپ کے سامنے بغاوت کی ہمت نہ پاتا تھا اسے بابا سے بہت محبت تھی۔

''اٹس او کے بیٹا' میں بہتر ہوں' تم جا کر سو جاؤ پھر سحری کے وقت بھی اٹھنا ہوگا۔'' فاروق کو نیند نہ آ رہی تھی' ان کا ارادہ نماز تہجد پڑھنے کا تھا۔ انہوں نے خفیف لہجے میں بیٹے کو تسلی دی۔

''بابا' کچھ دیر کی تو بات ہے میں آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔'' مدثر کا دل انہیں تنہا چھوڑنے پر آمادہ

نہ تھا۔ وہ کافی بدلے ہوئے لگ رہے تھے۔ شاید کوئی انہونی تھی جسے وہ چھپا رہے تھے۔

"بیٹا مجھے تہجد پڑھنی ہے۔" فاروق اسے مطمئن کر کے واش روم وضو کرنے چلے گئے۔ ناچار اسے بھی اٹھنا پڑا اس کا موڈ بدل چکا تھا۔

☆......◆......☆

"فرخندہ! صدیق بھیا نے انکار کردیا ہے۔" رمضان کا آخری عشرہ تھا' وہ نماز تراویح کے بعد گھر لوٹے تو فرخندہ تلاوت قرآن پاک کررہی تھیں۔ وہ تلاوت مکمل کر کے آئیں تو فاروق نے شکستگی بھرے لہجے میں دل گرفتگی سے بتایا۔

"کیا......! کب......؟" فرخندہ سمجھ نہ سکیں کہ وہ خوشی کا اظہار کریں یا دکھ کا' صدیق بھائی بھی تو خاندانی روایات اور اصولوں کی پاسداری کرتے تھے۔

"میں نہ اچھا شوہر ہوں اور نہ اچھا باپ۔" فاروق نے بیوی کو ساری حقیقت بتانے کے بعد گویا اعتراف جرم کیا۔

"فاروق آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔ آپ ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔" فرخندہ نے محبت سے انہیں احساس گناہ سے نکالا۔ انہوں نے ساری عمر اپنی پسند و ناپسند بیوی بچوں پر تھوپی تھی۔ انہیں بھلے آسائش زندگی اور تمام سہولیات فراہم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر ان کی زندگیوں کے تمام فیصلے خود کیے تھے آفرین ہے ان پر' ان سب نے باپ اور شوہر کے ہر فیصلے کو نبھایا تھا' اسی لیے تو فاروق کا احساس گناہ انہیں نادم کررہا تھا۔

"فرخندہ! انکار سبرینہ نے کیا ہے۔" فاروق نے جیسے ان کے سر پر بم پھوڑا۔ وہ اس انکشاف پہ ساکت رہ گئیں۔ صدیق بھائی نے اولاد کی خاطر سب کچھ فراموش کردیا۔ وہ ماں ہو کر غافل نہ تھیں، وہ کئی روز

سے عوانہ کی سوچتی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔

وہ خاموش رہیں' ان کی قوت گویائی جیسے سلب ہوگئی تھی۔ انہیں اس پل ذاکر کا بھی خیال آیا تھا' ان کے دل میں بے ساختہ فاروق سے کئی شکوے گلے جاگے۔

''فاروق...... آپ ریلیکس ہوجائیں' اللہ بہتر کرے گا۔'' وہ ساری عمر اپنے گھر والوں کے مسئلے مسائل سے غافل رہ کر صرف اپنی مرضی تھوپتے آئے تھے گو ان کے کیے فیصلے وقت نے درست ثابت کیے تھے مگر انہیں وقتی طور پر بہت پریشانی ہوئی تھی۔ فرخندہ نے وفا شعار بیوی ہونے کا بھرپور حق ادا کیا تھا۔ وہ شوہر کا دکھ بانٹنے کی سعی کررہی تھیں۔

''یمینہ کی فیملی کیسی ہے فرخندہ۔'' فاروق کی بات پر وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''فاروق......!'' ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''مجھے اُمش بھی اچھی فیملی کا لگتا ہے۔ عوانہ سے مزید معلومات لے لینا۔'' انہوں نے ایک اور بم پھوڑا۔ فرخندہ بے یقینی کی انتہا پہ تھیں۔ وہ ساری عمر سمجھتی رہی تھیں کہ فاروق کو ان کی کوئی پروا نہیں وہ اپنے گھر والوں کی پسند وناپسند سے غافل ہیں مگر وہ غلط نکلیں وہ غافل نہ تھے انہیں اپنے بچوں کی خوشیاں عزیز تھیں۔

''فرخندہ مجھے اپنے بچوں سے بہت محبت ہے۔'' فاروق نے ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے ان کے آنسو پونچھے۔ بدگمانی کے برسوں سے چھائے بادل چھٹ گئے تھے۔ وہ پورے دل سے مسکرائیں۔ ان کا رواں رواں رب کا شکر گزار تھا۔

☆......❖......☆

چاند نظر آگیا تھا' کل عید تھی۔ وہ افسردگی سے وہ خلاف معمول ہلال عید دیکھے بغیر کمرے میں ٹیرس پہ آگئی۔ مدثر نے اسے کوئی اطلاع نہ دی تھی۔ وہ مما سے مدثر کے فیملی میں بات کرنے کا ذکر کرچکی تھی۔ مما نے دوبارہ کچھ نہ کہا تھا مگر وہ متفکر تھی' دل بے کیف اداسی میں ڈوبا ہوا تھا۔ مما کو اشعر بے حد پسند تھا' وہ بھانجے کو فوقیت دیتیں۔

''ہیلو......'' اس کی منتشر سوچوں کی طنابیں مسلسل بجتی کال بیل نے یکجا کیں۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

''عید مبارک یمینہ۔'' مدثر نے سلام دعا کے بعد عید کی مبارک باد دی' بابا راضی ہوچکے تھے وہ مما کے ساتھ عید کے روز یمینہ کے ہاں بات پکی کرنے کے لیے آنا چاہتے تھے' مدثر کا خوشی سے کھنکتا لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

''خیر مبارک۔'' یمینہ کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ وہ مدثر کا خوشی چھلکاتا لہجہ پہچان نہ سکی۔

''یمینہ...... بابا مان گئے ہیں۔ ہم کل منگنی کے لیے تمہارے ہاں آرہے ہیں۔'' مدثر نے اسے مژدہ سنایا' وہ خوشی سے کھل اٹھی۔

''سچی......!'' اس کی آواز خوشی سے کپکپائی۔ مدثر اسے ساری بات بتانے لگا۔ خوشیاں در پہ ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ وہ در کھول کر پورے دل سے ان کے استقبال کے لیے تیار تھی' اس کا روم روم مسرت وانبساط سے سرشار تھا۔

''یمینہ' اب کے برس عید ہمارے لیے خوشیوں کی سوغات لائی ہے۔'' مدثر نے محبت سے چُور لہجے میں کہتے ہوئے ہلال عید سے سجے آسمان پہ نظر جمائی۔ یمینہ کی جاندار ہنسی اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ عید کا استقبال کرنے کو تیار تھے۔

☆......❖......☆

مقید تھی۔ اس کا دل افسردگی کی دبیز تہہ میں لپٹا ہوا تھا‘ خوب صورت چہرے پہ گہری سنجیدگی طاری تھی۔ بابا نے بالآخر اپنا اصول توڑ دیا تھا۔ وہ بیٹے کے لیے مان گئے تھے۔ کل عید اور مدثر کی منگنی تھی۔ رحانہ مما اور بھابیوں کے ساتھ یمینہ کے لیے شاپنگ کرنے گئی تھی۔ انہوں نے اسے بھی ساتھ لے جانا چاہا مگر اس نے صاف انکار کردیا۔ وہ لاؤنج میں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔ اس نے جلد اکتا کر ٹی وی آف کردیا۔ باہر تھوڑی دیر بعد ہنگامہ جاگا‘ سب واپس آچکے تھے‘ اس کا دل باہر جانے کو نہ چاہ رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' دفعتاً دلکش نسوانی آواز میں سلامتی بھیجی گئی۔ اسے چار سو چالیس واٹ کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ کرنٹ کھا کر باہر کی سمت لپکی۔ اسے آواز پہچاننے میں رتی بھر دھوکہ نہ ہوا تھا۔ سامنے کا منظر ناقابل یقین تھا۔ وہ بے یقینی سے آنکھیں کھولے یک ٹک سب کی صورتیں دیکھ رہی تھی۔

''عید مبارک......'' سب ایک دوسرے سے ہنسی خوشی بغلگیر تھے۔ اُمیش نے آنکھ بچا کر بت بنی عوانہ کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی‘ وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

''کیسا رہا سرپرائز۔'' سبا بھائی کو بمشکل لاؤنج میں دھکیل کر اس سے مخاطب ہوئی۔ رحانہ کے لیے سبا کا نمبر حاصل کرنا مشکل نہ تھا۔ اس نے سبا کو کال کر کے بات کی تھی وہ تو جیسے موقع کے انتظار میں تھے۔ چاند رات کو ہی عوانہ کا ہاتھ مانگنے چلے آئے۔ سبا عوانہ کو لیے کمرے میں آگئی۔ لاؤنج میں باتوں اور قہقہوں کا شور کان پڑی آواز نہ سننے دے رہا تھا۔ بابا بے حد خوش تھے۔ وہ خوش دلی سے اُمش اور اس کے والد سے محو گفتگو تھے۔ چائے کا دور شروع ہوچکا تھا۔

''عوانہ کہاں ہے؟'' مما بہو کو رنگ پہنانے کے لیے بے تاب تھیں۔ انہوں نے عوانہ کی کمی محسوس کی۔ رحانہ معذرت کرتی اٹھ گئی۔ وہ چند ثانیوں بعد سبا کے ہمراہ عوانہ کو لیے اندر داخل ہوئی۔ مما نے بہو کو محبت سے قریب بٹھالیا۔

''بھائی صاحب...... آپ کی اجازت ہو تو کیا اُمیش عوانہ کو رنگ پہنا دے؟'' مما کو بیٹے کا خیال آیا تو انہوں نے فاروق صاحب سے اجازت لی۔

''جی بہن کیوں نہیں۔'' انہوں نے خوشدلی سے اجازت دے دی۔ ان کے بچوں نے ان کا مان بڑھا دیا تھا‘ وہ بھائی سے ناراض نہ تھے فرخندہ نے انہیں اُمش کے متعلق معلومات فراہم کردی تھیں۔ وہ فاخر کے ذریعے اس کی چھان بین کراچکے تھے۔ اُمش کھاتے پیتے سلجھے ہوئے گھرانے کا لڑکا تھا۔ وہ مطمئن تھے‘ عوانہ کی نگاہ باپ سے ملی ان کی نظروں میں شفقت پدرانہ موجود تھی۔ فاروق کافی بدلے بدلے لگ رہے تھے ان کی ذات پہ طاری نام نہاد اصول پرستی اور خاندانی روایت کا خول ٹوٹ چکا تھا۔

''عید مبارک اگین۔'' اُمش نے انگوٹھی پہنا کر محبت سے ہاتھ دبا کر چھوڑتے ہوئے دھیرے سے سرگوشی کی۔

''خیر مبارک اگین۔'' عوانہ پرانی جون میں لوٹ آئی۔ اس نے ترکی بہ ترکی شوخی سے جواب دیا۔ لاؤنج میں مبارک سلامت اور بھرپور قہقہوں کا شور مچ گیا تھا۔

تم ملو تو عید ہو

ہما راؤ

میں نے جب پہلی بار اسے دیکھا' وہ ایک طلسمی رات تھی۔ وہ رات کتنی سہانی تھی' آسمان پر ستارے روشن تھے' ہوا اس کے اردگرد رقصاں تھی' رات کی رانی کی خوشبو' بارش کی جلترنگ بجاتی بوندیں' چاندنی رات کا سحر سب بے حد دلکش تھا۔ میں اپنے بیسٹ فرینڈ غازی سے باتوں میں مگن تھا' غازی کی بہن کی شادی کا فنکشن تھا۔

"غازی بھائی۔" میرے عقب سے مدھم مگر بے حد دلکش آواز ابھری۔

وہ جو کوئی بھی تھی اس نے مجھے نہیں غازی کو مخاطب کیا تھا مگر میں بے ساختہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا میرے سامنے ایک چوبیس پچیس سال کی لڑکی گلابی رنگ کے لباس میں ملبوس تھی' سیاہ چمک دار بال ایک کندھے پر بکھرے تھے' سلور بڑی بالیاں اس کے کانوں میں بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ وہ بے حد حسین تھی' اس کے حسن نے میری آنکھیں خیرہ کردی تھیں۔

"غازی بھائی' بارات کب آئے گی؟ ہمیں دیر ہوگئی تو ابو بہت ناراض ہوں گے۔" اس کی شفاف آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔ اس کی آواز میرے کانوں میں رس گھول رہی تھی' میں اسے مسلسل گھور رہا تھا' اس سے نظریں ہٹانا بے حد مشکل تھا' اتنا مکمل حسن میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"زارا...... تم پریشان مت ہو' بارات راستے میں ہے دس منٹ میں آجائے گی۔" غازی نے اسے تسلی دی۔

"غازی بھائی' امبر بھی نہیں آئی۔" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ شاید نہ آئے اس کا فون آیا تھا وہ سیڑھیوں سے گر گئی ہے۔" غازی نے بتایا۔

"اوہ......" بے ساختہ اس نے ہونٹ سکیڑے۔

میرا دل چاہ رہا تھا وقت تھم جائے اور وہ کبھی یہاں سے نہ جائے' وقت تو نہیں تھما البتہ کچھ پل مزید اسے میرے سامنے ٹھہرنے کا بہانہ مل گیا۔ غازی کا بھائی علی اسے دیکھ کے لپک کے آیا اور بے تکلفانہ انداز میں اس سے گپ شپ کرنے لگا' وہ مجھے مسلسل نظر انداز کیے ان سے باتوں میں مشغول تھی۔ مجھے علی پر رشک بھی آیا اور ساتھ میں حسد کا کانٹا بھی دل میں چبھا۔ میرا انہماک اسے بار بار مضطرب کررہا تھا' اس نے بے حد کوفت سے مجھے دیکھا۔ آپ مجھے ہرگز تاڑو قسم کا لڑکا مت سمجھئے گا' یقین کیجیے میں ایک بے حد شریف النفس انسان ہوں' چھچھورے آوارہ لڑکوں کی طرح مجھے آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھنا بالکل پسند نہیں' میں نے ایم بی اے کیا ہے اور میں ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تعینات ہوں۔ میری کالج یونیورسٹی میں کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں تھی اور اس وقت بھی میری زندگی میں کوئی لڑکی نہ تھی اور نہ ہی میں حسن پرست تھا ورنہ زارا جیسی نہ سہی مگر بہت سی خوب صورت لڑکیاں کالج یونیورسٹی میں میری کلاس فیلو تھیں اور اب میری کولیگ بھی ہیں لیکن مجھے ان میں بھی دلچسپی نہ رہی تھی' ایسا نہیں کہ انہوں نے مجھے لفٹ نہ کروائی ہو میں بے حد جاذب نظر اور پُرکشش مرد ہوں۔ خاندان میں حلقہ احباب میں ہمیشہ مجھے سراہا گیا' بہت سی لڑکیوں نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا مگر سلام دعا سے بات آگے میں نے بڑھنے نہ دی۔ علی کی کسی بات پر وہ مسکرائی اور میرے دل کے تاروں کو اس نے چھیڑ دیا تھا۔

"کیا ہوگیا ہے عمر؟" غازی نے مجھے کہنی ماری تو میں پل بھر کو شرمندہ ہوگیا۔

مجھے یاد آیا کہ میں اپنے بیسٹ فرینڈ غازی کی بہن کی شادی میں آیا تھا اور زارا غازی کی غالباً کوئی رشتہ دار تھی' جسے میں دلیرانہ انداز میں تک رہا تھا۔ غازی کب سے برداشت کررہا تھا نجانے کتنے لوگ مجھے دیکھ چکے ہوں گے۔

"میں پانی پینا چاہتا ہوں۔" میں بہانہ بنا کر غازی

کے پاس سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں بارات آ گئی اور رسمیں ہونے لگی' غازی بھی مصروف ہوگیا تھا۔ زارا میری نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ میں بے حد اداس ہوگیا تھا' میں نے کھانا بھی نہیں کھایا میری نگاہیں اسے ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ نجانے کہاں چھپ گئی تھی۔ بارات رخصت ہوگئی' سب مہمان چلے گئے مگر میں وہیں تھا جہاں وہ چھوڑ گئی تھی۔

رات گئے میں اپنے فلیٹ پر آیا' نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' ساری رات بے چین رہا۔ میں رات کے جاوداں لمحہ میں قید ہوگیا تھا' دل کے جذبات' دماغ کی سوچ پر صرف وہ حاوی تھی۔ دوسرے دن میرا فون بجا' اسکرین پر غازی کا نام دیکھ کر میرے لبوں پر مسکراہٹ کوندی۔

''ہیلو۔'' میں نے کہا۔

''یار آج ولیمے میں ضرور آنا۔'' غازی نے یاددہانی کروائی۔

''میں ضرور آؤں گا۔'' میں نے جوش سے کہا۔

''آنا سو بار آنا مگر کل والی حرکت مت کرنا۔'' غازی نے مجھے ٹوکا۔

''یار ایسا پہلی بار ہوا ہے۔'' میں شرمندہ ہوا۔

''اٹس او کے۔'' غازی نے میری شرمندگی محسوس کر کے نارمل انداز میں کہا۔

''وہ کون تھی؟'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''وہ میری امی کی کزن کی بیٹی ہے۔'' غازی نے بتایا۔

رات کو میں نے اپنا بہترین سوٹ نکالا اور دل لگا کے تیار ہوا اور وقت سے پہلے پہنچ گیا۔ اتنی جلدی کے ابھی ہال میں کوئی مہمان نہ آیا تھا' اپنی جلد بازی پر میں مسکرایا۔ تھوڑی دیر میں غازی آیا اور مجھے خود سے پہلے دیکھ کے بری طرح چونکا۔

''خیریت ہے؟'' اس نے مجھے گھورا۔
''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔
''کیوں' کیا ہوا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔
''مجھے رات والی لڑکی سے محبت ہوگئی ہے۔'' میں نے لگی لپٹی بغیر صاف کہا' میری نیت صاف تھی۔
''اوہ.....تو یہ معاملہ ہے۔'' غازی سوچ میں پڑ گیا۔
''میرے دوست مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے۔'' میں نے منت بھرے انداز میں کہا۔
''شادی ختم ہوجائے پھر اس موضوع پر بات کرتے ہیں۔'' غازی نے مصروف انداز میں کہا اور میں سچوئشن دیکھ کے آہ بھر کے رہ گیا' صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ میں بے چینی سے زارا کا منتظر تھا۔ میں نے کبھی اس شدت سے کسی کا انتظار نہ کیا تھا۔
''اور اگر وہ آج نہ آئی تو......'' دل میں خوف پیدا ہوا تو میں اس کے آنے کی دعا کرنے لگا۔
مہمانوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا' کافی دیر گزر گئی تھی مجھے فنکشن دیکھنے کی آرزو نہ تھی زارا کو دیکھنے سے قبل ولیمے میں آنے کا قطعاً ارادہ نہ تھا' آج مجھے اپنے بہت سے کام تھے۔ میرا تعلق سندھ کے ایک گاؤں سے تھا' میرا خاندان وہیں رہائش پذیر تھا' ہمارا مشترکہ خاندانی نظام بہت مضبوط تھا۔ میرے والد چار بھائی تھے' چاروں میں اتفاق و محبت کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ چاروں بھائی زمین دار اور ایک ہی حویلی میں رہتے تھے' کھانا پکانا بھی ایک ہی جگہ تھا۔ میں خاندان کا پہلا لڑکا تھا جو بے حد قابل تھا ورنہ سب میٹرک کے بعد زمین داری کرتے رہے' میری قابلیت پر سب خوش تھے۔ میں کراچی میں جاب کی وجہ سے مقیم ہوں اور پندرہ دن بعد دو دن کے لیے جاتا ہوں اگر میں یہ کہوں اپنی شرافت' لیاقت اخلاق کے باعث میں ہر دلعزیز تھا تو بے جا نہ ہوگا۔
اچانک سامنے سے مجھے وہ آتی نظر آئی' دل کی دھڑکنیں بے حد تیز ہوگئی تھیں۔ اس کا چاند چہرہ خواتین کے ہجوم میں نمایاں تھا' تھا نے مجھے کیا ہوا میں بے قرار ہو کر اس کی جانب بڑھا۔ سی گرین رابنسی فراک' پرپل چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا پرپل کامدار دوپٹہ اوڑھے آج فرنچ جوڑا بنایا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں پہنے لائٹ میک اپ کیے وہ کل سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ وہ میرے پاس سے گزر گئی اس کی اونچی ہیل کی ٹک ٹک میرے دل میں گدگدی کر گئی تھی۔ میں تیزی سے اس کے پیچھے گیا کہیں وہ ہجوم میں جا کر نہ بیٹھ جائے۔
''السلام علیکم!'' میں نے اس کے سامنے آ کر بے حد اعتماد سے کہا۔
''وعلیکم السلام!'' اس کی آنکھوں میں حیرت نمایاں تھی' میں راستہ روکے اسے دیکھ رہا تھا۔
''میرا نام عمر دراز ہے۔'' میں نے اپنا تعارف کروایا۔ میں نے کہہ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں الجھن تھی۔
''میں غازی کا دوست ہوں۔'' میں نے مزید کہا۔ وہ کچھ کہے بنا سائیڈ سے گزر گئی' اس کی آنکھوں میں میرے لیے ناپسندیدگی نہیں تھی میرے لیے یہ بات قابل اطمینان تھی۔
وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں میں بیٹھ گئی اور میں اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا' میں اسے گاہے بگاہے دیکھ رہا تھا' وہ بھی نگاہیں چرا کے مجھے دیکھ لیتی تھی۔ کچھ دیر میں سب کھانا کھانے لگے وہ بے حد نفاست سے بریانی کھا رہی تھی' مجھے کہاں ہوش تھا کہ میں اپنے لیے کھانا نکالتا۔ میرا وہاں سے ہلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا' بھوکا رہنا منظور تھا' اس نے کھانا کھاتے ہوئے سب کو دیکھا اور مجھے خود کو گھورتا دیکھا تو ایک دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی' میں بھی مسکرا دیا۔ کچھ دیر میں وہ تھی اور الوداعی نظروں سے مجھے دیکھا اور چلی گئی' میں بے بسی سے اسے دیکھنے لگا وہ اپنے ساتھ ساری رونق لے گئی تھی۔ میں غازی سے مل کے اپنے گھر آ گیا' ساری رات میں ایک پل کے لیے سکون سے نہیں سو سکا' میری آنکھوں میں

زارا کا مسکراتا چہرہ آتا اور چھن سے غائب ہوجاتا۔

......❀......

صبح میں اپنے گاؤں کے لیے روانہ ہوگیا تھا مجھے اچانک دیکھ کے سب بے حد خوش ہوگئے تھے۔

''عمر...... کھانا لاؤں تمہارے لیے؟'' میرب نے مجھ سے پوچھا۔ وہ میری تایا زاد تھی اور بے حد محنتی اور سلیقہ شعار لڑکی تھی۔

میرب نے چکن بریانی اور کھیر بہت لذیز پکائی تھی میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ امی مجھے رغبت سے کھاتا دیکھ کے بے حد خوش ہورہی تھیں۔ امی مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں میں نے بھی ہمیشہ ان کا ہر حکم مانا تھا جس پر انہیں ناز تھا۔ اس رات عشاء کی نماز کے بعد ابو اپنے تینوں بھائیوں کے ساتھ بیٹھک میں براجمان تھے ان کی یہ محفل خاصی طویل ہوگئی تھی میں کھلے صحن میں لیٹا سوچ رہا تھا زارا سے کس طریقے سے اظہار محبت کروں۔ اتنے میں امی اور میرے سب تایا چچا صحن میں آگئے امی نے فوراً میرے ماتھے کو چوما' تایا چچاؤں نے ابو نے گلے لگایا' کزنز نے شریر نظروں سے مجھے دیکھا اور میرب اٹھ کے اندر چلی گئی۔

''مبارک ہو۔'' سب ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے میں حیرت سے سب کو دیکھ رہا تھا۔

''کس بات کی مبارک باد کوئی پرائز بانڈ نکل آیا ہے کیا۔'' میری نگاہوں کی الجھن میری امی سے پوشیدہ نہ تھی۔

''بیٹا ہم نے تیری اور میرب کی شادی طے کردی ہے۔'' امی نے خوشی سے بتایا' میں بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔ ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا' تایا ابو تو کھلکھلا کے ہنس رہے تھے میرب ان ہی کی بیٹی تھی۔

مجھے پر جیسے سکتہ ہوگیا تھا' میں کسی سے کہے بنا' تیزی سے اٹھ کے اپنے کمرے میں آگیا۔

''یہ تو لڑکیوں کی طرح شرما گیا۔'' چچا کی عقب سے آواز سنائی دی۔

''سامنے ابا اور تایا ابو جو بیٹھے ہیں۔'' جواد نے جواب دیا' امی میرے کمرے میں آگئیں۔

''عمر بیٹا۔'' انہوں نے محبت بھرے انداز میں پکارا' میں نے شکوہ بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ میرے چہرے پر حزن و ملال ثبت تھا' امی جان سمجھ گئیں میں اس فیصلے سے خوش نہیں' ان کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

''امی میری زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا گیا۔'' میں نے دکھ سے کہا۔

''بیٹا...... میرب بہت اچھی لڑکی ہے اور تُو نے پہلے کب میرا کوئی حکم ٹالا ہے جو میں اب پوچھتی۔'' انہوں نے پیار سے کہا۔

''امی میں میرب سے شادی نہیں کرسکتا' مجھے زارا پسند ہے۔ آپ نے میرب میں کیا دیکھا' کیا وہ میرے قابل ہے؟ امی وہ کم عقل ان پڑھ بدصورت لڑکی ہے' میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا۔'' میں غصے میں بنا سوچے بولتا گیا۔

''بیٹا اس بات کو بھول جاؤ کہ تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے ہمارے خاندان میں ذات برادری سے باہر شادی کا رواج نہیں ہے اور میرب میں کوئی برائی نہیں' وقت گزرنے کے ساتھ تمہیں پسند آجائے گی۔'' امی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''امی...... مجھ پر رحم کریں' میں یہ شادی نہیں کرسکتا۔'' میں نے منت بھرے انداز میں کہا۔

''بیٹا...... یہ سب کا مشترکہ فیصلہ ہے اس میں بحث اور غور و فکر کی کوئی گنجائش نہیں اور میری بات یاد رکھنا بیٹا' ہم نے تمہارے لیے بہتر فیصلہ کیا ہے۔'' امی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''امی میں نے کبھی میرب کے لیے ایسا نہیں سوچا اور مجھے کسی لڑکی سے محبت ہوگئی ہے' آپ زبردستی شادی کردیں گے مگر میرا دل کبھی اس رشتے کو نہیں اپنا سکے گا۔'' میں بے بسی سے بولا۔

امی اور خالہ کے آگے میں نے منتیں کیں وہ میری دلجوئی کرتی رہیں مگر ان کا کہنا تھا میرب سے شادی نہ کرنے سے ہمارا مشترکہ خاندانی نظام تباہ ہوجائے گا اور سب کے دلوں میں دراڑ آجائے گی۔ میرا انکار خاندان کے لیے بربادی کا سبب بن جائے گا۔ میں نے خود کو کمرے میں بند کرلیا' میرے ساتھ ناانصافی ہورہی تھی۔ امی نے بہت سمجھایا مگر میرا انکار اقرار میں نہ بدلا۔ میں دوسرے دن واپس بوجھل دل کے ساتھ گھر سے کراچی کے لیے نکل گیا۔ اپنی خوشی میں مگن سب گھر والوں نے مجھے خوشی خوشی رخصت کیا تھا' میری اداسی پریشانی سب کے لیے بے معنی تھی۔ ایک طرف زارا تھی اس کے دل کی خوشی تھی دوسری طرف گھر والوں کی خوشی خاندانی رسم و رواج' میرا دل ڈوب رہا تھا۔

❁......◈......❁

کون اس راہ سے گزرتا ہے
دل یونہی انتظار کرتا ہے
دھیان کی سیڑھیوں پر پچھلے پہر
کوئی چپکے سے پاؤں دھرتا ہے
دل تو اپنا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے.....شہر کیوں؟

میں غازی کے سامنے بیٹھا تھا' اسے سب کچھ سچائی سے بتادیا یہ بھی کہ میں زارا سے شادی کرکے رہوں گا۔ غازی اس بات کے حق میں نہیں تھا کہ میں زارا سے شادی کروں' اس کا موقف تھا کہ اس کے خاندان میں زارا کو کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ میرب سے شادی کرنا ہی عقل مندی ہے' میں نے اس کی ہر دلیل کو رد کردیا تھا۔ ایک طویل اور گرما گرم بحث کے بعد کچھ دیر خاموشی کا راج رہا اور بالآخر غازی نے میری بات مان لی' نہ صرف بات مانی بلکہ زارا سے رابطہ کروانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

دوسرے دن غازی نے مجھے فون کرکے بلایا' میں اس کے گھر گیا وہاں زارا آئی ہوئی تھی۔ مجھے اس سے دل کی بات کہنی تھی' غازی اور میں باتوں میں مگن تھے' دوسرے کمرے میں زارا امبر کے ساتھ بیٹھی تھی۔ امبر شادی کے بعد پہلی مرتبہ میکے رہنے آئی تھی' امبر اور زارا قریبی سہیلیاں تھیں۔ غازی نے میرے دل کے جذبات امبر تک پہنچادیے تھے' امبر بہانے سے چائے کے لیے اٹھ گئی اب زارا تنہا تھی۔ غازی کا اشارہ ملتے ہی میں اندر چلا گیا۔

''السلام علیکم!'' میں نے اس کے قریب جاکر دھیمے سے کہا' وہ مجھے اچانک دیکھ کر بری طرح چونکی اور ڈر کے کھڑی ہوگئی۔

''گھبراؤ مت' آرام سے بیٹھو۔'' میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' اس نے خفگی سے کہا۔

''تمہیں دیکھنے۔'' میں نے کمال اطمینان سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے قدرے غصے سے کہا۔

''زارا...... میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ وہ بیٹھ گئی اور میری طرف الجھن سے دیکھنے لگی۔

''زارا...... میں تمہیں بتا نہیں سکتا' تمہیں پہلی بار دیکھنے کے بعد سے میرے دل کی دنیا بدل گئی ہے۔ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور یہ سچ ہے کہ میں نے زندگی میں پہلی بار کسی سے محبت کی ہے' میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' اس کی آواز میں نرمی تھی۔ اس کی آنکھوں کے تاثر میرا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔

''تھوڑی سی جگہ دل میں۔'' میں نے محبت سے کہا۔

''یہ زندگی کے فیصلے ہیں آپ کچھ عجلت پسندی سے کام نہیں لے رہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''اس عجلت پر مجھے ناز رہے گا۔'' میں نے شوخی سے کہا' وہ دھیمے سے مسکرادی۔

''سیانے کہتے ہیں لڑکی کی مسکراہٹ میں رضا خاموشی

میں اس کی رضامندی ہوتی ہے۔" میں نے چھیڑا۔
"سیانے کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔" اس نے براہ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔ میں بے ساختہ ہنس دیا' میں بہت خوش تھا۔ اس نے مجھے اپنا سیل نمبر دیا' میں ڈرائنگ روم سے باہر آیا' میرا دمکتا چہرہ میری خوشی عیاں کررہا تھا۔
"مبارک ہو محبت فاتح عالم۔" غازی نے شرارت سے کہا۔
"شکریہ میرے دوست۔" میں اس کے پہلو میں جا بیٹھا۔
آج میں انوکھی خوشی سے آشنا ہوا تھا' غازی نے امبر کے ساتھ مل کر زارا کے گھر والوں سے بات کی' انہوں نے مجھے ملنے کے لیے بلایا۔ وہ روشن خیال لوگ تھے' مجھ سے مل کے خوش ہوئے اور رضامندی دے دی۔ شادی البتہ چھ مہینے تک کرنے کا کہا' غازی نے انہیں بتادیا تھا میرے والدین راضی نہیں ہیں لیکن میں زارا کو الگ رکھوں گا۔ انہیں کوئی اعتراض نہ تھا مجھے خدشہ تھا وہ انکار کردیں گے کہ پہلے والدین کو لے کر آؤں لیکن وہ خاصے معاملہ فہم لوگ تھے۔ میری اور زارا کی فون پر گھنٹوں بات ہوتی تھی اور دوسرے تیسرے دن ملاقات بھی ہوتی تھی۔
"زارا..... تم نے میری محبت کو قبول کرکے بہت بڑی خوشی سے ہمکنار کردیا ہے۔" میں نے وارفتگی سے اس کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ محض مسکرادی' میں اسے اپنی محبت اپنے جذبوں' بے قراریوں کی داستان سناتا رہتا' وہ میری محبت کی شدتوں پر نازاں رہتی۔
"تمہیں مجھ سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی میں کرتا ہوں۔" میں شکوہ کرتا۔
"شاید۔" وہ بے نیازی سے کہتی۔
"شاید نہیں یقیناً۔" میں یقین سے کہتا۔
"کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ ہنستی۔
"فرق تو پڑتا ہے۔" میں بضد ہوتا۔
"ہاں فرق پڑے گا اگر تمہاری محبت میں کمی آئی تو؟" اس نے ادا سے کہا۔
"ایسا تو کبھی نہیں ہوگا۔" میں نے جلدی سے کہا میرے یقین نے اسے شرمادیا۔
امی کا فون آیا' میرے تایا ابو کی طبیعت خراب ہے' ہارٹ اٹیک ہوا ہے ان کو اور یہ دوسرا اٹیک تھا۔ وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں' مجھے فوراً بلایا گیا' میں نہ چاہتے ہوئے بھی جانے پر مجبور تھا اگر تایا نے اپنی خوشی کے لیے زبردستی میرب کا رشتہ نہ کیا ہوتا تو میں پریشان ہوکر دوڑا جاتا مگر انہوں نے اپنی من مانی کی تھی میں دل میں سب سے خفا تھا' امی کا کہنا مان کے آ گیا تھا۔
گھر آیا تو بیشتر لوگ ہسپتال میں تھے' میرب میری چچا زاد آمنہ' اسماء گھر پر تھیں۔ سلام کرکے میں اپنے کمرے میں آ گیا۔
"کھانا لاؤں؟" میرب نے کچھ دیر بعد آ کر پوچھا۔
"نہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بنا روکھے پن سے کہا۔
"چائے؟" اس نے دھیمے سے پوچھا۔
"نہیں نہیں نہیں..... " میں نے چلا کے کہا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھا' وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتی رہی پھر جھٹ سے باہر نکل گئی۔
میں لیٹتے ہی سوگیا اور پھر فریش ہوکر ہسپتال گیا۔ تایا خاصے کمزور لگ رہے تھے مجھے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔
"عمر بیٹا' میرب کا خیال رکھنا۔" انہوں نے بمشکل کہا سانس اکھڑنے لگی تھی۔ میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا' وہ بہت تکلیف میں تھے۔ میں نے ان کے دل کے سکون کے لیے ان سے وعدہ کرلیا۔ "میں میرب کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔"
انہیں شاید مجھ سے وعدہ ہی چاہیے تھا' رات کے

وقت ان کا انتقال ہوگیا۔ صدمہ گہرا تھا مگر وقت مرہم تھا' میں ہفتے تک ساتھ رہا' پھر واپس کراچی آ گیا۔ زارا بہت پریشان تھی' اس ایک ہفتے میں' میں اسے زیادہ توجہ نہیں دے پایا تھا۔ بات تو روزانہ ہوتی تھی مگر گھر میں لوگوں کی آمدورفت اور پریشانی کی وجہ سے میں خود بھی پریشان تھا۔ اس سے محبت اور رومانس کی باتیں کیسے کرتا' آنے کے دوسرے دن ہی میں اس سے ملا اور اس کے لیے بہترین گفٹ خریدا تھا' ہم نے ڈنر کیا اور بہت ساری باتیں' وہ بے حد خوش تھی۔ گھر آ کر میں نے اسے میرب کے اور اپنے رشتہ اپنی بے بسی کا بتایا وہ روہانسی ہوگی۔ اسے خوف تھا میں اسے چھوڑ نہ دوں' میں نے اس سے وعدہ کیا اسے یقین دلایا کہ وہ میری ہے اور میری ہی رہے گی اور میں اس کا رہوں گا۔ میرب سے وقت آنے پر انکار کردوں گا' وہ مطمئن ہوگئی اسے مجھ پر اعتبار تھا۔

مجھے گاؤں سے آئے کچھ ہی دن ہوئے تھے امی کا فون آیا کہ میں گھر آ جاؤں تائی بیمار ہیں' مجھ سے ملنا چاہتی ہیں' میں دو دن بعد گاؤں چلا گیا۔ تائی نے تایا کا صدمہ کچھ زیادہ ہی لے لیا تھا' انہیں بخار رہنے لگا تھا اور وہ بے حد کمزور نظر آ رہی تھی۔ رات ان کی طبیعت خاصی خراب تھی۔ دوسرے دن جمعہ پڑھ کے میں آیا تو بیٹھک میں ایک مرتبہ پھر محفل جمی ہوئی تھی۔

''بیٹا' آج تیرا نکاح ہے۔'' امی نے فوراً کہا۔ میں حیران ہوا' اتنے میں کمرے میں ابو اور چچا بھی آ گئے۔

''اس طرح...... اتنے اچانک یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

''بیٹا...... بھابی کی طبیعت بہت خراب ہے انہیں اپنی زندگی پر بھروسہ نہیں ہے اسی لیے وہ جلد نکاح کرنا چاہتی ہیں۔'' چچا نے جواب دیا۔

''چچا جان...... تائی کو سمجھایا جاسکتا ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''ہم بہت سمجھا چکے ہیں اور پھر ان کی خواہش پوری کرنے میں حرج بھی کیا ہے' شادی تو تیری میرب سے کرنی ہی ہے۔'' ابو نے سپاٹ انداز میں کہا۔

میں دلیلیں دے دے کے تھک گیا اور آخر کار رات دو بجے سب نے مجھے مجبور کردیا۔ امی نے ہاتھ جوڑے' آنسو بہائے ابو کا غصہ' چچا کی طنزیہ گفتگو' بہنوں کی منتیں میں ہار گیا۔ دل تو چاہا سب کو چھوڑ کے ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں مگر امی کی دی ہوئی قسمیں مجھے ہرا گئیں۔ میں نے زارا کو فون کیا اور رو دیا۔

''مجھے معاف کردینا زارا...... میں بے وفا نہیں ہوں۔'' وہ ساکت تھی' اس نے فون بند کردیا' میرا دل تڑپ کے رہ گیا۔

ظہر کے بعد میرا نکاح ہوگیا' میرب کو میرے کمرے میں میری بہنوں نے پہنچادیا' مجھے اس پر شدید غصہ تھا مگر ضبط کر رہا تھا۔ میری بہنوں نے بیوٹیشن کو گھر پر بلایا تھا' جو کب سے اسے سنوارنے میں مصروف تھیں۔ عشاء کے بعد زبردستی کزنز کے دھکیلنے پر میں اپنے کمرے میں آیا' جہاں میرب عروسی جوڑا پہنے میرے بیڈ پر براجمان تھی' میں نے بے حد غصے سے اسے دیکھا۔ اتنے میک اپ کے بعد بھی اس میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا لیکن عام روٹین کی نسبت آج قدرے بہتر لگ رہی تھی۔ بھاری زیورات' میچنگ چوڑیاں' موتیا اور گلاب کے کنگن' مہندی کے دلکش ڈیزائن اس کی سج دھج دیکھ کے زارا یاد آ گئی۔ اس جگہ زارا کو ہونا تھا' میرے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

''میرے سر میں بہت درد ہے' میں سونا چاہتا ہوں۔'' میں نے لائٹ آف کی اور بیڈ پر آ کر لیٹ گیا' اس نے کیا سوچا اس کے دل پر کیا گزری میں بے خبر تھا۔

دوسرے دن میں اٹھ کر بنا' میرب سے بات کیے باہر آ گیا گھر میں سادگی سے ولیمے کی تقریب کی گئی تھی۔ دن بھر میں دوستوں میں رہا' شام کو کمرے میں آ کر میں نے اپنی پیکنگ کی اور کراچی جانے کا فیصلہ کیا' میں نے سوچ لیا تھا زارا کو منالوں گا اور اس سے شادی کر کے کراچی ہی رہوں گا۔

"امی میں کراچی جارہا ہوں۔" میں نے بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔ امی نے مجھے روکنا چاہا میری خوب منت سماجت کی مگر سب اکارت گیا مجھ میں عجیب طرح کی سرد مہری اور بے رخی آ گئی تھی۔ میں کراچی آ گیا اور آتے ہی غازی سے ملا' غازی نے مجھے مبارک باد دی' میں نے اسے کھری کھری سنائیں۔

زارا سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ میری کال ریجکٹ کردیتی' نمبر آف کردیتی۔ میں ایس ایم ایس پر اسے منانے کی کوشش کرتا مگر جواب نہ آتا' غازی سے پتا چلا کہ زارا اپنے گاؤں گئی ہے اور پندرہ دن تک نہیں آئے گی' میں تڑپ کر رہ گیا۔ ایک دن زارا کا میسج آیا۔

آؤ جانچ لیتے ہیں
درد کے ترازو پر
کسی کا درد کہاں تک ہے
کچھ عزیز لوگوں سے
پوچھنا تو پڑتا ہے
آج کل محبت کی
قیمتیں کہاں تک ہیں

میں نے اسے محبت کا یقین دلایا اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کا بتایا اس نے مجھے معاف کردیا اور پہلے کی طرح ہم میں رابطہ قائم ہوگیا۔ مجھے گاؤں سے آئے تین مہینے ہوگئے تھے۔ میں بھول گیا تھا میں ایک رات کی دلہن میرب کو چھوڑ کے آیا ہوں۔ زارا نے مجھے کہا کہ میں میرب کو فون کرکے اپنا اور اس کا تعلق واضح کردوں' میں نے ایسا ہی کیا' زارا کی موجودگی میں اسے فون کیا۔

"ہیلو میرب۔" اس کی آواز سنتے ہی میں نے تیزی سے کہا۔

"جی کیسے ہیں آپ؟" ایک بے قراری سی اس کے لہجے میں تھی۔

"میرب میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں' تمہاری میری شادی بے جوڑ ہے' تم میری آئیڈیل نہیں ہو۔ تم واجبی سی پڑھی لکھی گھریلو لڑکی ہو' زندگی کی شاہراہ پر میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتی۔ ہماری کبھی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوسکتی' میں نے بہت احتجاج کیا مگر مجھے مجبور کیا گیا ہے اس شادی کے لیے' میں زارا سے محبت کرتا ہوں وہ مکمل لڑکی ہے اور میں اس سے شادی کروں گا۔" میں نے زارا کی طرف دیکھتے ہوئے فخر سے کہا۔ میرب کو ایسے لگا جیسے سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا گیا ہو وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

"تم سن رہی ہوناں؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"جی۔" وہ سسکی' مگر میں بہت خوش تھا' زارا جو خوش تھی۔

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" میرب نے پوچھا۔

"میرا خیال دل سے نکال دو اور کہیں اور گھر بسانے کا سوچو۔" میں نے مشورہ دیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" غصے سے میرب نے فون پٹخ دیا تھا۔

"یہ لڑکی واقعی دیہاتی اور کم عقل ہے۔" زارا نے ناگواری سے کہا۔

"بالکل۔" میں نے تائید کی۔

"اب تمہارے کیا ارادے ہیں؟" زارا نے پوچھا۔

"ارادے تو نیک ہیں مگر تمہارے دل کا کچھ پتا نہیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"تمہاری شادی کا میں نے ابو امی کو بتادیا تھا۔" زارا نے یاسیت سے کہا۔

"یہ کیا غضب کیا؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"یہ باتیں چھپ نہیں سکتیں۔" زارا گویا ہوئی۔

"اب کیا ہوگا؟" میں پریشان ہوا۔

"ان کی ایک شرط ہے اسی صورت میں ہماری شادی ممکن ہے۔" زارا نے تشویش سے کہا۔

"مجھے ہر شرط منظور ہے۔" میں بے قراری سے

بولا۔

"وہ چاہتے ہیں تم فلیٹ میرے نام کرو۔" زارا نے صاف لفظوں میں اپنے مستقبل کا تحفظ چاہا۔

"مجھے یہ شرط منظور ہے۔" میرے پیار کے جذبوں میں اعتماد موجزن تھا۔ میں نے بے حد وارفتگی سے اسے دیکھا' میری آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ کر وہ بے حد مطمئن نظر آرہی تھی' اس کے چہرے کی رنگت اور بھی نکھر گئی تھی۔

"میں نے دو کمروں کا فلیٹ خرید لیا تھا' یہ صاف ستھرا مناسب فلیٹ تھا' ایک دوست نے بے حد مدد کی' میرے پاس پیسے کم تھے اس کا یہ فلیٹ تھا۔ آدھی پے منٹ میں نے کردی تھی' آدھی بقایا میں نے قسطوں میں کرنی تھی' ایک سال بعد فلیٹ میرے نام ہو جاتا' فلیٹ البتہ اس نے خالی کر دیا تھا میں فلیٹ میں شفٹ ہو گیا اور بے حد خوش تھا۔

امی کا فون آیا تو انہوں نے بتایا تھا میرب کو خاصا تیز بخار ہے' انہوں نے تنبیہ کی تھی میں نہ صرف اسے فون کروں بلکہ گاؤں آنے کی تیاری کروں۔ ان کا بہت بڑا حکم میں مان چکا تھا' اس سے آگے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا' میں نے اسے فون کیا اور گاؤں جانے کا بھی میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔

ایک دن میرب نے مجھے شاعری بھیجی۔

یہ کوئی دعا نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے
تو میری جبین پر لکھا نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے
ابھی راستہ بھی ہے دھول میں
ابھی فائدہ بھی ہے بھول میں
ابھی مجھ کو تجھ سے کوئی گلہ نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے
میں جنم جنم سے ناراض ہوں
میں جنم جنم سے اداس ہوں
میں کبھی بھی کھل کے ہنسا نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے
تو ہے خواب خواب پکارتا
میری آنکھوں میں نہیں اشک بھی
میں مدتوں سے جیا نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے
تجھے خوشیوں کی ہے آرزو
تجھے روشنی کی ہے جستجو
میں ہوا نہیں' میں دیا نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے
تجھے آنسوؤں کا پتا نہیں
تجھے رتجگوں کا پتا نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے
کبھی چھوٹ سکتا ہے درمیاں
نہ زمیں ملے گی نہ آسماں
تجھے راستہ کا پتا نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے
مجھے ڈھونڈتا ہی پھرے گا
تُو نہ جیے گا روز مرے گا تُو
میں کبھی بھی گھر پر ملا نہیں
میرے ہمسفر ابھی سوچ لے

"ابھی سے اتنی مایوسی میرب بی بی...... ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے۔" میں زندہ دلی سے گنگنایا۔

اس ہفتے آفس میں بہت کام ہونے کے باعث سر کھجانے کی فرصت نہ تھی' زارا سے ویک اینڈ پر ملاقات بھی نہیں ہوسکی۔ فون پر البتہ بات ہو جاتی تھی' کام ختم ہوا تو اس کی کزنز کی شادیاں آ گئی کبھی کسی کی مایوں ہوتی کسی کی مہندی کسی کی بارات اور ولیمہ وہ بہت مصروف ہوتی' زارا کو دیکھے دس دن ہوگئے تھے میری بے چینی قابل دید تھی۔ میں نے اسے فون کیا وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ میں مسلسل ملاتا رہا' کچھ دیر بعد اس نے کال ریسیو کی تو مجھے سکون ملا۔

''یار بے رخی کی بھی حد ہوتی ہے زارا تم اتنی بے مروت نکلو گی مجھے اندازہ نہ تھا۔'' میں نے چھوٹتے ہی کہا۔

''کیا ہو گیا عمر؟'' وہ شوخی سے بولی۔

''تمہارے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' میں نے بے حد اداسی سے شکوہ کیا۔

''کیسے؟'' اس نے مزے سے پوچھا۔

''اتنے دن سے منتیں کر رہا ہوں مجھ سے مل لو مگر تمہارے پاس میرے لیے تھوڑا سا وقت بھی نہیں ہے۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''عمر تمہیں بتایا تو تھا روزانہ کوئی نہ کوئی فنکشن ہوتا ہے۔'' زارا نرمی سے بولی۔

''کب ختم ہوں گے یہ فضول فنکشن؟'' میں نے تپ کر پوچھا۔

''آج آخری دن ہے۔'' زارا نے بتایا تو میرا موڈ بدل گیا۔

''پھر کب مل رہی ہو؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔

''میں کل ملتی ہوں۔'' زارا نے کہا تو میرا دل کھل اٹھا۔

دوسرے دن میں آفس میں تھا' جب میرب کی کال آئی میں نے کال اٹینڈ نہ کی اور اسے میسج کیا کہ میں بے حد بزی ہوں مگر کچھ دیر بعد اس نے پھر کال کرنی شروع کر دی۔ مجھے اس کی جہالت پر بے حد غصہ آیا تھا' میں نے غصے میں کال ریسیو کی۔

''کیوں کیا ہے فون؟'' سلام نہ دعا میں نے چھوٹتے ہی غصے میں استفسار کیا۔

''عمر...... خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ تمہیں یاد کرتی ہیں۔'' میرب نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ تھرڈ کلاس ڈرامے کر کے تم مجھے آنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔'' میں نے طنز سے جواب دیا۔

''میں نے آپ کو اپنے لیے نہیں آپ کی ماں کے لیے بلایا ہے۔'' میرب نے فوراً جواب دیا۔

''ماں کا سہارا لے کر تم شادی کی پلاننگ میں تو کامیاب ہو گئی ہو مگر آگے تمہارا مستقبل تاریک ہے۔ تمہیں مجھ سے کچھ نہیں ملے گا۔'' میں نے چبا چبا کر کہا۔

''مجھے تم سے اپنے لیے کوئی امید نہیں ہے بے فکر رہو' تمہاری محبت کی بھیک کے لیے میں نے کبھی کوئی پلاننگ نہیں کی اور نہ میرا آئندہ کوئی ڈرامے بازی کرنے کا ارادہ ہے۔ ویسے تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ تمہیں اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمی ہے۔'' میرب نے عام سے انداز میں کہا مگر میں سلگ کے رہ گیا' میری مردانہ انا پر ضرب لگی تھی۔ وہ بے وقوف عام سی لڑکی مجھے جواب دے رہی تھی اور میں اس لمحے گاؤں کا دیہاتی شوہر بن گیا جو بیوی کو محکوم غلام سمجھتا تھا اور اس کی زبان درازی اسے کسی صورت قابل برداشت نہ تھی۔

''بکواس بند کرو جاہل عورت۔'' میں غصے میں چلایا مگر میری بات سے قبل اس نے کال کاٹ دی تھی۔ اس کی اس حرکت پر مجھے شدید غصہ آیا' میرا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔

آج شام زارا کے ساتھ ملاقات تھی' میں نے دل ہی دل میں میرب پر لعنت بھیجی اور زارا کے تصور سے خوش گوار کیا اور یہ زارا کا جادو اور اس کے حسن کا کرشمہ ہی تھا کچھ دیر بعد میں گنگنا رہا تھا۔ مقررہ وقت پر میں گاڑی لے کر زارا کے گھر کے سامنے آیا' پچھلے پچیس منٹ سے گاڑی میں محو انتظار تھا' میرا انتظار بوریت کی حدوں کو چھو رہا تھا کچھ دیر بعد وہ سامنے سے آتی نظر آئی تو مردہ تن میں جان آ گئی۔

''سوری سویٹ ہارٹ لیٹ ہو گئی۔'' وہ برابر میں بیٹھتے ہوئے دلکشی سے مسکرائی۔ گہرے سبز جدید تراش خراش کے سوٹ میں وہ عام دنوں سے بھی بڑھ کر حسین لگ رہی تھی' اس کے مخصوص پرفیوم کی خوشبو پوری گاڑی میں پھیل گئی تھی' میں اسے دیوانہ وار دیکھ رہا تھا۔

''کہاں جانا ہے؟'' میں نے بمشکل دل کو سنبھالا۔

"جہاں تم لے چلو۔" اس نے بالوں کو دائیں جانب بکھیر کر شوخی سے کہا۔

"ایسے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔" میں نے بے خودی سے کہتے ہوئے اس کے نازک نرم و ملائم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

"میرا دل تو چاہ رہا ہے ابھی اور اسی وقت نکاح پڑھوا کر تمہیں اپنے گھر لے چلوں۔" میری بات پر شرما کر اس کی پلکیں جھک گئیں چہرے پر حیا کے رنگ پھیل گئے میں جذبات لٹاتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ میری نگاہوں میں جو سمندر اور جو وارفتگی تھی' زارا کا دیکھنا محال تھا۔ میں نے اسے خود سے قریب کر کے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا' ایسی جسارت پہلی مرتبہ بے خودی میں کر گیا تھا۔ اس نے اپنا سر میرے کندھوں پر رکھ دیا' میں نے گویا ستاروں پر قدم رکھ دیا تھا۔

نجانے کتنے لمحے بیت گئے' وہ جیسے ہوش میں آئی اور میرے بازوؤں میں کسمسائی۔ اس کے قرب کے احساس نے سب بھلا دیا تھا۔ وہ جھینپی جھینپی سی میرے بازوؤں کو ہٹانے لگی۔

"بڑے بدتمیز ہو تم۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا اور قدرے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"تم نے پاگل کر دیا ہے اب اگر فاصلوں کا یہی حال رہا تو میں تمہیں بھگا کر لے جاؤں گا۔" میں نے ذومعنی انداز میں کہا تو وہ بے ساختہ ہنس دی۔

ساحل سمندر پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چلتے ہوئے زندگی بے حد حسین لگ رہی تھی' اس کے سنگ چلتے بے شمار عہد و پیمان باندھے' بے حد حسین خواب دیکھے' آج کی ملاقات بہت دلکش بے حد یادگار تھی۔ اسے گھر چھوڑنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا مگر زارا کے گھر والوں کے خیال سے دل پر جبر کر کے اسے ڈراپ کیا۔ سونے کے لیے رات کو بیڈ پر لیٹا تو کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا' اس کا خوشبو میں بسا وجود اس کے نازک مرمریں بدن کا لمس' اس کے گلاب ہونٹ کچھ بھی چین لینے نہیں دے رہا تھا۔

"میں نے سوچ لیا تھا گاؤں جا کر ابو سے کاروبار کے بہانے پیسے لوں گا' ظاہر ہے وہ کبھی انکار نہ کرتے ان پیسوں سے میں اپنے دوست زعیم کو ادائیگی کرتا اور فلیٹ میرے نام ہو جاتا۔ ایسے میں زارا کے ابو سے بات کرتا اور پھر شادی کی ڈیٹ لے لیتا' اب اس کی دوری ناقابل برداشت تھی' صبح کے قریب میری آنکھ لگی' اتوار تھا لہٰذا بھرپور نیند لی تھی۔

دن میں اپنا ناشتا بنا رہا تھا سیل فون پر ابو کی کال دیکھ کر چونکا' وہ بہت کم مجھے فون کرتے تھے۔ ہم میں ایک خاص قسم کا تکلف تھا' میں خود فون کر کے سلام دعا کر لیا کرتا تھا البتہ امی سے میں ڈھیروں باتیں کرتا تھا وہ بھی بہت ناز اٹھاتی تھیں۔ ابو نے بتایا کہ امی کی طبیعت خراب ہے' مجھے آئے چھ ماہ ہو گئے تھے' میں نے جانا تو تھا پیسے لینے میں نے آج ہی جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ زارا کو میں نے جانے کا مقصد بتایا' اپنی پیکنگ کی اور گھر کو لاک کر کے نکل آیا۔ سفر میں بھی زارا سے باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ کل رات اس کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھ رہا تھا' پہلی تصویر میں اس کی آنکھیں بہت نمایاں تھیں۔

"یہ آنکھیں نہیں جام سے بھرے پیمانے ہیں۔" میں نے دل میں سوچا۔

راستہ گزر گیا گھر سامنے تھا مگر مجھے جانے کی کوئی خوشی نہ تھی وجہ میرب تھی جس نے میری زندگی ڈسٹرب کر دی تھی مگر مجھے یاد آیا میرب اپنی امی کے ساتھ ملتان کسی عزیز کے انتقال پر گئی ہوئی تھی۔ میرب گھر نہ تھی میں بے حد خوشی سے تیز تیز قدموں سے دروازے کی جانب لپکا۔ دروازہ ابو نے ہی کھولا تھا وہ مجھے کچھ پریشان لگے مگر میں نے کچھ پوچھا نہیں میں سیدھا امی کے کمرے میں گیا' امی کمرے میں نہ تھیں۔

"امی کہاں ہیں؟" میں نے آمنہ سے پوچھا۔

آمنہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' میرے پوچھنے پر اس نے آنسوؤں کو روکنے کی مزید کوشش نہ کی اور رونے لگی۔

"بھائی...... امی کو فالج کا اٹیک ہوا ہے وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔" آمنہ نے سسکتے ہوئے کہا۔ میں حیرت و بے یقینی سے گنگ رہ گیا' دل بے حد اداس ہوگیا۔

"ہسپتال میں......" میں نے کچھ پل بعد مرے مرے انداز میں پوچھا۔

"ابو ابھی کسی کام سے آئیں ہیں بس ہسپتال میں ہی ہوتے ہیں' باقی سب بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ صائمہ امی کے پاس ہی ہے۔" آمنہ بولی۔

"میں ہسپتال چلتا ہوں۔" میں رنجیدگی سے بولا۔

امی کا کمرہ ان کے بغیر ویران لگ رہا تھا میں بے حد پریشان تھا' اس وقت مجھے اندازہ ہوا میں کتنا پیار کرتا تھا امی سے' میں دل ہی دل میں ان کی صحت یابی اور طویل زندگی کے لیے دعائیں کرنے لگا تھا۔ جب میں ہسپتال پہنچا تو امی سو رہی تھیں' میں نے ان کی پیشانی پر نرمی سے بوسہ دیا جس کی بنا پر ان کی آنکھ کھل گئی۔

"عمر۔" وہ سسکی۔

"امی آپ نے مجھے کیوں نہیں فون کیا؟" میں نے نم آنکھوں سے شکوہ کیا۔

"بیٹا...... میرب نے فون کیا تھا آمنہ نے کیا تھا تو نے کہا کام بہت ہے' ابھی نہیں آسکتا۔" وہ سادگی سے کہتی مجھے بری طرح شرمندہ کرگئی۔

"امی مجھے آپ کی اس حالت کا پتا ہوتا تو میں نوکری چھوڑ کے آجاتا۔ میرے لیے آپ سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں۔" میں نے دیانت داری سے کہا۔

"تو ناراض ہے؟" امی کے دل کو ملال نے آن گھیرا۔

"کیوں کس بات پر؟" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"میرب سے شادی کی وجہ سے۔" امی نے بغور مجھے دیکھا' میں اس حالت میں انہیں رنجیدہ نہیں کرسکتا تھا تب ہی مسکرایا۔

"امی وہ وقتی ناراضگی تھی' میں نے غور کیا آپ کا فیصلہ درست تھا' میرب اچھی لڑکی ہے۔" میں نے خوشدلی سے جواب دیا۔

"میرب بہت اچھی بیٹی ہے۔ خود سے وابستہ رشتوں کو محبت اور خلوص سے نبھانا جانتی ہے' تم اسے نہیں جانتے مگر میں خوب جانتی ہوں۔" امی نے محبت سے کہا۔

مجھے گھنی میرب پر بہت غصہ آیا میری بھولی بھالی ماں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے گھیرا ہوا تھا۔ میں نے غصہ دل میں دبالیا' امی کا دایاں حصہ مفلوج ہوگیا تھا۔ میں نے امی کو حوصلہ دیا' یہ ہسپتال مجھے پسند نہیں آیا تھا' امی کا بھی یہاں دل گھبراتا تھا' وہ بضد تھیں انہیں گھر لے جایا جائے۔ میں رات انہیں ہسپتال سے ڈسچارج کرکے گھر لے آیا' میرا خیال تھا میری بہنیں نرسوں سے زیادہ اچھی تیمارداری کرسکتی ہیں۔ میں نے آفس سے پندرہ دن کی چھٹی لے لی تھی' امی کو اس حالت میں چھوڑ کے نہیں جاسکتا تھا جب تک وہ ہلنے پھرنے کے قابل نہ ہوجاتی' امی نے میرب کو بتانے سے منع کیا تھا۔ امی کا خیال تھا وہ تڑپ کر آجائے گی پہلے ہی کہیں نہیں جاتی اب اگر گئی ہے تو کچھ دن رشتے داروں میں سکون سے رہنے دیا جائے میں حیران تھا۔ امی کی رائے میرب کے لیے اتنی اچھی تھی اپنی سگی بیٹیوں سے بڑھ کر اس کی فرماں برداری خدمت پر ناز تھا' میں ان کی دل شکنی نہیں کرسکتا تھا' اس لیے مجبوراً ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ میں نے زارا کو امی کا بتایا اسے سن کر بے حد افسوس ہوا' اس نے میرا حوصلہ بڑھایا تھا۔

آمنہ میری بہن کا رشتہ ماموں کے گھر طے تھا' امی اپنی بیماری کی وجہ سے بہت پریشان تھی' جلد سے جلد آمنہ کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ ابو نے ان کی بات سے اتفاق کیا اور مجھے دو دن کے لیے پیسے دے کر کراچی بھیج دیا کہ میں آمنہ کے لیے زیور اور کپڑے خرید لوں۔ میں دوسرے دن کراچی آگیا' مجھے لڑکیوں کی شاپنگ کا کوئی

تجربہ نہ تھا میں نے زارا سے مدد مانگی اس نے حامی بھرلی ہم نے جیولر کے پاس جانا تھا' امی کی وجہ سے میں بہت پریشان تھا۔ کراچی آ کر بھی بار بار خیال امی کی طرف بھٹک رہا تھا' میں اسے پک کرنے گیا' سیاہ خوب صورت لباس میں میک اپ کے ساتھ وہ ساحرہ میرے سامنے بیٹھی تھی۔

"کیسی ہو؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں مگر تمہاری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" اس نے مذاق اڑایا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا میری امی کو فالج کا اٹیک ہوا ہے' دایاں حصہ مفلوج ہوگیا ہے۔" میں نے یاسیت سے کہا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا یہ سب زندگی کا حصہ ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"مجھے اپنی امی سے بہت پیار ہے۔" میں نے کہا۔

"سب کو ہوتا ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا' میں چپ رہا۔

"امی ٹھیک ہوجائیں پھر شادی کی بات کرتا ہوں تمہارے والدین سے۔" میں نے کہا۔

"اٹس اوکے۔" زارا مسکرائی۔ ہم نے مل کر تین دن تک شاپنگ کی تین دن اس کی سنگت میں گزرے ان کا پتا ہی نہیں چلا۔

"میں اب پندرہ دن بعد آؤں گا۔" میں نے اسے کہا۔

"رہ لوگے میرے بنا۔" اس نے ناز سے کہا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے آہ بھری۔

"میں انتظار کروں گی۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"میں جلدی آؤں گا۔" میں مسکرایا۔

کاش امی بیمار نہ ہوتی میں راستے میں سوچ رہا تھا' ایسے میں ابو سے کاروبار کے لیے پیسے لینا یعنی فلیٹ کے لیے پیسے مانگنا ناممکن تھا۔ امی کی صحت یابی میرے لیے سب سے اہم تھی اور اوپر سے آمنہ کی شادی فی الحال فلیٹ کا خیال میں نے ذہن سے نکال دیا تھا۔ میں گھر میں داخل ہوا صرف چار دن بعد امی کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

سامنے ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا تھا جس کی تیز چلتیں سانسیں اس کے زندہ ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ کمرے میں عجیب گندی بو پھیلی تھی سانس لینا مشکل تھا' بستر کی چادر میلی تھی' دن میں آمنہ نے چاول دیے ہوں گے وہ اس وقت پڑے سوکھ رہے تھے' سائیڈ ٹیبل پر جگ خالی پڑا تھا مجھے اپنی بہنوں پر بہت افسوس ہوا وہ صدا کی کام چور تھی۔ میں نے ہمیشہ میرب کو کام کرتے دیکھا تھا مگر اس حالت میں بھی وہ غیر ذمہ داری سے باز نہ آئی تھی۔ میں لاؤنج میں آیا جہاں وہ ڈرامہ دیکھنے میں مگن تھی' میں نے انہیں خوب شرمندہ کیا۔ سگی اولاد بھی اتنی بے حس ہوسکتی ہے میری حیرت کم نہ ہورہی تھی' کچھ دیر میں میرب اپنی امی کے ہمراہ پہنچی' اسے آمنہ نے بتادیا تھا وہ تیز تیز قدموں سے ہم سب کو نظر انداز کیے امی کے پاس آئی۔

"خالہ..... کیا ہوا ہے آپ کو؟" وہ ان کی حالت دیکھ کر سسکی' میرب کو دیکھ کر امی کی مردہ آنکھوں میں زندگی کی جوت جاگی تھی۔ امی بے ساختہ رودیں اور میرب بھی ضبط کھو بیٹھی' میں بے حد حیرت سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کمرے میں کس قدر گھٹن اور حبس ہے۔" میرب نے کھڑکیوں اور دروازہ پر سے بھاری پردے ہٹائے' کھڑکیاں کھولیں۔ تازہ ہوا کمرے میں داخل ہوئی اور اجالا پھیل گیا پھر اس نے میری مدد سے ان کو سائیڈ پر کیا' نئی بیڈ شیٹ بچھائی غلاف بدلے' امی کو تکیوں کے سہارے بٹھایا۔ میں نے آمنہ کو کڑے تیوروں سے گھورا اور آنکھوں ہی آنکھوں شرمندہ کیا۔

"خالہ کے لیے کیا پکایا ہے؟" اس نے سیب کاٹتے ہوئے مصروف انداز میں آمنہ سے پوچھا۔

"چاول پکانے تھے۔" آمنہ نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

''خالہ چاول نہیں کھاتی' فریزر سے چکن نکال کے رکھو۔''

''اب اسکول ختم ہوگیا تو گھر بیٹھو امی کی خدمت کرو وہ تمہاری ذمہ داری ہیں میرب کی نہیں۔'' میں نے رعب سے کہا اور آمنہ کے آنسو بھرے چہرے پر ایک تیز نظر ڈال کر میں امی کے پاس آ گیا' امی اور میرب چائے پی رہی تھیں۔

''بیٹا...... میرب کے بغیر گھر نہیں چلتا تیری بہنیں سب نکمی ہیں۔'' امی مایوسی سے بولی۔

''امی مجھے بہت افسوس ہوا ہے انہیں دیکھ کر ابھی دوست کے بھائی کی شادی میں جانے کی ضد کر رہی تھی' میں نے منع کر دیا۔''

''اچھا کیا بیٹا۔'' امی اطمینان سے بولیں۔

میرب کچھ دیر میں ٹرے سجا کر لے آئی تھی' یخنی پلاؤ' بھنڈی' گرم روٹیاں اور سلاد میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دل ہی دل میں اقرار کیا' میرب کے ہاتھ میں بہت لذت تھی' کھانا ختم کیا تو اس نے چائے لا کے دی۔

''امی آمنہ کی شادی کی فکر تو ہے آپ کو مگر اسے کچھ سکھا دیں۔ اسے گھر گرہستی کا کوئی شعور نہیں۔'' میں نے چائے کا گھونٹ لیا۔

''بیٹا...... آج کل کی لڑکیوں کو گھر داری کا شوق نہیں ہے' انہیں سجنا سنورنا فیشن کرنا گھومنا پھرنا پسند ہے' ٹی وی ڈرامے' نیٹ کا شوق ہے بس۔'' امی یاسیت سے بولیں۔

میرے ذہن میں زارا آ گئی' معلوم نہیں وہ گھر داری میں کیسی تھی مگر وہ میرے دل کی ملکہ تھی' مجھے اس کی یاد آئی میں موبائل لے کر باہر آیا اور اس سے گھنٹہ بھر باتیں کرتا رہا۔

''سنو آج رات کہاں سوؤ گے؟'' زارا نے پوچھا۔

''اپنے کمرے میں۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہاں تو میرب بھی سوتی ہوگی۔'' اس نے بے حد غصہ سے کہا۔

''او...... یہ تو میں نے سوچا نہیں۔'' مجھے الجھن ہونے لگی میرب کا سوچ کر۔

''زارا...... میں بیٹھک میں سو جاؤں گا' میں صرف تمہارا ہوں' تمہیں مجھ پر اعتبار ہونا چاہیے۔'' میں نے محبت سے کہا اور زارا کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

رات کو جب سونے کا وقت آیا تو میں بیٹھک میں سو کر امی کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں امی کو خوش دیکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ جلدی صحت یاب ہو جائیں' میں صوفے پر بیٹھا تھا جب میرب تھکی ہاری اپنے کمرے میں آئی اور پریشانی سے مجھے دیکھنے لگی غالباً اسے شادی کی پہلی رات یاد آ گئی تھی۔ میں موبائل اٹھا کر باہر جانے لگا۔

''عمر......'' پیچھے سے میرب کی آواز آئی میں پلٹا۔

''تمہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں' میں خالہ کے ساتھ سو جاتی ہوں۔'' میرب تکیہ لے کر باہر چلی گئی' میں دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دیئے بنا نہ رہ سکا۔

صبح آنکھ کھلی تو میرب میرے کپڑے استری کر کے ہینگر کر رہی تھی' میں واش روم میں گھس گیا۔ میں امی کے کمرے میں گیا تو وہ مجھ سے کچھ خفا نظر آ رہی تھی' میں سمجھ گیا کہ انہیں میرب کا یہاں سونا پسند نہیں آیا تھا مگر میں اپنی بھولی ماں کو کیسے سمجھاتا' ساتھ رہنے سے دلوں کے فاصلے نہیں مٹتے' میرے دل پر صرف زارا کی حکمرانی تھی۔

''عمر بیٹا کبھی کسی کا دل مت دکھانا۔'' امی نے نصیحت کی میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے دیکھو بیٹا برا وقت آیا تو کیسے لاچار ہوگئی' کبھی سوچا نہ تھا ایسے معذور ہو کر بستر پر پڑ جاؤں گی۔ اس بستر پر صبح و شام کیسے گزرتے ہیں بس مجھے ہی پتہ ہے' اگر میرب نہ ہوتی تو نجانے کیا ہوتا۔'' وہ رو دیں۔

''امی حوصلہ کریں۔'' میں نے ان کا ہاتھ سہلایا۔

''ان شاء اللہ آپ جلدی چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گی۔''

''بیٹا پتا نہیں کتنی زندگی ہے تیری بہنیں تیری ذمہ

داری ہیں۔'' امی نے کہا۔

''میں جانتا ہوں مگر آپ پلیز مایوسی کی باتیں مت کریں۔'' میں خفا ہوا۔

''بیٹا اس سے بڑی ذمہ داری تجھ پر میرب کی ہے' وہ تیرے نکاح میں ہے اور تجھے احساس تک نہیں۔ بیٹا ہمارا دین کہتا ہے عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو ان کے بارے میں سختی سے پوچھا جائے گا۔ میں تو ان پڑھ ہوں مگر بیٹا تو پڑھا لکھا ہے سب جانتا ہے۔'' ان کے سادہ انداز پر میں بے حد شرمندہ ہوا۔

''امی میں خیال کروں گا۔'' میں نے امی کے اطمینان کے لیے بہت سی باتیں کیں' میں انہیں اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔

❁......◉......❁

رات میں نے میرب سے کہا کہ وہ میرے کمرے میں سوئے امی کے ساتھ آمنہ سو جائے گی۔ میرب نے میرے حکم کی تعمیل کی' میں ٹی وی دیکھتا رہا اور وہ مزے سے سارا دن کی تھکی ہاری سوتی رہی۔

''امی کی خوشی کے لیے ہم اچھے میاں بیوی کی طرح ڈرامہ بھی تو کر سکتے ہیں۔'' میں نے میرب سے کہا۔

''جی وہ میرے اور آپ کے ریلیشن کی وجہ سے خاصی فکر مند رہتی ہیں۔'' میرب نے جواب دیا۔

''میرب میں تم سے شرمندہ ہوں مگر بے بس ہوں' میں زارا کے بنا نہیں رہ سکتا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا' پہلی بار میں نے غور کیا اس کی آنکھیں بہت پیاری تھیں۔ اس کا چہرہ یک دم پھیکا پڑا' اس کا چہرہ اور نقش بے حد عام تھے رنگت بھی سانولی تھی۔

''میں جانتی ہوں عمر' تم خالہ کے مجبور کرنے پر مجھ سے شادی کے لیے رضا مند ہوئے ہو' تمہیں زارا سے محبت ہے' تم جب چاہو زارا سے دوسری شادی کر لو اس کے لیے تمہیں میری اجازت درکار نہیں ہوگی۔'' میرب کی بات نے مجھے حیران کر دیا۔

''مگر تمہاری زندگی اس طرح کیسے گزرے گی؟'' میں الجھا۔

''مجھ سے اپنا نام مت چھیننا مجھ پر بس یہ احسان کر دو۔'' وہ نم آنکھوں سے منت آمیز لہجے میں بولی اسے شاید یہ خدشہ تھا' میں اسے طلاق دے دوں گا۔

''مگر کیوں؟'' میں نے اس پاگل لڑکی سے پوچھا۔

''میں تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ جب سے سن رہی ہوں جب صحیح طرح ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا۔ تم جانتے ہو میں کم پڑھی لکھی لڑکی ہوں' میں نے بچپن سے تمہیں اپنے دل کا مکین بنالیا تھا اور مجھ جیسی بے وقوف لڑکیاں بچپن بدلا نہیں کرتیں۔'' وہ کہہ کر کمرے میں ٹھہری نہیں لیکن میں دنگ کھڑا رہ گیا' میری مشکل آسان کر کے وہ ایک اور مشکل میں ڈال گئی تھی۔

امی کی طبیعت خراب تھی میں نے انہیں کراچی لے جانے کا فیصلہ کیا' میرب ہمارے ساتھ تھی۔ امی پچھلی سیٹ پر آرام سے لیٹی تھیں' میرب میرے ساتھ والی سیٹ پر تھی۔ میں میرب سے ہلکی پھلکی باتیں کرتا رہا وہ پہلی بار کراچی آ رہی تھی' امی ہمیں باتوں میں مگن دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ میں فلیٹ پر پہنچا یہاں لفٹ تھی اس لیے امی کو لانا آسان تھا۔ امی گھر آتے ہی سو گئیں' کئی دن سے فلیٹ بند تھا' میرب کی صفائی پسند طبیعت پر ناگواری چھا گئی اور اس نے خوب اچھی طرح ڈسٹنگ کی' جھاڑ و پونچھا کیا۔ میں کھانا لینے باہر آ گیا' کھانا لے کر آیا تو وہ کچن میں مصروف تھی۔

''کیا کر رہی ہو؟'' میں نے شاپر سلپ پر رکھے۔

''کچھ پکانا چاہ رہی تھی مگر کچھ بھی سامان نہیں ہے' صرف چائے اور بسکٹ کے علاوہ۔'' اس نے فکرمندی سے کہا' میں مسکرا دیا۔

''تم یہ کھانا نکالو اور جو سامان چاہیے مجھے لسٹ بنا کر دے دو۔'' میں کہہ کر امی کے پاس آ گیا۔

کچھ دیر میں وہ کھانا لے کر آ گئی' ہم تینوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا' میرب نے لسٹ بنا دی تھی میں سودا سلف لے کر آیا تو کچن ہر چیز اچھی طرح چمک رہی تھی۔

"تھکی ہاری آئی ہو کل کرلیتیں۔" میں نے ٹوکا۔
"سامان رکھنا ہے اور شام کے لیے کچھ پکانا بھی ہے۔" میرب مصروف انداز میں بولی۔
"تمہیں تھکن نہیں ہوتی؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں۔" وہ اطمینان سے بولی۔
"میں سونے جارہا ہوں۔"
"تم نماز نہیں پڑھتے؟" اس نے پوچھا۔
"نہیں...... وہ...... جمعہ کی پڑھتا ہوں۔" میں شرمندہ ہوا۔
"رمضان آنے والا ہے نماز کی پابندی شروع کردو۔" میرب بولی۔
"ہاں ان شاء اللہ۔" میں امی کے پاس چلا آیا۔

❁......◉......❁
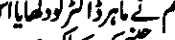
دوسرے دن ہم نے ماہر ڈاکٹر کو دکھایا اس نے ایکسر سائز بتائی اور میڈیسن چینج کر کے لکھ دی۔ میرب روزانہ امی کا مساج کرتی تھی ایکسر سائز کرواتی میں نے وہیل چیئر لادی تھی امی اس پر ٹیرس میں کچھ دیر دھوپ میں بیٹھ جاتیں یہ سچ ہے میرب نے اس حالت میں امی کی جس طرح خدمت کی میں اس سے بہت متاثر تھا۔ ہفتے کی رات زارا کا فون آیا حال احوال پوچھنے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ بولی۔
"عمر......ایک بات پوچھوں سچ سچ بتاؤ گے؟" زارا نے کہا۔
"پوچھو میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔" میں نے جواب دیا۔
"مجھے لگتا ہے تمہیں میرب سے محبت ہوگئی ہے تم اسے ایسے ہی اپنے فلیٹ میں نہیں لے آئے۔"
"ایسا کچھ نہیں ہے۔" میں نے اس کے شکی انداز پر ہنسی ضبط کی۔
"کوئی ایسی بات ہے جس کا شاید تمہیں بھی ادراک نہیں۔" زارا سنجیدہ ہوئی۔
"ارے بھئی شک تم سے زیادہ اصولی طور پر میرب کو کرنا چاہیے مگر اسے کوئی اعتراض نہیں اور تم ابھی سے......" میں نے اسے چھیڑا۔
"اس لیے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اسے کیا پتا محبت کا اسے تمہاری پروا نہیں اور میرا ایک دن بھی تمہارے بناء سکون کا نہیں گزرتا۔ تمہیں میرے پیار کا اندازہ نہیں۔" اس کے خوب صورت جذبات سے مغلوب لہجے پر میرا دل مطمئن ہوگیا بے قراری کو قرار آ گیا ہم دونوں صبح تک باتیں کرتے رہے میرب کی نگاہیں گاہے بگاہے مجھ پر اٹھتیں پھر لیکن مجھے کون سی پروا تھی۔

❁......◉......❁

دوسرے دن اتوار تھا میں دیر تک سوتا رہا میں سو کر اٹھا تو سوچا میرب کو ناشتے کا کہہ دوں میرب امی سے باتیں کررہی تھی ساتھ ہی مساج کررہی تھی۔ میں باہر ہی رک گیا امی میرب سے مخاطب تھیں میں کھڑکی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
"تم آج عمر کے ساتھ بازار جانا کچھ شاپنگ کرنا اپنے لیے۔ لڑکیوں کو اتنا شوق ہوتا ہے۔"
"مگر کیوں؟" میرب حیران ہوئی۔
"کیوں کی کیا بات ہے؟" امی جھنجلائی۔ "بیوی ہو تم اس کی اس پر پورا حق ہے تمہارا جہاں بات اپنے حق کی ہو وہاں ڈٹ جانا چاہیے۔ تمہیں قطعی شرمانے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں آج کل کی لڑکیاں اتنی تیز ہوتی ہیں مگر تم نجانے غلطی سے اس زمانے میں کیسے پیدا ہوگئیں اب تمہیں کیا کیا سمجھایا جائے۔" امی کی بات پر اس نے شرما کر نگاہیں جھکالیں۔
"تمہارا خیال نہیں رکھتا وہ۔" امی یاسیت سے بولیں۔
"خالہ ایسی بات نہیں ہے اور میں بہت خوش ہوں آپ خوامخواہ پریشان ہوجاتی ہیں۔" میرب بولی۔ میں اندر کمرے میں داخل ہوگیا۔
"میرب ناشتا بنادو۔" میں نے کہا اور وہ جی اچھا کہتی

چلی گئی۔

"بیٹا اسے بازار لے جا' تُو نے اسے ابھی تک کچھ بھی نہیں لے کے دیا۔"

"امی آپ کو چھوڑ کے میں فی الحال شاپنگ کرنے نہیں جاسکتا۔" امی چپ رہیں۔

آج زارا اور غازی نے کہا تھا کہ وہ امی کی عیادت کے لیے آئیں گے' میں بے حد خوش تھا۔ میرب کو بتایا کہ دوست اور اس کی بہن آرہے ہیں' اس نے چائے پر خاصا اہتمام کرلیا تھا۔ خاص طور پر شامی کباب بے حد لذیز بنائے تھے۔ شام چھ بجے خوشبوؤں میں بسی وہ میرے سامنے تھی۔

"السلام علیکم!" وہ تکلف سے کہتی امی کے پاس بیٹھ گئی۔ غازی البتہ چہک چہک کر باتیں کررہا تھا' میرب پردہ کرتی تھی اس لیے مجھے چائے خود دینی پڑی۔ غازی نے سب چیزوں کے ساتھ بھرپور انصاف کیا البتہ زارا نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا وہ بس چپ بیٹھی رہی۔ پھر اس نے غازی سے جلد چلنے کو کہا۔ غازی اٹھ کھڑا ہوا باہر نکلا تو میرب زارا سے ملنے آئی۔

"السلام علیکم!" میرب نے خوشدلی سے کہا۔

"وعلیکم السلام۔" زارا نے ناگواری سے جواب دیا۔

"تم نے چائے بھی نہیں پی؟" میں نے موضوع بدلا۔

"کمرے میں کس قدر دوائیوں کی بو ہے۔" زارا نے نخوت سے کہا۔

"خالہ بیمار ہیں' بیڈریسٹ پر ہیں۔" میرب بولی۔

"تم نجانے کیسے اس کمرے میں سوتی ہو مگر خیر ہر انسان کی اپنی فطرت ہے۔" زارا نے بے پروائی سے کہا۔

"میرب بے حد صفائی کا خیال رکھتی ہے۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"اچھا.....'' وہ طنزیہ انداز میں کہتی چلی گئی۔ میں اس کے رویے پر الجھتا امی کے کمرے میں آیا تھا۔

"یہ زارا تھی؟" امی ... ے تیوروں ... پوچھا۔

"جی۔" میں بے حد شرمندہ ہوا۔

"کیوں بلایا تھا اسے یہاں؟" امی بے حد خفا تھیں' میں چپ رہا۔

"بیٹا..... تُو نے خوب صورت چہرہ دیکھا ہے اس کا من خوب صورت نہیں ہے۔" اس نے یہاں چائے پینی بھی گوارا نہ کی تھی۔ "اتنا غرور تھا اس کے اندر بیماری دکھ پریشانی سب کے ساتھ ہے' چلو میری تو خیر ہے دو منٹ کے لیے غور کر خدانخواستہ میری جگہ تُو بیڈ پر ہوتا اور یہ تیری بیوی ہوتی' یہ ایسے گھن کھاتی۔ کیسے اتنے دن تیمارداری کرتی' کیسے محبت کرتی؟" امی نے نکتہ اٹھایا اور میں زارا کے رویے سے اتنا الجھ گیا تھا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا' میں چپ رہا۔

❁......❁......❁

میں نے رات میں زارا کو فون کیا تو وہ بالکل نارمل تھی۔

"تمہیں میری امی کیسی لگیں؟" میں نے زارا سے پوچھا۔

"اچھی ہیں۔"

"زارا تم نے آج مجھے مایوس کیا تمہارے لیے میں نے میرب کو اپنا کے بھی نہیں اپنایا اور امی سے تمہارے اتنے قصیدے بیان کیے تھے۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"مایوس کیوں؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"تم بہت مغرور لگ رہی تھیں۔"

"عمر..... میرا ایسے مریض دیکھ کے دل گھبراتا ہے' میری نانی ایک سال ہمارے گھر رہیں وہ معذور تھیں' تم یقین کرو میں ایک سال میں ایک بار بھی ان کے کمرے میں نہیں گئی تھی۔ مجھے بہت گھن آتی ہے' بدبو آتی ہے۔" زارا نے سچائی بیان کی مگر میں حیران ہوا' میرے نزدیک یہ سراسر بے حسی تھی۔

"اگر تمہاری میری شادی ہوجائے اور شادی کے

بعد میری ٹانگ ٹوٹ جائے اور میں بستر پر پڑ جاؤں تب؟'' میں نے سوال کیا کچھ دیر کے لیے سکوت چھا گیا۔

''میں تمہاری تیمارداری کے لیے ملازمہ رکھ لوں گی۔'' اس کے جواب میں میرے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔

''اگر میرے پاس ملازمہ رکھنے کے پیسے نہ ہوئے تو؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں جاب کرلوں گی لیکن تمہاری زمینیں بھی تو ہیں وہ کب کام آئیں گی' آخر تم اکلوتے وارث ہو۔'' زارا کی شوخی مجھے اس وقت زہر سے بھی بری لگی۔

''زارا تم فضول لڑکی ہو۔'' میں نے خفگی کا اظہار کیا۔

''کیوں؟'' اس کا قہقہہ بلند ہوا۔

''میں جارہا ہوں۔'' میں نے تپ کر کہا۔

''کہاں؟'' زارا نے پوچھا۔

''میرب کو شاپنگ کروانے۔'' میں نے اسے جلایا۔

''میرب کو شاپنگ...... خاصے بدذوق ہوگئے ہو۔'' زارا نے طنز کیا۔

''تمہیں بھی تو لے کے جاتا ہوں۔'' میں نے نارمل انداز میں کہا۔

''تمہیں مجھ میں اور میرب میں فرق نہیں دکھتا؟'' وہ حیرت سے چلائی۔

''دکھتا ہے تب ہی اسے لے کے جارہا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''مطلب؟'' زارا الجھی۔

''مطلب پر دھیان مت دو۔'' میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا۔

''تم آج کچھ عجیب باتیں کررہے ہو۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''مجھے لگا تم عجیب باتیں کررہی ہو۔'' میں نے اسی کے انداز میں کہا۔

''اچھا تم نے شادی کے بارے میں کیا پلان کیا ہے؟'' اس نے اکتا کر موضوع بدلا۔

''فی الحال میری تمام توجہ کا مرکز میری امی جان ہیں ان کی صحت یابی ان کا اعلاج ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا میں بعد میں بات کروں گی۔'' زارا نے رکھائی سے کہا۔

''اوکے' میں بھی چلتا ہوں' میرب تیار ہوچکی ہے۔'' میں نے مزے سے کہا' اس نے جھٹ فون بند کردیا۔

''زارا تمہارا دل کتنا چھوٹا ہے جب کہ تم میری محبوبہ ہو' جانتی ہو میں صرف تم سے پیار کرتا ہوں اور میرب کا دل کتنا خوب صورت ہے جو جانتی ہے میں اس کا شرعی محرم ہوں پھر بھی مجھے تم سے ملنے اور بات کرنے سے روکنے کی کوشش نہیں کرتی' مجھے مشورہ دیتی ہے میں تم سے شادی کرلوں۔ تم شہر کی پڑھی لکھی ماڈرن لڑکی ہو مگر تنگ دل و دماغ کی اور وہ کم پڑھی لکھی دیہاتی لڑکی مگر شاید جس کا خمیر ہی محبت سے بنا ہے تم سے زیادہ ظرف اور وسعت رکھتی ہے۔'' میں نے ترنگ میں اسے طویل میسج کردیا۔

❁......۞......❁

امی پہلے سے خاصی بہتر تھیں اب گھر جانے کی ضد کررہی تھیں' میں دو دن بعد انہیں گھر چھوڑ آیا۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ بھی آگیا تھا' واپس گھر آیا تو اپنے ہی گھر میں دل نہ لگا' امی اور میرب کی وجہ سے خاصی رونق تھی' میں نے بوریت سے اکتا کر اسے فون کیا۔

''ہیلو زارا...... کیسی ہو؟'' میں نے خوشگوار موڈ میں پوچھا۔

''جیسی بھی ہوں تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' زارا نے بےرخی سے کہا۔

''تمہارا موڈ اتنا خراب کیوں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تم اب ڈرامہ ختم کرو اور اگر سنجیدہ ہو تو مجھ سے شادی کرو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''کون سا ڈرامہ...... میں سنجیدہ ہوں اور شادی کا

وعدہ کیا ہے تم سے تو نبھاؤں گا۔" میں نے تحمل سے کہا۔

"کب؟"

"چھ مہینے لگیں گے۔" میں نے بتایا۔

"بہت وقت ہے میرے لیے بہت اچھے رشتے آئے ہیں' پوری فیملی ان کے حق میں ہے۔ تم شادی شدہ ہو اور گاؤں سے تعلق رکھتے ہو جبکہ وہ پڑھے لکھے' خوب صورت ہیں اور دولت مند بھی۔" زارا نے جتایا۔

"تو اہمیت محبت کی ہے یا دولت کی؟" میں نے افسردگی سے کہا۔

"سب کچھ دیکھا جاتا ہے وہ سب تم سے بہتر ہیں' میں اکیلی کب تک تمہارے لیے لڑسکتی ہوں تمہیں خود اپنا مقدمہ لڑنا ہوگا۔" زارا نے بے نیازی سے کہا۔

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"تمہیں میرب کو طلاق دینی ہوگی اور فلیٹ میرے نام کرنا ہوگا۔ ایک مہینے میں سب کرسکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ مجھ سے بعد میں کوئی شکایت مت کرنا۔" وہ سفاکی سے بولی۔

"میں فلیٹ کی قسطیں دے دوں گا اور جلدی شادی کرلوں گا۔" میں نے بے قراری سے کہا۔ "اور میرب کو طلاق دینا تھوڑا مشکل ہے خاندان کا معاملہ ہے۔" میں پریشان ہوا۔

"میری بھی ساکھ ہے اور خاندان کا معاملہ ہے' تمہارے شادی شدہ ہونے کا میرے خاندان پر کیا اثر پڑے گا' تمہیں اندازہ نہیں جبکہ مجھ جیسی لڑکی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں۔" زارا نے جتایا۔

"بے شک مگر میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔" میں نے رنجیدگی سے کہا۔

"کرتے رہنا محبت' عمل کے بناء کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" زارا کی بے حسی پر مجھے تاؤ آ گیا اور میں نے مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کردیا تھا۔

❁......❁......❁

میں نے رمضان کے روزوں کے ساتھ پابندی سے نماز تراویح اور قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کیا اور اپنے رب سے دعا کی وہ میرے لیے آسانی کردے۔ میں بے حد پریشان تھا' میرے پاس وقت کم تھا اور زارا کو کھونے کا تصور ہی سوہان روح تھا۔ پندرہویں روزے کو میں دو دن کے لیے گاؤں گیا' میری اچانک آمد سے سب بے حد خوش تھے۔ رات کو میں تھکا ہارا جلدی سوگیا تقریباً آدھی رات کو میری آنکھ کھلی' بارش ہورہی تھی اور لائٹ گئی ہوئی تھی' ایمرجنسی لائٹ آن تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا' اچانک مجھے دبی دبی سسکیاں سنائی دینے لگیں' میں نے غور کیا تو میرب کی آواز تھی۔ میں حیران ہوا' چونک کر سیدھا ہوا' وہ جائے نماز پر بیٹھی غالباً تہجد کی نماز ادا کررہی تھی۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا اور چہرہ آنسوؤں سے تر تھا' اس کا دل بے حد خوب صورت تھا اور اس کا چہرہ اندرونی خوب صورتی سے روشن ہورہا تھا۔ چہرے پر بے حد پاکیزگی اور شفافیت تھی میں میرب کو مسلسل دیکھتا رہا' وہ اٹھنے لگی تو میں نے دانستہ سونے کی ایکٹنگ کی۔ وہ کچھ دیر بعد میرے پہلو میں آکر لیٹ گئی' تب ہی ایمرجنسی لائٹ آف ہوگئی کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا تھا وہ غالباً اندھیرے سے گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"لائٹ چلی گئی' بارش ہورہی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"لگ رہا ہے مجھے۔" میں نے اسے کھینچ کر خود سے قریب کرلیا۔

❁......❁......❁
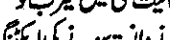
اگلی صبح بے حد چمکیلی اور روشن تھی' چمکیلی صبح نئی تازگی کا احساس دلا رہی تھی' صحن میں کھڑا پانی رات کی بارش کا پتا دے رہی تھی۔ میرب درختوں سے جھڑنے والے پتوں کو سمیٹ رہی تھی' صحن میں پھولوں کی خوشبو بکھری تھی ہلکی ٹھنڈی ہوا بے حد حسین لگ رہی تھی۔ سبز سادہ سوٹ

میں میرب بہت پیاری لگ رہی تھی پھر میں کراچی آ گیا۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا میں میرب کو کبھی طلاق نہیں دوں گا' میرب مجسم محبت اور وفا تھی مگر زارا کو لے کر الجھا ہوا تھا۔ میں نے خشوع وخضوع سے دعا کی کہ جیسے میرب کے معاملے میں میرا دل صاف ہوگیا ہے ایسے زارا کے لیے بھی کوئی فیصلہ ہوجائے قبولیت کی گھڑی تھی۔

رات میں عید کی رونقیں دیکھنے مال گیا' میں نے میرب کے لیے عید کی شاپنگ کی جب ہی میری نظر زارا پر ٹھہری اس کے ساتھ ایک اجنبی لڑکا تھا۔ زارا بجی سنوری ہمیشہ کی طرح بے حد حسین لگ رہی تھی' میں حیران سا زارا کی طرف آیا۔

''ہیلو زارا.....'' میں نے خوشدلی سے کہا۔ زارا کا چہرہ یک دم پھیکا پڑا تھا' اس نے گھبرائی نظروں سے ساتھ کھڑے مرد کو دیکھا جو سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''یہ میرے کزن ہیں۔'' زارا نے مرے ہوئے لہجے میں کہا اس شخص نے کڑے تیوروں سے زارا کو گھورا۔

''میں زارا کا منگیتر ہوں۔'' اس شخص نے قدرے غصے سے کہا۔

''منگیتر.....'' مجھے دھچکا لگا۔ میری حیرت پر اس شخص نے مجھے گھورا۔

''آپ کا تعارف؟''

''یہ زارا ہی بتائے گی۔'' میں نے سہمی ہوئی زارا کو دیکھا۔

''یہ میری دوست کا بھائی ہے۔'' زارا زبردستی مسکرائی۔ میں نے اسے دکھ سے دیکھا اور وہاں سے ہٹ گیا' میرے دل کے اندر بہت دور تک درد پھیل گیا تھا' زارا نے محض میرے ساتھ دل لگی کی تھی میں نے اس سے سچی محبت کی تھی۔ میں بے وقوف میرب کو ٹھکرا کر زارا جیسی منافق لڑکی کو اس کی جگہ دے رہا تھا۔

''زارا..... یہ کیا کیا تم نے؟'' میں نے گھر آ کر فون کیا۔

''سمیر..... تم سمجھ دار ہو' تمہارے اور میرے مزاج میں بڑا فرق ہے' ہم کبھی اچھے میاں بیوی نہیں بن سکتے۔ تم میرب کے لیے ٹھیک ہو اور میرے لیے احمر ٹھیک ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ میں نے جس سے والہانہ محبت کی تھی وہ دھوکا دینے پر ذرا شرمندہ نہ تھی' میرے سچے اور کھرے جذبوں کے ساتھ اس نے کھیلا تھا۔

زارا کے دھوکے نے مجھے توڑ کے رکھ دیا تھا' کچھ دیر میں سوگ مناتا رہا پھر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اگر میں زارا کا اصلی چہرہ نہ دیکھتا اور جذبات میں میرب کو طلاق دے کر زارا سے شادی کرلیتا تو..... میں نے آفس سے چھٹیاں لیں اور گاؤں جانے کا فیصلہ کیا۔ گھر والوں نے مجھے اچانک دیکھا تو خوش ہوئے عید قریب تھی' میں نے بھی برسوں بعد سب سے خوب ہنسی مذاق کیا۔ میرے بدلے تیور سب کو حیران کررہے تھے' سب کو تحائف دے کر فارغ ہوا تو میرب کچن میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں لایا' وہ چپ اور افطاری بنانے میں مصروف تھی۔

امی میرب کو دعائیں دیتی نہ تھک نہ رہی تھیں' جس کی بدولت امی اپنے پیروں پر چلنے کے قابل ہوگئی تھیں' اس نے امی کی نہایت خدمت کی تھی' اس کی خدمت گزاری' حیا' وفاداری' صبر اور شکر نے میرا دل موہ لیا تھا اور میں مان گیا تھا چہرے کا حسن محض عارضی ہوتا ہے' زندگی گزارنے کے لیے صرف حسین چہرہ ہونا کافی نہیں ہے۔

❀......❀......❀

چاند رات آن پہنچی تھی' رات گئے میرب شیر خورمہ بنا کر سب کے کپڑے استری کرکے تھکی ہاری کمرے میں داخل ہوئی۔ میں اس کے انتظار میں پہلی بار جاگ رہا تھا۔

''شیر خورمہ لاؤں تمہارے لیے؟'' میرب نے مجھے

جاگتے دیکھ کر پوچھا۔
"یہاں آؤ۔" میں نے اسے بلایا۔
"جی۔" وہ میرے پاس آ کے رک گئی۔
"بیٹھ جاؤ۔" میرے بدلے انداز نے اسے حیران کیا۔
"تم صبح سے کاموں میں لگی ہو تھک کے بیمار ہو جاؤ گی۔" میں نے نرمی سے کہا۔
"اتنے کام نہیں ہوتے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔
"تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔" میں نے کہا۔ اس نے خاموشی سے مجھے دیکھا۔
"تمہیں کون سا کلر پسند ہے؟" میرے سوال پر اس نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا' آدھی رات کو وہ شاید ان باتوں کی توقع نہ کر رہی تھی۔
"سبز اور گلابی۔" وہ سادگی سے بولی۔
"میں نے سب کے لیے تحائف لیے' تم نے مجھ سے پوچھا نہیں کہ میں نے تمہارے لیے کیوں نہیں کچھ خریدا؟" میں نے اس سے پوچھا۔
"مجھے پوچھنا چاہیے تھا؟" اس نے پُرشکوہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ میں شرمسار ہو گیا میں نے کون سے اسے حقوق دیئے تھے جس پر وہ مان کرتی مجھ سے گلہ کرتی۔
"میرب۔" میں نے دھیمے سے پکارا' اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کیسے معافی مانگوں مگر پھر میں نے ہمت کی۔
"میرب...... میں تم سے شرمندہ ہوں' مجھے معاف کر دو۔" میں بہت نادم اور شرمسار تھا' میرب نے چونک کر مجھے دیکھا۔
"میں غلط تھا' زارا کے حسن کو دیکھ کر وقتی کشش کو محبت سمجھ بیٹھا تھا۔ میں نے تمہارا دل دکھایا حالانکہ صرف تم میری محبت کی صحیح حق دار ہو۔ تم بہت اچھی اور مخلص ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں ساری زندگی تم سے محبت اور وفا کروں گا۔" میں نے صدق دل سے کہا۔ میرب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' میں اٹھا اور بیگ سے سبز اور سرخ رنگ کے دو سوٹ اور کانچ کی چوڑیاں نکالیں۔
"یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔" میں نے پیکٹ رکھے پھر اسے دکھانے لگا۔ "کیسے لگے؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔
"بہت خوب صورت۔" خوشی سے اس کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔
"کل عید ہے مگر میری عید جب ہو گی جب تم مجھ سے ملو گی۔" میں نے مصنوعی یاسیت سے کہا۔
میں نے اسے خود سے قریب کیا' فطری حیا کے باعث وہ گھبرا گئی۔ خوب صورت آنکھوں میں حیا کے رنگ بکھر گئے تھے' پلکیں جھک گئی تھیں۔ میں نے دلچسپی سے اس کے دلکش روپ کو دیکھا اور اپنے حصار میں لے لیا۔
"آئی لو یو اینڈ عید مبارک۔" میں نے محبت سے کہا۔
"آپ کو بھی عید مبارک۔" اس نے شرمیلے انداز میں کہا' میرا قہقہہ بے ساختہ تھا اس نے سر میرے کندھوں پر ٹکا دیا۔ میرے پورے وجود میں سرشاری کی کیفیت تھی۔
آنے والی ہر چاند رات اور عید میرب کے سنگ بے حد دلکش ہونی تھی۔ میں نے اطمینان سے آنکھیں موندیں اور میرب کی پیشانی پر نرمی سے بوسہ دیا۔

سنگ پیا عید

تمثیلہ زاہد

"شیراز......"

"جی اماں......" اس کی نظریں ٹی وی پر آنے والے خبرنامہ پر تھیں۔

"کچھ کہنا ہے بیٹا تم سے۔" وہ عاجزی سے بولیں۔

"جی امی جان آپ کہیے کیا بات ہے؟" اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کیا اور امی جان کے روبرو بیٹھ گیا۔

"شادی کب کرو گے؟" وہ کئی بار کا دہرایا جانے والا سوال آج پھر کر بیٹھیں۔ شیراز نے گہری سانس لی پھر لب بھینچ کر بیٹھ گیا۔ یہ وہ موضوع تھا جس پر اس کے لبوں پر قفل لگ جاتا تھا۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔" جواب نہ پا کر وہ پھر اس کے خاموش لبوں کو تکتے ہوئے بے بسی سے بولیں۔

"شیراز میرے مرنے سے پہلے شادی......" انہوں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

"پلیز امی آگے کچھ مت کہیں آپ جیسا مناسب سمجھتی ہیں ویسا کر لیجیے لیکن مجھے کچھ وقت دیں۔" وہ کہہ کر جا چکا تھا اور فضیلت بیگم اپنے اکلوتے خوبرو بیٹے کی پشت دیکھتی رہ گئیں ایک آہ ان کے لبوں سے سسکی بن کر نکلی یہ وہ شیراز تو نہ تھا' ایک چھوٹے سے حادثے نے شیراز کی زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا تھا۔ چند ماہ قبل ہنستا مسکراتا اس کا چنچل وجود اب تو جیسے کسی ویران کھنڈر کی مانند ہوگیا تھا' ماضی کی سرد ہواؤں نے انہیں لپیٹ لیا تھا۔

✿......✿......✿

فضیلت بیگم کی نند کی بیٹی کی شادی تھی وہ پنڈی میں رہتی تھیں سو دوسرے شہر جانے کی تیاریوں میں شادی کی خبر سنتے ہی مصروف گئیں۔

"پھوپو کی بیٹی کی شادی میں نہیں جاؤ گے تو سب کتنا برا مانیں گے۔" انہوں نے خفگی سے کہا۔

"آپ کو سب کی پڑی رہتی ہے میرا دل نہیں کر رہا اور پھر آفس کے سو کام ہیں یوں ایک ہفتہ کی چھٹی لینا ممکن نہیں۔" وہ اماں کے ساتھ پچھلے ایک گھنٹے سے بحث کر رہا تھا۔ وہ جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"پھر تم نہیں جا رہے......؟" وہ منہ پھلا کر اب خفا ہو کر بیٹھ گئیں۔ یوں ماں کا شیراز سے رخ پھیر لینا شیراز کے لیے شدید تکلیف کا باعث تھا۔

"پلیز امی آپ ناراض نہ ہوں۔" وہ تڑپ کر بولا۔

"میں ناراض ہوں۔" ان کے لہجے میں بھی ضد تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے چلتا ہوں۔" وہ ہار مانتے ہوئے بولا تو ایک مبہم سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر ٹھہر گئی وہ اسے زندگی کی طرف لانے کی سعی کر رہی تھیں۔

اپنی نند کی بیٹی کی شادی میں انہیں سدرہ بے حد پسند آئی۔ شیراز نے خاندان میں شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ فضیلت بیگم کی نند کی قریبی عزیز کی بیٹی تھی۔ شوخ و چنچل سی سدرہ پوری شادی میں بڑھ چڑھ کر ہر کام میں پیش پیش تھی۔ باتونی سی سدرہ میں انہیں اپنے ویران گھر کی بہار نظر آ رہی تھی۔ وہ شیراز کو پہلے ہی شادی کے لیے رضامند کر چکی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ شادی کے بعد سدرہ شیراز کے زخموں کا مداوا کر دے گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ذمہ داریوں کا بوجھ شیراز کے کندھوں پر پڑے گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ یہی سوچ کر شادی کے دوران ہی سدرہ کا رشتہ مانگنے اپنی نند کے ساتھ ان کے

گھر جا پہنچیں...... سدرہ کے گھر والوں کو فضیلت بیگم کا رکھ رکھاؤ بے حد بھایا۔ گھر میں صرف شیراز اور ان کی والدہ ہی رہتے تھے۔ کوئی لمبی چوڑی فیملی نہیں تھی۔ بظاہر اس رشتے میں انہیں کوئی خامی نظر نہ آئی۔ شیراز بھی ایک نہایت ہینڈسم نوجوان تھا۔ سدرہ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹی اور اکلوتی تھی۔ سارے بھائی شادی شدہ اور اکٹھے ایک گھر میں رہتے تھے۔ سدرہ کے گھر والوں نے جیسے ہی ہاں کی فضیلت بیگم نے کراچی واپس لوٹنے سے پہلے شیراز کے نام کی انگوٹھی سدرہ کے ہاتھ میں پہنادی۔ شادی تین ماہ بعد طے کی گئی اور وہ واپس کراچی آ گئیں۔ شیراز اس دوران اپنے لبوں پر قفل ڈالے ماں کی خوشی کی خاطر خاموش رہا اور جیسا جیسا ماں نے کہا وہ ویسا ہی کرتا گیا۔ وہ اپنی ماں کو زبان دے چکا تھا اور انہیں کسی صورت کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا' کراچی واپس آ کر وہ اپنی روٹین میں مصروف ہوگیا۔ دوسری طرف فضیلت بیگم کے خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔ وہ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئیں۔

✿......✿......✿
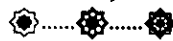
''چائے......'' اس نے چائے کا کپ شیراز کے آگے رکھتے ہوئے کہا پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سامنے کرسی پر اپنی چائے کی پیالی تھام کر بیٹھ گئی اور اخبار پڑھتے شیراز کا بغور جائزہ لینے لگی۔

''کیا بات ہے؟'' شیراز نے اخبار سے نگاہ ہٹا کر اسے یوں گھورتے دیکھ کر سرسری انداز میں پوچھا' پھر چائے کی پیالی لبوں سے لگا کر دوبارہ اخبار پر نظریں جمالیں۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے بے زاری سے کہہ کر نگاہ پھیر لی۔ وہ جانتا تھا اس کی بیزاری کی ساری وجوہات، لیکن اس بے زاری کو دور کرنا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔ بعض چیزیں انسان کی دسترس میں ہوتے ہوئے بھی اس سے بہت دور ہوتی ہیں۔ اس کے دل نے تلخی سے سوچا اور سامنے بیٹھے بے بس وجود پر ایک تیکھی نگاہ ڈال کر چائے کا گرم گھونٹ حلق میں انڈیلا۔

''کچھ تو ہے۔'' نگاہ چائے پیتے دوبارہ اٹھی۔

''کاش میں اخبار ہی ہوتی آپ کی توجہ کا مرکز تو بن جاتی۔'' وہ آہ بھرتے ہوئے بولی۔

جواب میں شیراز نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے کتنا اچھا لگتا تھا کاش وہ یہ بھی کہہ سکتی لیکن اسے یوں ہنستے دیکھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ شادی کے ان چھ ماہ میں وہ پہلی بار یوں کھلکھلا کر کسی بات پر ہنسا تھا ورنہ وہ جو ہنستے بستے بھرے پُرے گھر سے آئی تھی بھول ہی گئی تھی کہ قہقہے اس کی زندگی سے نکل چکے ہیں۔ ساس کا رویہ اس سے بہت اچھا تھا وہ ہر وقت اس کی دلجوئی کرتیں لیکن کہاں تک کرتیں وہ جس شخص کی بن کر آئی تھی اسے کام کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ چھٹی کا دن بھی شیراز کا ایک روٹین کی طرح گزرتا تھا۔ وہ کہیں آؤٹنگ پر بھی جاتے تو ان کے درمیان

خاموشی اور لاتعلقی کی ایسی فضا قائم رہتی کہ سدرہ کچھ بھی بولنے سے شدید گھبراتی کہ نہ جانے شیراز کا اس کی کہی بات پر کیا ردعمل ہو اپنی کہی بات پر شیراز کو آج یوں کھلکھلاتا دیکھ کر سدرہ بے حد مسرور ہوئی تھی۔

''لگتا ہے بارش کے آثار ہیں۔'' وہ کالے بادلوں کے جھرمٹ میں گھرے سورج کو دیکھ کر بولا جو نہ جانے کہاں چھپ گیا تھا آسمان پر بدلی چھائی ہوئی تھی۔

''آپ کو بارش کیسی لگتی ہے؟'' سدرہ نے اب دلچسپی سے پوچھا۔

''آپ کو کیسی لگتی ہے؟'' وہ الٹا اس سے سوال کر گیا۔ اخبار لپیٹ کر اس نے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔ سرخ لان کے پرنٹڈ سوٹ میں کھلی کھلی رنگت لیے سدرہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

''مجھے تو بارش بہت پسند ہے۔'' اس نے بہ مشکل نظریں جھکائے جواب دیا۔ شیراز کی مکمل توجہ اسے بوکھلا رہی تھی۔ کہاں تو موصوف دیکھتے تک نہیں اب کہاں آنکھیں پھاڑے گھور رہے تھے۔ ایک مبہم مسکراہٹ اب شیراز کے لبوں کے کنارے ٹھہر گئی تھی شاید وہ چہروں کو پڑھنے کے ہنر سے واقف تھا جو اس کی دلی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''آپ بھی ناں...... بالکل بچوں جیسی عادت ہے۔'' اس نے کہہ کر چائے کا خالی کپ رکھا پھر ہاتھ پشت پر باندھے لان عبور کر کے گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا' وہ سادہ انداز میں کہے اس جملے کی زد میں نہ جانے کتنی دیر بیٹھی رہی' اسے اپنی ہتک کا احساس شدت سے ہونے لگا دو آنسو خاموشی سے لڑھک کر اس کے کپڑوں میں جذب ہو گئے تھے۔

۞......۞......۞

اتنے مہینے ایک ساتھ رہنے کے باوجود وہ دونوں کتنے الگ اور اپنی ہی دنیا میں مگن رہتے تھے۔ فضیلت بیگم سب دیکھ رہی تھیں۔ جانتی تھیں لیکن وقت اور حالات کی نزاکت انہیں چپ رہنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ شیراز کا لیا دیا انداز ڈھکا چھپا نہ تھا۔ سدرہ کی پھیکی مسکراہٹ کے پیچھے کیسا طوفان دبا ہے وہ اچھی طرح جانتی تھیں' شیراز اول تو بولتا نہ تھا' جب سدرہ سے بات کرتا تو وہ اس کے لفظوں سے زخمی ہو کر کتنے کتنے دن بول ہی نہ پاتی تھی۔ اس کا دل و دماغ انتشار کی کیفیت میں رہتا تھا۔ وہ محبت سے سدرہ کو اپنے پاس بٹھاتیں اور اسے یہ سمجھانے کی کوشش کرتی کہ شیراز کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے۔ جب بچوں کی ذمہ داریاں اس پر پڑیں گی تو خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تو سدرہ میں بھی پہلے جیسی شوخی نہ رہی تھی وہ شیراز کے رنگ میں ڈھلتی جا رہی تھی۔

''سدرہ......''

''جی امی۔''

''اپنا خیال رکھا کرو بیٹا...... خوش رہا کرو...... اس وقت ان دونوں چیزوں کی تمہارے آنے والے کل کو ضرورت ہے۔'' وہ اس کی زرد رنگت کو دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔ وہ خود اپنا خیال نہیں رکھتی تھی۔ جو ملا کھا لیا' جیسا کہا کر لیا' فضیلت بیگم اس کی حالت دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھنے لگیں۔ وہ اسے دیکھ کر پھر بولیں۔

''بیٹا...... ایسا کرو کچھ وقت کے لیے امی کے ہاں چلی جاؤ اور تم کون سا کہیں آتی جاتی ہو' ابھی تو شروع شروع کی بات ہے سفر کر سکتی ہو' بعد میں تمہارا اس حالت میں سفر کرنا مشکل ہو جائے گا۔'' وہ اس کا بدلتا رنگ دیکھ کر مسکرا کر بولیں اور واقعی میکے جانے کا سن کر اس کا چہرہ دمکنے لگا تھا شادی کے ان آٹھ ماہ میں وہ ایک ہی بار چند دن کے لیے میکے گئی تھی۔ خود اس کا بھی سب سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے امی...... لیکن شیراز......'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''تم اس کی فکر نہ کرو......'' انہوں نے اس کا نازک ہاتھ پیار سے تھاما۔ سدرہ نے ساس کی محبت کو تشکر سے دیکھا اور پھر ہوا بھی یوں کہ جب اپنے مخصوص وقت پر
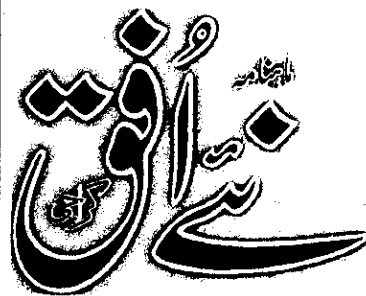
شیراز گھر لوٹے تو نہ انہوں نے سدرہ کی تمام حالت بتائی تھی۔ میکے جانے کے لیے جلد از جلد ٹکٹ کا بندوبست کردینے کی بھی ہدایت دی‘ وہ اپنے کمرے کے دروازے کی اوٹ میں لاؤنج میں موجود ماں بیٹے کی گفتگو سن رہی تھی۔ اندر ہی اندر وہ خوشی سے سرشار تھی۔ اس کا خیال تھا وہ شیراز سے دور ہو یا قریب اس کا رویہ ایک جیسا ہی رہتا تھا۔ اس کی ذات کے ہونے نہ ہونے سے بھلا شیراز کو کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ تو اس کی ربورٹ زدہ زندگی سے سخت عاجز آچکی تھی۔ شیراز اور اس کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق جو قائم تھا۔ وہ سمجھوتے کی سیڑھی پر قدم رکھے زندگی کے دن کاٹ رہی تھی اس امید پر کہ شاید زندگی کی رونقیں کبھی تو اس کے وجود پر دستک دیں گی۔ وہ شیراز کی زندگی میں ہلچل مچانے کی کئی ناکام کوششیں کرچکی تھی۔ اب اللہ ان کے درمیان ایک ننھے فرشتہ کا اضافہ کررہا تھا‘ وہ اس دی جانے والی نعمت پر بے انتہا خوش تھی۔ اس کی نامکمل زندگی مکمل ہونے جارہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند کرکے سدرہ نے مسکرا کر آئینہ دیکھا جس میں اس کا سراپا دلکش اور چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کھڑکی کے پاس آکر رک گئی اور آسمان پر چمکتے تاروں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ معاً کمرے میں بغیر قدموں کی چاپ کے کوئی داخل ہوا اسے تب خبر ہوئی جب اسے پکارا گیا۔

”تم جارہی ہو؟“

”جی......“ وہ اچانک آواز سن کر پلٹی اور حیرانی سے شیراز کا چہرہ تکنے لگی جس نے کبھی اسے تم کہہ کر مخاطب نہیں کیا تھا آج اچانک آپ سے تم تک کا سفر اور ایسا بے تکلف انداز اسے شیراز نے حیران کردیا تھا۔

”ٹھیک ہے میں کل ہی ٹکٹ کا بندوبست کردوں گا۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ گیا اور وہ بنا کچھ کہے کمرے سے باہر اس کے لیے کھانا لینے چلی گئی۔ اسے لگا شاید وہ اسے رکنے کا کہے گا لیکن ایسی کسی خواہش کا اظہار اس کا لہجہ

ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ سدرہ کو اب ان باتوں کی پروا نہ تھی اس نے اپنا سر جھٹکا ان لمحوں میں تو دل میکے کی دہلیز یاد کر کے جشن منا رہا تھا۔

❁......❁......❁

اسے ٹکٹ لانے کی زحمت کرنی ہی نہیں پڑی۔ سدرہ کا بڑا بھائی چند روز میں خود آ کر اسے لے گیا تھا۔ اس کی وہی روٹین تھی۔ آفس سے گھر اور گھر سے آفس...... وہ اپنی کھڑکی سے باہر برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ ایک بارش اس کے اندر بھی ہو رہی تھی۔ سدرہ کو گئے ایک ماہ ہو گیا تھا۔ وہ اسے ہر دوسرے دن فون ضرور کیا کرتا' اس کے اور سدرہ کے درمیان گفتگو خیریت تک ہی محدود رہتی تھی۔ کچھ لوگ غیر محسوس انداز میں اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ وہ بھی سدرہ کا عادی ہو گیا تھا۔ اس میں ایک اچھی بیویوں والی ساری خصوصیات موجود تھیں۔ اس کی شادی کو آٹھ ماہ سے زائد عرصہ ہو چکا تھا۔ اس دوران اس کا کھانا پینا' کپڑے غرض ہر ضرورت کا خیال سدرہ نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ اس کے آنے سے اس کی بے رونق زندگی رنگین ہو گئی تھی۔ ماضی کے اوراق وہ اب پلٹنا نہیں چاہتا تھا' یونیورسٹی کے دنوں میں وہ اپنی ساتھی دوست سحر کی سحر زدہ شخصیت کے زیر اثر بری طرح جکڑ گیا تھا۔ وہ تین سال ساتھ رہے' وہ اسے مہنگے سے مہنگے تحائف دیتا' دونوں اکثر باہر گھومتے پھرتے نظر آتے لیکن جب پڑھائی سے فارغ ہو کر اس کے ہاتھ ڈگری آئی اچھی جاب بھی مل گئی تو اپنی محبت کا اظہار ایک دن سحر کے سامنے سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر ڈوبتے سورج کے ہمراہ اس کے ساتھ شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سحر اس کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔ اس نے شادی کے لیے صاف انکار کر دیا' وہ اپنے کیریئر کی خاطر لندن جانے والی تھی۔ شیراز اس کا انکار سن کر پاگل ہو گیا' وہ اسے وہیں چھوڑ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر یہ کہہ کر چلی گئی کہ اب وہ اس سے ملنے کی کوشش ہرگز نہ کرے۔ شیراز کی دنیا اجڑ گئی تھی۔ وہ سحر سے جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا' اپنی ہی دنیا میں گم صم رہنے لگا۔ اسے لگتا تھا شاید لڑکیاں باوفا ہوتی ہی نہیں' اس کا صنف نازک پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔ فضیلت بیگم بیٹے کی حالت دیکھ کر اسے زندگی کی طرف واپس لانا چاہتی تھیں اسی لیے انہوں نے اپنی جہاندیدہ نظروں سے سدرہ جیسی صابر' ذہین اور خوب صورت لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔ انہیں یقین تھا ایک دن وہ اپنے بیٹے کو زندگی کی روشنیوں کی طرف لے آئیں گی۔ جو اندھیرا شیراز نے اپنے اردگرد کر رکھا تھا' اس سے باہر نکلنے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ شیراز کو سدرہ کا ساتھ ایسا راس آیا کہ اب اس کی غیر موجودگی اسے اس کی اہمیت کا احساس دلا رہی تھی۔ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھلی رہنے دی' بارش اب ہلکی ہلکی ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کچی مٹی کی خوشبو اسے اچھے لگ رہے تھے۔ وہ بیڈ پر آ کر نیم دراز ہوا اور اپنی آنکھیں موند لیں۔

❁......❁......❁

شادی سے پہلے اس کی ماں نے ایک دن اسے اپنے پاس بٹھایا اور بولیں۔

''دیکھو سدرہ' مرد سمندر کی طرح گہرا اور وسیع ہوتا ہے کبھی ان گہرائیوں میں اترنے کی کوشش مت کرنا ورنہ بھٹک جاؤ گی اور کنارا بھی نہیں ملے گا۔ عورت صحیح سمت پر سفر کرنے کی کوشش کرے تو ایک دن ضرور کنارہ پا لیتی ہے لیکن اس کے لیے بہت صبر اور برداشت چاہیے۔ آج کل کی لڑکیوں میں اسی برداشت کی کمی ہے وہ اپنا گھر جلد ہی محض جذباتی رویوں کو بنیاد بنا کر توڑ لیتی ہیں لیکن بیٹا' میں نے تمہاری تربیت ایسی ہرگز نہیں کی۔ مجھے شرمندہ نہ کرنا اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے آمین۔'' وہ اس دن اپنی ماں کے گلے لگ کر خوب روئی تھی۔ وہ اپنی ماں کی تربیت پر آنچ نہیں آنے دینا چاہتی تھی۔ چپ کو اپنا

ہتھیار بنالیا تھا۔
''کھانا لے آؤں......'' اس کی بھابی نے کمرے میں آ کر پوچھا تو وہ چونک کر پلٹی۔
''جی بھابی۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو وہ پلٹ کر کھانا لینے چلی گئیں اس کا بھاری ہوتا جسم' نقاہت اور بے زاری نے اسے اب کچھ دنوں سے کمرے میں ہی محدود کر رکھا تھا۔ وہ کھانا کمرے میں ہی کھانے لگی تھی۔ رمضان کے روزے بھی وہ رکھ رہی تھی۔ اب تو آخری عشرہ ہی باقی تھا۔ وہ اس بابرکت مہینے کے روزے گھر والوں کے بے حد اصرار کے باوجود چھوڑنے پر راضی نہ تھی۔ افطاری کے بعد سب کو ہی جلد کھانا کھا لینے کی عادت تھی۔ وہ کھانا کمرے میں لیکن سحری وافطاری سب کے ساتھ مل کر ہی کرتی تھی۔
اتنے میں کمرے کے دروازے پر ناک ہوا' وہ اپنے خیالوں سے پلٹی۔
''جی بھابی آ جائیں۔''
''اجازت ہے۔'' بھاری مانوس آواز پر وہ چونک کر پلٹی۔ سامنے شیراز کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہوا۔ اس طرح اچانک...... یوں سامنے۔
''آ...... پ...... آپ کو اجازت کی کیا ضرورت۔'' وہ اپنی حالت پر قابو پا کر لہجے میں خفگی سمو کر بولی۔ پچھلے کئی دنوں سے شیراز کا خیریت بھرا فون نہ آیا تھا۔
بلو جینز اور بلیک شرٹ میں ملبوس چھ فٹ قد' چمکتی گندمی رنگت پر روشن کالی آنکھوں سے شیراز نے سدرہ کو مکمل اپنے حصار میں لے لیا تھا' ایک مبہم سی مسکراہٹ ہونٹوں کے کنارے ٹھہری ہوئی تھی' وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پرفیوم کی مخصوص مہک نے اس کے نتھنوں کو چھوا' وہ کچھ جھجک کر پیچھے ہوئی تھی۔
''اب ضرورت ہے۔'' اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔
''آپ اچانک کیسے آ گئے؟'' وہ بہ مشکل بولی۔ اس کی قربت اتنے ماہ بعد اپنے قریب پا کر اسے بوکھلاہٹ ہو رہی تھی اور دوسری طرف شیراز اس سچویشن سے لطف اٹھا رہا تھا۔
''تمہاری یاد کھینچ لائی۔'' وہی معنی خیز انداز لیکن سامنے مکمل خاموشی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ شاید اسے وہ گزرے لمحے یاد آ رہے تھے جو شیراز کی خاموشی کے قفل کو توڑنے کی سعی میں گزرے تھے۔ اس کی زندگی کے وہ قیمتی لمحے جو ہر نو بیاہتا جوڑا ایک دوسرے کے سنگ گزارنا پسند کرتا ہے اس نے تو وہ لمحے انتظار میں گزارے تھے۔ وہ انہی محبت کے دو بولوں کو ترستی تھی جس سے سرشار آج شیراز نظر آ رہا تھا' کیا یہ قدرت کا انعام ہے۔
''چلو آؤ باہر چلتے ہیں۔'' شیراز نے اس کا ہاتھ تھاما۔ وہ عجیب شاک کی کیفیت میں اس کے بدلے رویوں کو دیکھ رہی تھی۔ یہ خواب تھا یا حقیقت۔
''مگر کیوں......؟'' اس کے منہ سے پھسلا۔
''عید کا تحفہ نہیں لینا...... یہ ہماری پہلی عید ہے۔'' وہ اس کے ہاتھوں کو یونہی تھامے بولا جو برف کی طرح سرد ہو رہے تھے اور پسینے سے تر۔
وہ حیرت زدہ اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں اظہار تشکر کی نمی تیرنے لگی۔ شیراز نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔
''لمبی چوڑی شاپنگ کروں گی عید کی۔'' اس نے مسکرا کر دھمکایا تو شیراز کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔ دونوں ایک دوسرے کے ہمراہ ایک نئے سفر پر گامزن تھے۔ پیاسنگ یہ عید اب اس کے لیے خاص الخاص بن گئی تھی۔

تم ہو تو عید کرے ہیں

حمیرا شاہین

سنڈے کا دن تھا وہ لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز ادھ کھلے بالوں کو کیچر میں جکڑے معروف کوکنگ چینل پر شو دیکھنے میں مصروف تھی۔ ایک دو دن میں رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا تھا' اس کی عادت تھی کہ وہ رمضان میں سحر و افطار میں نت نئی ڈشیں تیار کرتی اور گھر والوں کی داد سمیٹتی۔ اس کی شادی کو بمشکل چار مہینے ہوئے تھے' سسرال میں اس کا پہلا رمضان تھا' سو وہ بہت پُرجوش تھی' سماعتیں پوری طرح نشریات کی طرف متوجہ تھیں' تبھی بلیو جینز پر لائٹ گرین شرٹ پہنے نکھرا نکھرا فریش سا اذلان لاؤنج میں داخل ہوا اور اس کے برابر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''باقی گھر والے کہاں ہیں؟'' اس نے بیٹھتے ہی استفسار کیا۔

''امی اور ابو نازیہ پھوپو کی طرف میلاد پر گئے ہیں اور تیمور ابھی کچھ دیر پہلے دوست کی طرف گیا ہے۔''

''آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔'' وہ ریموٹ سائیڈ پر رکھ کر اٹھتے ہوئے بولی مگر اذلان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے سے روک لیا۔

''آج ناشتہ میں بناؤں گا۔''

''آپ......؟'' حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دباتے اس کی حیرت کو انجوائے کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گیا۔

''جی بالکل......'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی شرٹ کی آستینیں موڑتا ہوا کچن میں چلا گیا' تب وہ بھی اپنا سکتہ توڑ کے دوبارہ سے ٹیلی ویژن کی طرف متوجہ ہوگئی' ایک گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد جب وہ ٹرے اٹھائے کچن سے برآمد ہوا تو کھانے کی اشتہاء انگیز خوشبو نے اس کی بھوک جگادی۔ اذلان نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھی تو مشعال نے قدرے ایکسائیٹڈ سی ہوکر جھک کر ٹرے پر ایک نظر ڈالی تو عجیب و غریب سی ڈش دیکھ کر بھوک خود ہی ختم ہونے لگی۔

شیشے کے نفیس باؤل میں زردی سی گاڑھی گاڑھی کوئی چیز تھی جس پر شاید ریڈ کلر میں جیلی کاٹ کر ڈالی گئی تھی۔ دوسری پلیٹ میں ڈونٹس ٹائپ کی کوئی چیز تھی جس کا رنگ سیاہی مائل دکھ رہا تھا جو شاید اس میں ڈالے گئے کسی خاص اجزا کی وجہ سے تھا۔

''یہ کیا عجیب سا بنا لائے ہیں۔'' وہ بدمزہ ہوکر پیچھے ہوئی۔

''میری پیاری بیگم عجیب نہیں...... خاص کہو خاص...... یہ جاپان کی بہت خاص اور روایتی ڈش ہے جو میں نے یوکے میں اپنے جاپانی دوست سے سیکھی تھی۔ تم ان کی شکل پر نہ جاؤ بلکہ ٹیسٹ کرکے دیکھو...... یہ 'کابوچا پورن' ہے۔'' وہ زردی گاڑھی ڈش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''تم اسے پڈنگ سمجھ لو یہ حلوہ کدو سے بنائی جاتی ہے اور یہ 'ساتا آنداگی' ہے تم کھا کر دیکھو مجھے یقین ہے تم نے اس سے مزیدار ڈونٹس زندگی بھر نہیں کھائے ہوں گے۔'' اذلان کی اتنی مدح سرائی پر اس نے ایک ڈونٹ چکھ کر دیکھا' شکل سے قطع نظر وہ واقعی بہت مزیدار تھا' مگر پڈنگ کھاتے ہی اس کے منہ کے زاویے بگڑ گئے۔

عجیب سا ذائقہ تھا پتہ نہیں کس بدتمیز نے اسے پڈنگ جیسا شائستہ نام دیا تھا۔ وہ بس تین ڈونٹس ہی کھا سکی' اس کی نسبت اذلان پوری طرح سے ناشتے سے انصاف کرنے میں مصروف تھا اور ساتھ ساتھ اپنے بنائے کابوچا پورن کی تعریفوں میں پل باندھ رہا تھا'

مشعال دل ہی دل میں اس جاپانی کو کوس رہی تھی۔

ازلان کے بنائے ناشتے کو ذہن پر سوار کیے جب وہ برتن رکھنے کچن میں آئی تو کچن کی ابتر حالت دیکھ کر سر چکرا کر رہ گیا' وہاں ہر طرف ابتری کا منظر تھا' اس پر مستزاد کام والی بھی چھٹی پر تھی وہ نئے سرے سے جاپانیوں کو کوستی صفائی میں مصروف ہوگئی۔

۞......۞......۞
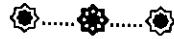
مرحبا صد مرحبا پھر آمد رمضان ہے
کھل اٹھے مرجھائے دل تازہ ہوا ایمان ہے
ہم گناہ گاروں پر یہ کتنا بڑا احسان ہے
یا خدا تو نے عطا پھر کردیا رمضان ہے

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوچکا تھا۔ سب کی کوشش تھی کہ زیادہ سے زیادہ اس ماہ مبارک کی رحمتوں سے فیض یاب ہوا جائے۔ یوں لگتا تھا ہر طرف پاکیزگی چھاگئی ہو۔ مشعال نے پورے گھر کی تفصیلی صفائی رضیہ بوا کے ساتھ مل کر کرلی تھی تاکہ رمضان میں زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزار کر رب دوجہاں کی خوشنودی حاصل کی جاسکے۔ اس نے کچن میں فریج پر چارٹ پر لکھ کر صبح شام کے وظائف چسپاں کردیئے تھے تاکہ کام کرتے وقت ان سے فیض یاب ہوا جاسکے۔

سب گھر والے سحری کے بعد فجر پڑھ کر کچھ دیر کے لیے آرام کرتے تھے۔ مشعال ازلان کے آفس جانے کے بعد بوا کے ساتھ صفائی کرواتی اور پھر قرآن پاک کی تلاوت کرتی۔ عصر پڑھنے کے بعد وہ کچن میں امی کے ساتھ مل کر افطاری بناتی۔ ازلان کو افطاری میں پکوڑے بہت پسند تھے جو وہ بڑے اہتمام سے خود بناتی اور روز نت نئی اقسام ٹرائی کرتی' اس سب کے باوجود دسترخوان پر کھانوں کی بھرمار کے بجائے سادگی نمایاں نظر آتی۔ سادہ کھانا کھایا جاتا تاکہ عبادت میں وقت نہ ہو۔

روزے اسی خشوع وخضوع کے ساتھ گزر رہے تھے جب اچانک امی ابو اور تیمور (دیور) نے عمرے پر جانے کے لیے رخت سفر باندھا' جانا تو ازلان اور مشعال نے بھی تھا مگر ازلان کے آفس میں کچھ ضروری میٹنگز تھیں' سو ان دونوں نے عید کے بعد جانا تھا۔ جاتے ہوئے مشعال کی ساس نے پُرشفقت انداز میں اس کا ماتھا چومتے ہوئے گھر کی ذمہ داری کا سارا انتظام مشعال کے حوالے کردیا۔

۞......۞......۞

ازلان مسجد سے تراویح پڑھ کر آیا تو مشعال بھی نماز سے فارغ ہوکر جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگنے میں مشغول تھی۔

لائٹ پنک کلر کے دوپٹے کے ہالے میں اس کا

معصوم چہرہ اور بھی پاکیزہ لگ رہا تھا۔ وہ کچھ لمحے تک اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا پایا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ پاک کا شکر ادا کرتے بیڈ پر لیٹ گیا' جس نے اتنی اچھی شریک حیات سے نوازا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے اپنے ماں باپ کے فیصلے پر فخر ہوتا تھا کیوں کہ مشعال نے واقعی اس گھر کو جنت بنا دیا تھا۔ تبھی وہ جائے نماز تہہ کرتی اس کے پاس چلی آئی۔

''دودھ لاؤں آپ کے لیے؟'' اپنے موبائل پر الارم چیک کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''نہیں یار...... موڈ نہیں ہو رہا۔ تم سو جاؤ صبح جلدی اٹھنا ہے۔''

''اٹھ جاؤ گی ناں......؟'' کسی خدشے کے پیش نظر ازلان نے ایک بار پھر پوچھنا مناسب سمجھا' کیوں کہ وہ جانتا تھا صبح کتنے جان جوکھم سے وہ اسے سحری کے لیے اٹھاتا تھا۔

کچھ ایسے ہی خدشوں کا شکار وہ بھی تھی کیوں کہ رمضان کی یہ پہلی باقاعدہ مکمل سحری تھی جو اس نے خود بنائی تھی۔

''اٹھ جاؤں گی لیکن احتیاطاً آپ بھی اپنے فون پر الارم لگا لیں۔'' اس کی بات پر ازلان کا قہقہہ بے ساختہ تھا' وہ خفگی سے انہیں گھورتے ہوئے سونے کے لیے لیٹ گئی' مگر اسی ٹینشن میں سو نا سکی کہ کہیں وہ سوتی نا رہ جائے اور سحری کا ٹائم نا نکل جائے۔ پوری رات اسی طرح کروٹیں بدلتے گزر گئی اور جب رات کے آخری پہر ذرا سی آنکھ لگی تو الارم بج اٹھا' وہ ہڑبڑا کر اٹھی' دوپٹہ شانوں پر ڈالا اور چپل پیروں میں اڑستے ہوئے باہر چلی گئی مگر برا ہو نیند کا جس کی بدولت پیر رکھتی کہیں تھی اور پڑتے کہیں تھے۔

ازلان کی آنکھ بھی الارم کی آواز سے کھل چکی تھی' وہ بھی کچھ دیر لیٹنے کے بعد کچن میں چلا آیا۔ جہاں وہ اپنی بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ آٹے سے نبرد آزما تھی' اس کی حالت دیکھ کر ازلان نے بڑی دقتوں سے اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا۔

''مشعال تم ایسا کرو پراٹھے پکالو میں تب تک آملیٹ بنا لیتا ہوں۔'' کیبنٹ سے فرائنگ پین اٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔ پیاز ہری مرچ وغیرہ وہ پہلے ہی کاٹ کر رکھ چکی تھی۔

''نہیں......'' وہ بوکھلائی اور ازلان کے ہاتھ سے فرائنگ پین لینے کے لیے جلدی سے آگے بڑھی مگر اس نے روک دیا۔

''کچھ نہیں ہوتا یار...... تمہارا ذرا سا ہاتھ بٹانے میں میری شان میں کون سی کمی آجائے گی' تم بس جلدی سے پراٹھے پکاؤ ٹائم کم رہ گیا ہے۔'' وقت کی کمی کا احساس دلانے پر وہ بھی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔

بڑی مہارت سے آملیٹ بنانے کے بعد وہ بلینڈر میں ملک شیک بنانے کے لیے دودھ ڈالنے لگا۔ کیوں کہ مشعال سحری میں ملک شیک ضرور لیتی تھی۔ تب تک مشعال نے برتن لگا دیئے' پھر دونوں نے مل کر سحری کی۔

''آپ بہت اچھے ہیں...... اوروں سے بہت جدا اور منفرد۔'' وہ نماز کے لیے نکل رہا تھا جب مشعال نے روک کر دھیمے سے کہا کیوں کہ اسے شدت سے احساس تھا کہ اگر ازلان مدد نا کرتا تو وہ کبھی بھی ٹائم پر سحری نا بنا پاتی۔

''اچھا......'' وہ دلکشی سے ہنس دیا۔ ''تم خود اچھی ہو اس لیے تمہیں ایسے لگتا ہے' اب جلدی سے نماز پڑھ لو ٹائم نکل رہا ہے۔'' وہ اس کے گال کو نرمی سے چھوتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

❁......❁......❁

آج اٹھارواں روزہ تھا۔

مشعال کچن میں کھڑی بوا سے برتن دھلوا رہی تھی جب اچانک برتن سنک میں رکھ کر مڑتے ہوئے وہ مشعال سے ٹکرائی' مشعال نے ایک جھٹکے سے اسے پیچھے کیا۔

''نہاتی نہیں ہو کیا؟'' وہ ازحد ناگواری سے بولی۔ شرمندگی کے مارے بوا کا رنگ سرخ ہوگیا۔

''بی بی جی گرمی بہت ہے تو پسینہ......'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی تیزی سے کاٹ دی۔

''بس کرو...... بہانے بہت ہوتے ہیں تم جیسے لوگوں کے پاس...... پتہ نہیں کیوں اتنا غلیظ حلیہ بنائے رکھتی ہو۔'' مشعال نے بہت حقارت سے اس کی غربت پر طنز کیا۔

کچن کے دروازے میں کھڑا ازلان مشعال کا یہ روپ دیکھ کر شاک رہ گیا۔ بوا کی بوڑھی آنکھوں میں اہانت کے شدید احساس سے در آنے والی نمی بھی اس کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی' تبھی وہ بولا تو لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ ایک نامعلوم سی سرد مہری بھی تھی۔

''مشعال کمرے میں آؤ۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں وہیں سے پلٹ گیا۔ مشعال کو بھی اپنا لیکچر بند کر کے پیچھے جانا پڑا ورنہ پتہ نہیں اور کتنی دیر بیچاری بوا یونہی ذلیل ہوتیں۔

''آج آپ آفس سے جلدی آگئے خیریت؟'' باہر والی تلخی کا لہجے میں شائبہ تک نہ تھا بلکہ اس کی نسبت خوشگوار سی حیرت تھی۔

''یہ تم بوا سے کس لہجے میں بات کر رہی تھیں۔'' وہ سرد مہری سے گویا ہوا' اپنا سوال نظر انداز ہونے پر مشعال جی بھر کے بدمزہ ہوئی۔

''اب آپ مت شروع ہو جایئے گا اس کی سائیڈ لینے' میں پہلے ہی کافی بیزار ہو چکی ہوں۔'' وہ بدمزگی سے بولی۔

نادان لڑکیاں

کس قدر نادان ہوتی ہیں لڑکیاں
بھنورا صفت مردوں کے
لبوں سے ادا ہونے والے
چند میٹھے بولوں کے عوض
لبوں پر کھلنے والی ہنسی
کے گھنگھرو
شفاف آنکھوں میں
تیرنے والے کنول
دل میں مچلنے والے ارماں
تمام مہکتی شامیں
تمام آسودہ خواہشیں
انکے نام کر دیتی ہے
بدلے میں عمر بھر کے
عذاب خرید
لیتی ہیں

شہلا گل...... سحر صالح

سنگ دل

سنو اے سنگ دل
میرے دل کی گلیاں ویران ہیں
گھٹن بہت یہاں میں
نہ جھونکا ہے کوئی نہ نرم ہوا
ہر سوں اندھیرا ہے گہرا
اور اک جامد سی خاموشی
تمہارے قدم اس جمود میں ہلچل مچا دیتے ہیں
اور میرے دل میں ایک میلہ سا لگ جاتا ہے
جانتے ہو کیسا میلہ؟
تمہارے سنگ خوشیوں کا میلہ
سنو اے سنگ دل
میرے دل کی گلیاں ویران ہیں
اور اب تیرا انتظار ہے

عائشہ مغل...... ایبٹ آباد

''مشعال تمیز سے بات کرو وہ تمہاری امی کی عمر کی ہیں۔'' اس کے اس طرح کہنے پر اذلان نے اسے ٹوکا حالانکہ غصہ تو بہت آیا' مگر اشتعال کو دبا کر نرمی سے بولا۔

''بس کریں آپ...... مجھے نہیں آتا ایسے لوگوں سے تمیز سے بات کرنا...... میلے کچیلے کپڑوں والے غریب لوگ...... ہنہہ۔'' وہ سر جھٹک کر ہٹ دھرمی سے بولی۔

''مشعال......'' مارے صدمے کے اس کی آواز نہیں نکل سکی۔ مشعال کے بارے میں اس کا تراشا گیا آئیڈیل کا بت ایک جھٹکے سے زمین بوس ہو گیا تھا۔

شادی کے بعد جب وہ گھومنے پھرنے کے لیے شمالی علاقہ جات گئے تھے وہاں پر بھی مشعال نے ایک مانگنے والی بچی کو بے نقط سنائی تھیں' اذلان نے اس کے رویے کو اس کی خرابی طبیعت سے محمول کیا تھا جو آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے اس کی صحت میں در آئی تھی مگر آج رضیہ بوا سے اس کا برتاؤ دیکھ کر وہ واقعی سر تھام کے رہ گیا تھا۔ اتنی سطحی سوچ...... اف میرے اللہ۔

''تم ایسے کیسے سوچ سکتی ہو...... وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' ہمارے جیسے جیتے جاگتے انسان' عزت نفس رکھتے ہیں وہ لوگ بھی جنہیں تم بری طرح ہرٹ کرتی ہو۔'' اب کے وہ اپنا غصہ نہیں دبا پایا۔

''مجھے بہت زیادہ افسوس ہوا تمہاری اس سوچ پر' یہ تمہاری ساری عبادت کس لیے ہے اللہ پاک کے لیے...... جس کی مخلوق کو تم انسان ہی نہیں سمجھتیں' تم کیسے سوچ سکتی ہو کہ یہ عبادت بارگاہ الٰہی میں قبول ہوگی۔ جب کہ تم حقوق العباد کو پورا کرنے میں ناکام ٹھہری ہو۔'' وہ اسے آئینہ دکھا رہا تھا اور وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ اسے سن رہی تھی۔ کوئی آئینے میں آپ کو آپ کا مکروہ چہرہ دکھائے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے مشعال کو آج پتہ چلا تھا۔

''تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم اپنی تسکین کے لیے کسی کو تماشا بناؤ یا اس کی دل آزاری کرو' ابھی بھی وقت ہے اس مبارک مہینے میں اپنی غلطیوں کی اصلاح کرلو...... مشعال اپنی خود پسندی سے باہر نکل آؤ' اس سے پہلے کہ پچھتاوؤں کے سوا کچھ نہ بچے۔'' وہ تلخی سے کہتا باہر چلا گیا۔ وہ کتنی دیر ساکت کھڑی رہی' پھر بے جان قدموں سے چلتی بیڈ پر آ گری۔ جب وہ شام کو باہر نکلی تو آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں' چہرے کا گلابی پن ماند پڑ چکا تھا اس نے سب سے پہلے بوا سے معافی مانگی۔ واقعی جب تک بندہ اپنا حق نہیں معاف کرے گا تو اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔ وہ کمرے میں تنہا بیٹھی خود احتسابی کے مرحلے سے گزر رہی تھی' تبھی ملازم نے اسے پیغام دیا کہ صاحب ایک ہفتے کے لیے آفس کے کام سے باہر چلے گئے ہیں اور آپ کے لیے کہا ہے کہ اپنی امی کے گھر چلی جائیں۔

❁......❁......❁

عجیب سے یاسیت بھرے دن گزر رہے تھے۔ وہ جب نماز کے لیے جھکتی تو لگتا قبول نہیں ہوگی' دل کا بوجھ تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ جو ایک ہفتے کا کہہ کر گیا تھا ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ نا ہی کوئی رابطہ کیا تھا۔

بالکل بے مہر بن گیا تھا۔ ان گنت سوچیں دماغ میں آتیں اور پریشان کرتیں نا کسی کام میں دل لگتا' بس ہر وقت اپنی سوچوں میں الجھی رہتی۔ کبھی کبھی مضطرب خیالات اسے پریشان کرتے کہ اگر وہ نا آئے تو......؟

انہی پریشان سوچوں سے الجھتے چاند رات آن پہنچی' جب ندا نے اسے مہندی لگانی چاہی تو اس نے انکار کر دیا مگر مما جانی نے زبردستی لگوا دی۔ سب لوگ ایک دوسرے کو چاند کی مبارک باد دے رہے تھے وہ مضمحل سی کمرے سے نکل کر ٹیرس پر چلی آئی۔ گرل

سے سر لگائے نیچے گلی میں چاند رات کی رونق دیکھنے لگی' وہ نہیں تھا تو جیسے ہر چیز ویران لگ رہی تھی۔ وہ دلگرفتی سے ہاتھوں پر لگی خشک مہندی جھاڑنے لگی' جب ایک مانوس پرفیوم کی خوشبو نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

وہ ایک جھٹکے سے مڑی۔ وہ بالکل اس کے سامنے ہی تو کھڑا تھا' لائٹ گرے کرتے میں ملبوس اپنی چمکتی مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہوا۔

مشعال کی آنکھیں اچانک ہی نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔ وہ ابھی تک بے یقین تھی کہ وہ آ گیا ہے۔ ازلان اس کے بالکل سامنے آن کھڑا ہوا...... اتنا قریب کہ وہ اس کی دل کی دھڑکنوں تک کو محسوس کر سکتی تھی۔

"کیا تمہیں نہیں لگتا تھا کہ میں آؤں گا؟" وہ اس کی بے یقینی کو محسوس کرتے ہوئے دھیرے سے بولا تو وہ رخ موڑ گئی۔

ازلان نے نرمی سے اس کو کاندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا اور اپنی انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ اشک آنکھوں کی جھیل کو پار کرنے کے لیے بے تاب ہونے لگے۔

"مجھے معاف کر دیں۔" وہ بھیگی آواز میں بولی' لہجہ ٹوٹا ہوا اور چہرے پر ندامت کے گہرے رنگ تھے۔

"مجھے ڈر تھا آپ اب نہیں آئیں گے۔"

"ارے پگلی...... کیسے نا آتا۔ تم میری شریک حیات ہو' تمہیں کیسے چھوڑ دیتا' ہاں تب مجھے واقعی بہت غصہ آیا تھا تم غلط تھیں' تمہاری اصلاح کرنا میرا فرض تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہیں احساس ہو گیا' چلو اب رونا بند کرو۔" وہ پیار سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

"یار اتنے دنوں بعد آیا ہوں اور تم یہ روتی بسورتی شکل لیے کھڑی ہو پیارے شوہر کا کچھ تو خیال کرو۔" اس کی بات پر وہ ہلکے سے ہنس دی۔

"مجھے پتہ ہے تم نے عید کی شاپنگ بھی نہیں کی ہوگی چلو سب سے مل کر مارکیٹ چلتے ہیں۔" وہ اسے لیے نیچے آ گیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر پہلے میری عیدی۔" اس نے اپنی مہندی سے سجی خوب صورت ہتھیلی ازلان کے سامنے پھیلائی۔

"میں آ گیا یہ کافی نہیں۔" وہ مصنوعی رعب سے بولا۔

"کوئی اداکاری نہیں چلے گی' مجھے عیدی چاہیے۔" وہ شوخ لہجے میں بولی تو ازلان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پھر سب کے سامنے دے دوں عیدی؟" وہ ذرا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے شرارتی مگر ذو معنی لہجے میں بولا۔ اس کی بات پر مشعال کے چہرے پر گلال بکھر گیا تو اس نے گھبرا کر جلدی سے ہاتھ چھڑا لیا اور نیچے بھاگ گئی۔ اس کی گھبراہٹ پر ازلان کا قہقہہ بے ساختہ تھا' مشعال بھی مسکرا دی۔

کچھ دیر بعد جب وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تو ہر شے خوش کن اور حسین ہو گئی تھی۔ کیوں کہ اس کا ہمسفر اور رہبر اس کے ساتھ تھا۔ مشعال نے اس پل ہزاروں عیدیں ازلان کے سنگ گزارنے کی دعا کی اور اپنا سر ازلان کے شانے سے ٹکا کر مسکرا دی۔

کاسۂ گدائی

خدیجہ جلال

وہ ہوش سنبھالتے ہی یہ سن رہی تھی کہ اس کے والد محترم بار ایٹ لا کرنے گوروں کے دیس گئے اور وہاں سے ڈگری اور گوری ساتھ چار سالوں بعد لوٹے تھے۔

روایتی گھرانے میں قسمتوں کے فیصلے ہوش سنبھالنے سے پہلے کردیے جاتے ہیں اور وہ اپنی پھوپو کی بیٹی جو میڈیکل کی طالبہ تھی ان سے منسوب تھے' مگر دل سے بڑوں کے فیصلے کے آگے سر نہ جھکایا اور اپنی من مانی کی۔ یہ دل کے فیصلے سود وزیاں سے بے نیاز کچھ ایسے ہوتے ہیں جو روایات اور بزرگوں کے کیے گئے فیصلوں سے بغاوت پر اکساتے اور آگ کے سمندر میں کود جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ہر آگ گلزار نہیں بنتی بلکہ کبھی نسلوں کو بھسم کردیتی ہے۔

دینا دور دیس سے بیاہ کر آئیں کچھ عرصہ یہاں رہیں اور پھر قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرنے کے بجائے قسمت کو مرضی سے بدلنے کا اختیار مانگنے لگیں کہ آزاد خیال اور روشن حسین زندگی ایک بار ملی ہے اور اسے مرضی سے جینے کا حق دوسروں کو نہیں دیا جاسکتا۔

مشرقی معاشرے میں کبھی اولاد پاؤں کی زنجیر بنتی ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ وہ چھوٹی عید کا دن تھا۔ خاندان کے سب دادی اماں کے پاس جمع تھے کہ بہن بھائی بچے سب عید کا پہلا دن بڑے تہوار کے طور پر ساتھ مناتے اور پھر دوسرا دن اپنے اپنے گھروں' سسرال یا من پسند جگہ پر منایا جاتا۔ اس کے دماغ کے نہاں خانے میں دھندلی سی تصویر ہمیشہ رہی کہ ماما کی انگریزی میں باپ کے ساتھ لڑائی ہوئی' خاندان کے سب لوگ اکٹھے تھے' مشرقی مرد کب گوارا کرتا ہے کہ ملک کے مشہور بیرسٹر کی یہ اوقات کہ بیوی اسے کھری کھری سنائے اور جوش نے ہوش کی جگہ لی اور مرد کو فیصلے کا جو اختیار ہے' تین لفظ کی مار پر رشتہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا اور دینا عالمگیر ایک بار پھر دینا یوسف بن کر اپنے وطن سدھار گئی اور معصوم مریم دادی حضور کے سایۂ شفقت میں آگئیں۔ ماں کے ہوتے ہوئے بھی دادی سب بچوں سے زیادہ اس پر شفقت و توجہ کرتیں' اسے چھ کلمے نماز اور نورانی قاعدہ سب خود پڑھایا اور زندگی گزارنے کے رموز اس کے گوش گزار تیں اور ناسمجھی میں بہت سی باتیں جو اس کی سمجھ میں نہ آتیں اور اب یہ باتیں وقت کے ساتھ ساتھ لاشعور سے شعور میں آتی گئیں۔

دادی اماں کا خیال تھا فرنگن ماں بیٹی کی تربیت اسلام کے مطابق کیسے کرسکتی ہے۔ شاید بھول گئی تھیں کہ اب نام نہاد مسلمان مائیں بھی بچوں کی تربیت سے غافل ہوگئی ہیں۔ انہیں مغرب کی تقلید نے ان کے رتبے سے گرادیا اور ناسمجھی میں وہ مقام کھو کر پچھتاتی بھی نہیں۔ دادی اماں کی شفقت توجہ اور رہنمائی نے اسے انتہائی خود اعتماد بنادیا۔ ذہانت میں تو پہلے بھی کسی سے کم نہ تھی مگر اب دن بدن مزید نکھرتی چلی گئی۔

دادی اماں چار بیٹوں اور دو بیٹیوں کی کامیاب تربیت کرکے خاندان بھر میں مشہور تھیں۔ اب زندگی کا نچوڑ اور حاصل اس پر نچھاور کردیا۔

ابا حضور نے ڈاکٹر ذکا سے ٹوٹا رشتہ جوڑنے کی کوشش کی مگر وہ جو بچپن سے ایک نام کو سنتی آئی تھی' تصور میں جس کا ہیولا بسایا تھا' وہ جب بھری جوانی میں یادوں کا گلدستہ تھما کر دیار غیر گیا اور پھر لوٹا تو گوری نے اس کے دل کو مسخ کردیا تھا۔ وہ اندر سے ٹوٹی مگر اس نے زخم پر صبر کا پھایا رکھا اور پھر کبھی ہاں نہ کی۔ ٹھکرائے جانے کا اپنا دکھ ہوتا ہے اور پھر صوفیہ نئی ممی آگئیں اور اس نے کبھی ان سے کوئی واسطہ نہ رکھا کہ ان کے پاس اس کے لیے جگہ نہ تھی۔ یہ سگے اور سوتیلے رشتوں کا نیا دکھ ہوتا ہے جو زہر کی طرح رگوں میں گھلتا ہے۔

دادی اماں کی توجہ اس پر اور زیادہ ہوگئی وہ کانونٹ میں داخل ہوئی انگریزی تو اس کی مادری زبان تھی اور اردو تو اس کی قومی زبان تھی دادی اماں نے اسے قرآت' نعت خوانی سکھائی اور اس نے تقریری مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اولیول کیا اور میڈیکل کالج میں چلی گئی۔ اس کے تایا کے بیٹے جو ایف سے جے میں میڈیکل کے فائنل میں تھے حیدر عثمان کی دلی خواہش پر اس کی منگنی کردی گئی۔ ابھی وہ میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی کہ میڈیسن میں اعلیٰ تعلیم کے لیے حیدر کو باہر کا اسکالرشپ مل گیا۔ دادی اماں کی دلی خواہش تھی کہ باہر جانے سے پہلے دونوں کی شادی کردی جائے۔ پڑھائی جائے بھاڑ میں پہلے بھی تو بیٹے کو اس طرح بھیجا تھا اور پھر نند کے دل میں بھابی کے خلاف میل تھا کہ انہوں نے بہو بیٹے کی خواہش کو تسلیم کیوں کیا اور بہو کو قبول کیوں کیا اور جب وہ رشتہ ٹوٹا تو

دوبارہ جڑ نہ سکا۔ مگر مریم اور حیدر دونوں کی خواہش تھی کہ تعلیم کے سلسلے کو نہ توڑا جائے زندگی بار بار موقعہ نہیں دیتی۔ نصیب کا لکھا ال کر رہتا ہے اور اس سے فرار ممکن نہیں۔

حیدر چلا گیا اور وہ اپنی پڑھائی میں مگن تھی ہاؤس جاب کیا۔ اسپیشلائزیشن کی اور وہ جو برسوں پہلے ایک ڈائمنڈ کی رنگ دے کر اسے اپنے نام کر گیا تھا' شروع میں جذباتی فون آتے' پیغام آتے اور تعلیم کی تکمیل ہوئی اور اس نے کہا کہ یہاں کے اسپتال میں کچھ عرصہ تجربہ کروں گا جو مستقبل میں رہنمائی فراہم کرے گا۔

وہ شدتیں اور حدتیں قرار میں آ گئیں۔ وہ اس کے انتظار میں سراپا انتظار تھی وہ چھٹیوں میں آتا' ہوا کے گھوڑے پر سوار' کتنے وسوسوں نے اسے دہلایا' مگر اسے اپنے جذبے کی سچائی پر یقین تھا۔

''میں کیسے مان جاؤں کہ جس کے لیے میں دیوانی ہوں' وہ میری محبت سے نا آشنا ہوں گے۔''

جذبوں کی سچائی پر ایمان تھا اور اگر آنٹی کی طرح اسے کوئی فیصلہ کرنا پڑا تو کیا کرے گی۔ آج چاند رات ہے۔ سب مگن ہیں۔ وہ دن بیت گئے جب چھتوں پر کھڑے چاند کے نکلنے کا انتظار ہوتا' کبھی آسمان پر چمکتا چاند دوربین کی نگاہ میں آ جاتا اور کبھی کوئی چاند چہرہ ایسا دیدار کراتا کہ پھر ساری زندگی اسی کے نام کر دی جاتی۔ اس نے ارادہ کیا آج مغرب کی نماز ٹیرس میں پڑھے گی اور چاند کو ڈھونڈے گی۔ چاند نظر آنے پر ہولڑ ہوتا' ٹیلی ویژن پر خبر آتی اور مسلسل پٹی چل رہی ہوتی۔

☆......☆......☆

سویاں' شیر خورما' گوشت' کباب نہ جانے بڑے کن کن اہتماموں میں مصروف ہو جاتے اور جوان نسل بازاروں میں چوڑیاں اور عید کی شاپنگ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔ سب نے اسے کہا لیکن دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے چاند دیکھنے کو نگاہ اٹھائی اور پھر لبی دعائیں اس کے لبوں پر آ گئیں۔ وہ ہمیشہ اپنے اللہ سے دل کی باتیں کر کے سکون پاتی اور آج بھی آنکھ بند کیے اللہ تعالیٰ سے مانگ رہی تھی۔ میرے اللہ میں نے بچپن سے ماں باپ کا پیار' ایک گھر کا سکون نہیں دیکھا۔ دادی اماں نے کتنا چاہا مگر وہ پیار ماں باپ کا بدل نہیں ہوتا' میں بہن بھائیوں کی پیار' لڑائی جھگڑوں اور ناز برداریوں سے نا آشنا ہوں' ایک شخص میری زندگی کا محور و مرکز بنا میں اپنی ساری محرومیوں کا ازالہ اس ذات سے ٹوٹ کر پیار کر کے حاصل کرنا چاہتی تھی' میرے مقدر میں اسے لکھ دے مجھے وہ دے دے۔ وہ زندگی کا حاصل اور مقصد ہے اس کی آنکھوں میں نہ جانے کہاں سے آنسوؤں کا سیلاب جو پتہ نہیں کب کا جمع تھا قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں جو پیالہ بلکہ بھکاری کا کاسہ بنی تھیں ایک قطار کی صورت میں گرتے موتیوں سے بھیگ رہی تھیں۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز اس سے مانگ رہی تھی جو سب کو عطا کرنے والا ہے۔ کتنا بھی عطا کرے نواز دے اس کے خزانے بھرے رہتے ہیں اور پھر اسے لگا اس کے کاسہ میں طلب اور بھیک ڈال دی گئی۔ کاسہ بھر گیا وہ تو بہت چھوٹے ظرف کی ہے۔ انسان جلد باز ہے۔ اس نے آنکھیں کھولیں وہ سامنے سراپا سپردگی بنا کھڑا تھا اور چاند رات اس کے کاسہ گدائی کو بھر دیا گیا اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تو سراپا تشکر بن گئی۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

گیتو کی ہوسٹل روانگی

پروین ابھی تک ایف 6/1 میں پروین آپا کے گھر ہی قیام فرما تھی جب سب نے مل جل کر گیتو کو گھوڑا گلی کے لارنس کالج میں داخلہ دلوانے کا فیصلہ کیا اسے باآسانی داخلہ بھی مل گیا اور ہاسٹل جانے کی تمام تیاری بھی مکمل ہوگئی۔ گیتو کو وہاں چھوڑنے کے بعد پروین ایک دم سے بجھی بجھی سی رہنے لگی تھی فوراً پرنسپل سے ہر ہفتے ملاقات کی اجازت مانگنے لگی جبکہ یہ قواعد وضوابط کے مطابق درست ہرگز نہیں تھا پھر بھی اسے ملنے کی اجازت مل گئی وہ بھی پرنسپل کے گھر تاکہ دوسرے بچوں کے والدین کو پالیسی توڑنے پر اعتراض نہ ہو۔ چند ہفتے یہ سلسلہ جاری رہا پروین کے انگ انگ سے افسردگی اور رنجیدگی پھوٹنے لگی تھی اس نے مجھے بھی فون کیا چونکہ میرا بیٹا عمر بھی ہاسٹل جاچکا تھا جس کی جدائی میں میں ایک مہینہ سو نہ پائی تھی اور میرا تکیہ صبح تک آنسوؤں سے بھیگ چکا ہوتا تھا آخر وقت گزرنے کے ساتھ یادوں میں کمی تو نہ آئی تھی مگر آنسو خشک ہوگئے تھے چند گھنٹے نیند بھی آنے لگی تھی جو بیٹے کے خوابوں میں ہی گزر جاتی میں نے پروین کو سمجھایا کہ ماں کے مقدر میں اولاد کی جدائی تو لکھ دی گئی ہے آپ بھی اس سچائی پر یقین رکھیں اور مراد کو اسی ماحول میں ایڈجسٹ ہونے دیں اسی میں ہماری اولاد کی بہتری ہے ہمیں خود غرض نہیں ہونا چاہیے لیکن وہ مسلسل روئے جارہی تھی چند ہفتوں بعد پروین نے انکشاف کیا کہ وہ مراد کو واپس لے آئی ہے کیونکہ وہ بیمار ہوگیا تھا اور اس کا مراد کے بغیر رہنا دوبھر ہوگیا تھا جاوید نے جب یہ خبر سنی تو انہیں بھی یہ فیصلہ قطعاً پسند نہ آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا دل ماں جیسے دل کے گوشت پوست سے نہیں بنایا تھا وہ ایک ماں کی حسیات وجذبات کا تصور نہیں کرسکتے تھے لیکن میں مطمئن ہوگئی تھی کیونکہ وہ اس کا واحد سہارا تھا بھلا اس کے بغیر پروین کا خوش وخرم رہنا کیسے ممکن تھا میں اس کے احساسات کو بخوبی جانتی تھی۔

دور اندیشی

یہ ان دنوں کی بات ہے جب پروین آپا ملک سے باہر گئی ہوئی تھیں پروین کے کچھ زیورات ان کے پاس تھے کچھ پروین کے اپنے گھر میں تھے پروین کے گھر میں دن بھر ملازم اکیلا ہوتا تھا پروین کو یقین تھا کہ وہ دن بھر اس کے گھر کی خوب چھان بین کرتا ہے کیونکہ پروین کو کمروں اور الماریوں کو مقفل کرنے کی عادت تھی نہ ہی اس کے پاس اتنا وقت تھا۔

اس لیے اس کا زیور پروین آپا کے پاس محفوظ رہتا تھا روز مرہ کا پہننے والا تمام زیور اس کے اپنے گھر میں موجود تھا جس کے لیے وہ ہر وقت فکرمند بھی رہا کرتی تھی۔ ایک شام وہ زیورات لے کر میرے پاس آئی اور زیور کی تھیلی مجھے پکڑا کر بولی۔

رف اسے اپنے پاس رکھ لیں مجھے ڈر ہے کہ یہ گھر سے چوری ہوجائیں گے آپ کا گھر سیف کالونی میں ہے یہاں خطرہ نہیں ہوگا جب بھی ضرورت پڑی تو آ کر پہن لیا کروں گی آپ کا گھر دور تو ہے نہیں میں اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے سے پہلے ہچکچائی تو پروین نے میری سوچ فوراً پڑھ لی۔ وہ مسکرا کر بولی رف اپنے زیورات کے ساتھ ہی اسے بھی رکھ لیں اللہ نہ کرے کہ چوری ہوجائے اگر ایسا ہو بھی گیا تو دونوں کا اکٹھا ہی جائے گا آپ کو گلٹی فیلنگ نہیں ہوگی کہ پروین کا چوری ہوگیا اور میرا بچ گیا میں نے اسی کے سامنے اس کی امانت اپنے زیورات کے ساتھ ہی الماری میں رکھ دی وہ خوش ہوگئی اور میں مطمئن ہوگئی۔

جب پروین کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی تو اس وقت بھی اس کے زیورات میرے پاس محفوظ رکھے تھے میں نے دوسرے دن پروین آپا کو فون کیا انہیں اپنی پریشانی اور فکرمندی کے بارے میں بتایا کہ میں نے زیورات کی تھیلی پروین کے سامنے کھولی تھی نہ ہی بعد میں دیکھنا ضروری سمجھا تھا کیونکہ وہ پروین کی امانت تھی چاہے کروڑوں کی ہو یا پائی کی مجھے اس سے قطعاً سروکار نہیں تھا اب مجھے پروین کی بہن اور ماں کو جواب دہ ہونا پڑے گا میرا دل بہت پریشان ہے۔

پروین آپا نے کہا کہ رفاقت کل زیورات لے کر میرے گھر آجانا تاکہ زیور نسرین کے حوالے کردیے جائیں اور بعد میں اسے لاکر ہی رکھوادیں گے تاکہ کل مراد کے کام آسکیں دوسرے دن میں زیورات لے کر پروین آپا کے گھر پہنچی وہاں نسرین اور پروین کی امی موجود تھیں اور دو تین خواتین اور دوسرے حضرات بھی محو انتظار تھے مراد میرے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا میں نے پرس سے زیورات کی تھیلی نکال کر پروین آپا کو تھما دی انہوں نے

سب کی موجودگی میں تھیلی کھولی سب سے اوپر ایک کڑکڑاتا ہوا پرچہ نکلا پروین آپا نے فوراً اسے کھولا مجھے دیکھ کر تشکر آمیز لہجے میں بولیں رفاقت زیورات کی لسٹ پروین کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی اس تھیلی میں موجود تھی پروین آپا نے نسرین اور امی کے سامنے زیورات رکھ دیے اور لسٹ کے مطابق الگ کرتی گئیں پروین کی دوراندیشی نے مجھے بہت بڑے مسئلے سے بچا لیا تھا پروین آپا نے زیورات نسرین کے حوالے کردیے اور دوسرے دن اسے لاکر میں رکھنے کے لیے نسرین کو ساتھ لے کر گئیں اور وہ زیورات گیتو کی دلہن اور پروین کی بہو کے لیے محفوظ ہوگئے۔

آج بھی سوچتی ہوں کہ پروین نے زیورات کی لسٹ بناتے وقت اپنی موت کے بارے میں ضرور سوچا ہوگا جو اتنا پکا انتظام کرگئی تھی کہ کہیں مجھے سب کے سامنے جواب دہ نہ ہونا پڑے اس نے مجھے شرمندگی سے بچانے کے لیے ایسا کیا تھا یا ایک اتفاق تھا مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ معمہ کیا تھا؟

کیا پروین کو اپنی موت کا الہام ہوگیا تھا کہ ہر کام میں بے پناہ احتیاط برتی جارہی تھی۔

جبکہ چند گھنٹے پہلے میرے زیورات جو شادی میں پہنے تھے وہ واپس دے گئی لیکن اپنے زیورات میرے پاس ہی چھوڑنا اسے کیوں مناسب لگا جن کی اسے آئے دن ضرورت بھی محسوس ہوتی تھی کیونکہ یہ ہلکے پھلکے روزمرہ پہننے والے زیورات تھے۔

گہرا سمندر

پروین قادر آغا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کا نام پروین شاکر کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی کارکردگی، حسن سلوک و بلند اخلاقیات کی وجہ سے اپنے پیشے اور ساکھ میں اپنی پہچان آپ بن چکا ہے ہم سے پروین آپا کا غائبانہ تعارف کا شرف پروین شاکر کو ہی حاصل ہے۔ پروین آپا نے پروین کو اس وقت سہارا دیا جب وہ کراچی کو خیرآباد کہہ کر نئے اور پرائے شہر اسلام آباد آکر آباد ہونے کی کوشش کررہی تھی، اس وقت وہ بے سروسامان تھی غیر محفوظ آنے والے حالات سے بے خبر، ہراساں و پریشان تھی۔ اسے ایک مضبوط تحفظ اور مستحکم سائبان کی ضرورت تھی لیکن فطرتاً پروین اپنا ماضی دوسروں کے سامنے عیاں نہیں کرسکتی تھی نہ ہی اسے اپنے دکھوں اور اندیشوں کو بیان کرنا مناسب لگتا تھا۔ وہ نئے دوست اور نیا حلقہ بنانے سے گھبرانے لگی تھی ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا اس کا شیوہ بن چکا تھا اپنی ہم نام پروین آپا میں نام کی کشش تھی یا ان کی شخصیت کا کمال تھا کہ اس نے ایک دن پروین آپا کے سامنے اپنے ماضی کو کھول کر رکھ دیا اور حال میں پیش آنے والے مسائل کو بھی بیان کردیا۔

پروین آپا نرم مزاج اور دل میں دوسروں کے درد کو محسوس کرنے والی خاتون ہیں انہوں نے اسے تسلی و تشفی دی اور ان کا شوہر آغا افضال صاحب اور پروین آپا نے مل کر فیصلہ کرلیا کہ وہ اس کار خیر میں بھرپور حصہ لیں گے اور پروین کے لیے ایک ایسا سائبان بن کر دکھائیں گے کہ پروین اپنی چھوٹی عمر میں رونما ہونے والے تمام حادثات کو فراموش کردے گی اور کوئی ذی روح اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں کرسکے گا اور پھر سچ مچ ایسا ہی ہوا وہ جب سے ان کی پناہ میں آئی پھر کوئی افواہ نہ اٹھی نہ کسی اسکینڈل نے جنم لیا کیونکہ پروین آپا نے تمام اخبارات کو منع کردینے اور اسکینڈلز کو ہوا دینے سے سختی سے روک دیا تھا ان میں بھی حقیقت وسچائی نہیں تھی سراسر زیادتی اور بے انصافی تھی اور وہ اسکینڈلز نادیدہ دشمنوں نے جنہیں اس کی شہرت اور کامیابی سے حسد وعناد تھا اس بنیاد پر پھیلائے تھے کہ پروین پریشان ہوکر اپنی تمام ادبی سرگرمیوں کو خیرآباد کہہ دے آخر ذہنی سکون اور دلی طمانیت کی خاطر پروین کو 1987ء میں ایک سال کے لیے واشنگٹن جانا پڑا تاکہ غصے اور نفرت کی بھڑکی ہوئی آگ بجھنے کے بعد وہ واپس آکر دوبارہ اپنی زندگی کی نئی سمتوں کا تعین کرسکے ایک سال بعد جب پروین واپس آئی تو پروین آپا اور آغا صاحب نے اسے اپنے پاس ٹھہرانے کا فیصلہ کرلیا تھا کیونکہ پروین کا اکیلے اس معاشرے میں رہنا بہت مشکل تھا مغرب جس کی تہذیب وتمدن میں ہم ہر وقت کیڑے نکال رہے ہوتے ہیں وہاں اکیلی عورت بھی اتنی ہی محفوظ اور قابل احترام سمجھی جاتی ہے جتنی کسی اعلیٰ خاندان کی عورت یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اب یہاں جب کسی بچی کو طلاق ہوجاتی ہے تو وہ فوری طور پر شوہر کا تحفظ چھوٹتے ہی پاکستان کو چھوڑنے کا تہیہ کرلیتی ہے تاکہ وہ مغربی تہذیب میں اپنی عزت ووقار کو برقرار رکھ کر پرسکون زندگی گزار سکے۔

بزمِ سخن

سمیہ عثمان

مقدس زہرہ..... ضلع جھنگ

چاند دیکھا ہے تو یاد آئی تیری صورت
ہاتھ اٹھتے ہیں مگر حرف دعا یاد نہیں

حنا ارشد..... لاہور

عید کا چاند نظر آئے گا جس دم مجھ کو
میں ترے وصل کی اے دوست دعا مانگوں گی
میں تو برسوں سے ہوں تنہائی کے صحرا میں مقیم
اب تیری رفاقت کی دعا مانگوں گی

اقصیٰ شوکت..... گگو منڈی

بن دیکھے اب یارب یہ عید نہ گزرے
کر پیدا کوئی سبب یہ عید نہ گزرے
دنیا کو دکھایا ہے اک چاند جو تو نے
مجھ کو بھی دکھا دے اب یہ عید نہ گزرے

صباء شریف..... ضلع ساہیوال

میں نے چاہا تجھے عید پہ کچھ پیش کروں
جس میں احساس کے سب رنگ ہوں روشن روشن
جس میں آنکھوں کے تراشے ہوئے موتی لاکھوں
جس میں شامل ہو میرے قلب کی دھڑکن دھڑکن

رقیہ ناز..... تحصیل میلسی، وہاڑی

کتنے اچھے تھے میرے بچپن کے دن
مسکرانے کے لیے کسی عید کا انتظار نہ تھا

ارم کمال..... فیصل آباد

تصور تیرا جو مجھے چھو جائے
میری ہر سانس سے تیری خوشبو آئے
یہ کس موڑ پہ لے آئی ہے جستجو
پانی میں عکس میرا ہو اور نظر تو آئے

شگفتہ خان..... بھلوال

عمر کہتی ہے اب سنجیدہ ہوا جائے
دل کہتا ہے کچھ نادانیاں اور سہی

سیاس گل..... رحیم یار خان

نام مجھ کو دیے کا دے ڈالا
اور رکھ بھی دیا ہواؤں میں

ماہا کائنات..... شاہ سوار

سب کو سیراب وفا کرنا خود کو پیاسا رکھنا
مجھ کو لے ڈوبے گا اے دل تیرا دریا ہونا

انعم زہرہ..... جہانگیر آباد، ملتان

بڑی مشکل سے میں نے خود کو سنبھالے رکھا
اپنے جذبوں کو اپنے دل میں دبا کے رکھا
باتوں باتوں میں تیرا نام جو آیا لب پر
بہتے گئے آنسو جنہیں اب تک تھا چھپا کے رکھا

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

واجب ہے اس لیے بھی بہاروں کا احترام
سبزہ مرے وجود کا پہلا لباس تھا

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

سہارا لینا ہی پڑتا ہے مجھ کو دریا کا
میں اک قطرہ ہوں تنہا تو بہہ نہیں سکتا

طیبہ سعید..... گوجرانوالہ

تارے اترے جب پھیلایا دامن کو
عید کے چاند میں دیکھا میں نے ساجن کو
چاند رات کی مہندی مجھ سے کہتی ہے
تم بھی اک پیغام لکھو نا ساجن کو

ذکا زرگر..... جوڑہ

تحفہ دعاؤں کا تمہیں پہنچے میرا
سدا رہے تمہارے گرد خوشیوں کا گھیرا
مسرتیں تمہیں عید کی مبارک ہوں
تمہاری زیست میں نہ آئے کبھی غموں کا پھیرا

نبیلہ نور..... مخدوم پور

ہم نے ہلال عید کے ہاتھ بھجوایا ہے یہ سندیسہ
کرتا ہے تمہیں کوئی یاد بہت بار بار اسے کہنا

تبسم بشیر حسین.....ڈنگہ

دیکھا عید کا چاند تو مانگی یہ دعا رب سے
دے، دے تیرا ساتھ عید کا تحفہ سمجھ کے

جویریہ دلی.....ڈونگہ بونگہ

شاید تم آؤ میں نے اسی انتظار میں
اب کے برس کی عید بھی تنہا گزار دی

ایس این شہزادی کھرل.....جڑانوالہ

مجھ کو تیری نہ تجھ کو میری خبر جائے گی
عید اب کے بھی دبے پاؤں گزر جائے گی

انیلہ نوشین.....آزاد کشمیر

ہلال عید دیکھ کے مانگتی رہی ہوں جو دعا
اب کی بار شاید وہ با اثر ہوجائے

آسیہ پروین.....گوجرانوالہ

سادگی، بانکپن، اغماض، شرارت، شوخی
تو نے انداز وہ پائے ہیں کہ جی جانتا ہے

ثنا جاوید.....بہاولپور

واقف ہے مرے درد سے مری صبح کا اجالا
لاعلم مرے غم سے میری رات نہیں ہے
جس شخص کی یادوں میں بے حال ہیں محسن
وہ ہنس کر یہ کہتا ہے کوئی بات نہیں ہے

فائزہ بھٹی.....پتوکی

آگہی کا عذاب باقی ہے
کھل گئی آنکھ خواب باقی ہے
وقت تتلی تھا اڑ گیا کب کا
ڈائری میں گلاب باقی ہے

کوثر خالد.....جڑانوالہ

اس انداز سے اس شخص کے
پیار بھرے جیون کو پڑھا
کہ وہ بھولے سے بھی نہ جان پایا
کہ اس کی ہر ادا سے واقف ہوگیا کوئی

علشبہ نور.....بھیر کنڈ

بات نیت کی ہے صرف ورنہ فیض
وقت سارے دعا کے ہوتے ہیں

امبر گل.....جھڈو

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے بھی جو تارا تو زمین پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں دریا بڑے شوق سے
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

پروین صفدر.....جہلم

وہ مجھ پر عجیب اثر رکھتا ہے
میرے ادھورے دل کی خبر رکھتا ہے
شاید کہ میں اسے بھول جاتا مگر
یاد آنے کے وہ سارے ہنر رکھتا ہے

ثریا شاہ.....کہروڑپکا

ڈالیے مت نقاب چہرے پر
روشنی پر زوال آتا ہے
آئے تو عاجزوں پر ہی اکثر
حاکموں کو جلال آتا ہے

گیلانی سسٹرز.....کہروڑپکا

اتنے بن ٹھن کے کب آپ آتے ہیں میرے گھر میں
باخدا اور کہیں آپ کو جانا ہوگا!
آپ کے میٹھے تکلم سے عیاں ہے بالکل
آپ کو پھر کوئی احسان چڑھانا ہوگا

سائرہ مریم.....بورے والا

وہ جو ملتا ہے تو ہر درد بھلا دیتا ہے
جانے کیا بات ہے دل اس کو دعا دیتا ہے
وہ مجھے پیار سے روتے میں ہنسانے والا
یاد آتا ہے تو ہنستے میں رلا دیتا ہے

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

شیر خرما

اجزاء:

دودھ	دو کلو
سویاں	ایک کلو
چینی	آدھا پاؤ
چاول (ابلے ہوئے)	آدھا پاؤ
قلاقند یا کھویا	آدھا پاؤ
چھوٹی الائچی	دس عدد
تیل	حسب ضرورت
پستہ (کٹا ہوا)	آدھا پاؤ
بادام (کٹا ہوا)	آدھا پاؤ
کیوڑا	دو چائے کے چمچ
چھوہارے	چھ عدد

ترکیب:

ایک دیگچی میں دودھ گرم کریں۔ اس میں چاول میش کر کے ڈالیں اور پکائیں۔ ایک پین میں تھوڑا سا گھی گرم کریں۔ اس میں سویاں ڈال کر بھون لیں۔ سویاں بھی دودھ والے مکسچر میں ڈال کر پکائیں۔ جب جوش آجائے تو آنچ کم کر دیں۔ دودھ کے گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ اس کے بعد شکر اور کھویا قلاقند چورا کر کے ڈالیں۔ کچھ دیر پکانے کے بعد آدھا پاؤ بادام پستہ ڈال دیں گھی گرم کریں الائچی ڈال کر فرائی کریں۔ فرائی کرنے کے بعد سویوں میں ڈال دیں۔ آخر میں کیوڑہ ڈال کر چولہے سے اتارلیں۔ سرونگ باؤل میں نکال کر ٹھنڈا کریں۔ چھوہاروں کو پانی یا دودھ میں اتنا پکائیں کہ چھوہارے گل جائیں۔ چھوہاروں کے بیج نکال دیں۔ شیر خورما پر چھوہاروں کی گارنشنگ کر کے سرو کریں۔ مزیدار شیر خرما تیار ہے۔

ماہم نعیم......کراچی

اسپیشل سویاں

اجزاء:

سویاں (باریک)	ایک پیکٹ
گھی	چار کھانے کے چمچ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
کریم	ایک پیکٹ
دودھ	ایک کپ
چینی	ایک کپ
زردہ رنگ	۲۵۰ گرام
پستہ، بادام، کشمش	گارنشنگ کے لیے
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

سوس پین میں گھی گرم کر کے سویوں کو فرائی کریں۔ اس میں چینی، زردہ رنگ، دودھ، الائچی پاؤڈر، پستہ، بادام، کشمش اور کریم ڈال کر مکس کر کے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ دھیان سے چمچ چلاتے رہیں۔ آخر میں کیوڑا ڈالیں۔ کسی پین میں سیٹ کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد سرونگ پلیٹ میں پلٹ لیں۔ گارنش کر کے سرو کریں۔

حنا شفیق......ملتان

مکس کھٹا قیمہ

اجزاء:

گائے کا قیمہ	۲۰۰ گرام
چکن کا قیمہ	۲۰۰ گرام
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	دو عدد
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
املی کا گودا	تین کھانے کے چمچ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
کوکنگ آئل	آدھی پیالی

ترکیب:

پیاز کو باریک آملیٹ کی طرح چوپ کرلیں دونوں قسم کے قیمے کو دھو کر علیحدہ چھلنی میں خشک کرنے رکھ دیں۔ پین میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر گرم کریں اور اس میں پیاز کو ہلکا سا نرم ہونے تک فرائی کریں۔ ادرک لہسن اور گائے کا قیمہ ڈال کر درمیانی آنچ پر پکنے رکھ دیں جب قیمے کا اپنا پانی خشک ہونے پر آجائے تو اس میں نمک اور لال مرچ ڈال کر بھونیں۔ چکن کا قیمہ ڈال کر ڈھک دیں اور ہلکی آنچ پر پانچ سے سات منٹ پکائیں۔ پھر املی کا گودا' ہری مرچیں' ہرا دھنیا اور لیموں کا رس ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ پانچ سے سات منٹ بعد اچھی طرح ملا کر چولہے سے اتارلیں۔ ڈش میں نکال کر پراٹھے یا پوریوں کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

انعم بتول...... وہاڑی

سبز قیمہ انڈے

اجزاء:۔

قیمہ	آدھا کلو
پالک	آدھا کلو
انڈے	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن	پسا ہوا ایک کھانے کا چمچ
پیاز	ایک عدد درمیانی
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
کوکنگ آئل	آدھی پیالی

ترکیب:۔

قیمے کو صاف دھو کر چھلنی میں رکھ لیں' پیاز کو باریک کاٹ کر رکھ لیں اور انڈوں کو اُبال کر چھیل لیں۔ ہری مرچیں اور ہرا دھنیا باریک کاٹ کر رکھ لیں۔ پالک کی گٹھی کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈالیں اور تین سے چار منٹ بعد ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں۔ پھر چھلنی میں رکھ کر خشک کریں اور باریک چوپ کرلیں' چھلے ہوئے فرائنگ پین میں ڈال کر درمیانی آنچ پر رکھیں تاکہ پالک کا پانی خشک ہوجائے۔ پین میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر گرم کریں اور باریک کٹی ہوئی پیاز کو سنہری فرائی کریں۔ پھر اس میں ادرک لہسن اور قیمہ ڈال کر اتنی دیر بھونیں کہ قیمے کا اپنا پانی خشک ہوجائے۔ لال مرچ' زیرہ' نمک اور پالک ڈال کر بھونیں اور ساتھ ہی ایک سے دو ابلے ہوئے انڈے بھی کاٹ کر شامل کردیں۔ اچھی طرح بھون کر ہری مرچیں اور ہرا دھنیا شامل کریں اور تیل علیحدہ ہونے پر چولہے سے اتارلیں۔ گرم گرم ڈش میں نکالیں' گرم مصالحہ چھڑک کر ابلے ہوئے انڈوں سے سجائیں اور ڈبل روٹی کے ساتھ برنچ میں مزہ لیں۔

فضہ جٹ...... ہری پور' ہزارہ

میوہ دار قورمہ

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو
نمک اور مرچ	حسب ذائقہ
گھی	دو چھٹانک
لہسن	دو تریاں
پیاز	آدھی گانٹھ
ادرک	تھوڑا سا
دھنیا	حسب ضرورت
بادام	آدھا پاؤ
کشمش	آدھا پاؤ
مونگ پھلی	آدھا پاؤ
پستہ	آدھا پاؤ
دہی	آدھا پاؤ

ترکیب:۔

بادام سے چھلکا اتارلیں اور گریاں گھی میں تل لیں اور بعد میں مونگ پھلی' پستہ اور کشمش کو بھی گھی میں تل لیں پھر دیگچی میں گھی کو کڑکڑائیں اور پیاز کو سرخی مائل رنگ تک بھون لیں۔ پیاز کے بعد تمام مصالحہ بھی بھون لیں۔ پھر بھنے ہوئی پیاز اور مصالحے میں دہی گوشت میوے اور پانی جس میں گوشت گل جائے اور گاڑھا سا شوربا بھی بن جائے' ڈال دیں اور آگ پر پکنے دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے اور گھی نظر آنے لگے اور گوشت بھی گل جائے تو اس کو تھوڑا سا اور بھون لیں۔ بھونتے

کے بعد میوے دار قورمہ تیار ہے۔
عظمیٰ راجپوت......شیخوپورہ

بادشاہی بریانی

اجزاء:۔

مٹن	ایک کلو
چاول	ایک کلو
دہی	آدھا کلو
دودھ	آدھا کپ
کھویا	آدھا کپ
گھی	ایک کپ
ہرا دھنیا	ایک کپ
پیاز	تین عدد
بادام	بیس عدد
پودینہ	آدھی گٹھی
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
ثابت زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
لہسن	ایک کھانے کا چمچ
ہری مرچیں	ایک کھانے کا چمچ
ادرک	ایک کھانے کا چمچ
زعفران	آدھا چائے کا چمچ
لیموں کا رس	چار کھانے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:۔
چاولوں کو آدھا گھنٹہ بھگوئیں پھر اس میں نمک اور ثابت گرم مصالحہ ڈال کر تین کنی ابال لیں۔ گرم گھی میں پیاز کو گولڈن براؤن کر کے آدھی پیاز نکال لیں' اب اس میں ادرک لہسن' نمک' لال مرچ' بادام کا پیسٹ' پسی ہری مرچیں اور گوشت شامل کر کے بھون لیں' اس کے بعد پانی ڈال کر گوشت کو گلائیں دہی کو لگائیں پھر اس میں کٹا پودینہ' ہری مرچیں' ہرا دھنیا اور کھویا شامل کر کے مکس کر لیں۔ جب گوشت گل جائے تو دہی کا مکسچر زعفران اور لیموں کا رس ڈالیں۔ کوکنگ پین میں آدھے ابلے چاول ڈالیں اوپر گوشت کا مکسچر پھیلائیں اور بچے ہوئے چاول ڈالیں۔ آخر میں تلی پیاز' آدھا کپ دودھ اور ایک کھانے کا چمچ گھی شامل کر کے دم پر رکھیں۔ بریانی بادشاہی تیار ہے۔

فضہ گل......ڈیرہ اسماعیل خان

کوفتے

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
انڈہ	ایک عدد
ہری پیاز	چار عدد
لہسن	چھ جوئے
پیپری کا	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
دار چینی (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
زیرہ	دو چائے کے چمچ
دہی	دو کھانے کے چمچ
تیل	چار کھانے کے چمچ
پودینہ	چار کھانے کے چمچ
شاشلک اسٹک	حسب ضرورت

ترکیب:۔
گائے کا گوشت' انڈہ' ہری پیاز' لہسن' پیپریکا' کالی مرچ' پسی دار چینی' نمک' زیرہ' دہی اور پودینے کو اچھی طرح پیس لیں۔ اب اس کے بالز بنا کر شاشلک اسٹکس پر لگائیں۔ آخر میں تیل گرم کر کے بنائے ہوئے کوفتے گولڈن براؤن کریں۔ مزے دار گرلڈ کوفتے تیار ہیں۔
عائشہ سلیم......اورنگی' کراچی

آرائشِ حسن

خدیجہ احمد

حنا کے بن عید ادھوری

بات ہو تہواروں کی یا کسی خاص موقع کی، مہندی لگائے بنا خواتین اور بچیوں کی ہر خوشی ادھوری لگتی ہے۔ یہ خواتین کے سنگھار کا ایک لازم جزو ہے۔ زمانہ کتنا ہی جدت پسند کیوں نہ ہو جائے، ہماری کچھ مشرقی روایات ایسی ہیں جو اپنی قدر کبھی نہیں کھو سکتیں۔ چنانچہ خواتین کی کوشش ہوتی ہے کہ عید سے قبل تمام تر تیاریاں مکمل کر لیں تاکہ چاند رات کو آرام سے پارلر جا کر مہندی لگوائی جاسکے۔ شاید یہ وہ واحد قطار ہوتی ہوگی جہاں خواتین اور بچیاں خوشی خوشی اپنی باری آنے کا انتظار کرتی ہیں۔

صدیوں سے خواتین چند آزمودہ ٹوٹکے اپناتی آرہی ہیں مہندی سوکھ جانے کے بعد اس پر شیرہ لگانے سے رنگ گہرا آتا ہے۔ اس کے علاوہ چند لونگیں توے پر ڈال دیں جب خوب کڑکڑانے لگیں تو اس بھاپ پہ ہاتھ سینکنے سے بھی مہندی کا رنگ اچھا آتا ہے۔ اس معاملے میں وکس کا استعمال بھی موثر ثابت ہوا ہے۔ مہندی سوکھنے کے بعد اگر جلدی نہ ہو تو اسے اپنے طور پر جھڑنے دینا ہی بہتر ہے۔ ساتھ ہی کوشش کریں کہ مہندی لگے ہاتھوں پہ صابن اور کھارے پانی کا استعمال کم سے کم کریں تاکہ رنگ زیادہ دنوں تک برقرار رہے۔

خوب صورت ہیئر اسٹائل لائیں شخصیت میں نکھار

خوب صورت نظر آنا خواتین کی خواہش ہے اور قدرتی حق بھی ہے بعض خواتین ایسی ہیں جو خود پر توجہ دیتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو کہ مصروفیات کی وجہ سے اپنے اوپر توجہ نہیں دیتی اور سب سے اہم چیز نظر انداز کرتی ہیں۔ وہ ہیں ان کے ہیئر اسٹائل۔ ہر خاتون اپنی پسند کے مطابق اپنے بالوں پہ تجربات کرتی ہیں لیکن پیشہ ور خواتین پونی ٹیل سے کام چلاتی ہیں اور جب بھی کسی پارٹی وغیرہ میں جانا ہو تو فیشن کے طور پر بال کھلے چھوڑ دیتی ہیں اور محفل میں جانا ہو تو وہ عموماً جوڑے سے کام چلاتی ہیں۔ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ بال خواتین کے حسن کا سب سے اہم پہلو ہے۔ اپنے بالوں کے انداز کو بدل کر اپنی پوری شخصیت کو آپ بدل سکتی ہیں۔ ہیئر کٹ آپ کی شخصیت میں بڑی تبدیلی لاسکتا ہے اور آپ کو خود اعتماد اور چہرے کے نقوش کو بھی تقویت بخشتا ہے۔ تحقیق سے بات سامنے آئی ہے کہ خواتین اس فکر میں مبتلا رہتی ہیں کہ ان کے بال کیسے نظر آرہے ہیں کوئی حیران ہو کہ خواتین اپنے بالوں پر اتنا پیسہ اور وقت کیوں برباد کرتی ہیں؟ صرف اچھا نظر آنے کے لیے نہیں بلکہ بال آپ کی پوری شخصیت کو سنوارتے ہیں۔

آج کل لڑکیاں جو کہ ۱۴ سے ۲۵ سال کی عمر تک پہنچتی ہیں ان میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ وہ اپنے بالوں پر کافی توجہ دیتی ہیں اور بالوں کے لیے خاص محتاط رہتی ہیں۔ بالوں کو مضبوط بنانے کے لیے اور طرح طرح کے ہیئر اسٹائل بنا کر اپنی شخصیت کو نکھارتی ہیں بالوں کو لمبا کرنے اور ان کو مضبوط بنانے کے لیے ایک گھریلو ٹوٹکہ ہے جس سے بالوں کی مضبوطی میں اضافہ ہوگا بال لمبے گھنے اور چمکدار بھی ہوں گے۔

دہی: ۴ سے ۵ چمچ میتھی دانہ: ۲ سے ۳ چمچ، دہی میں میتھی دانہ ڈال کر دو دن کے لیے ڈھک کر رکھ دیں اور پھر اس مکسچر کو آدھے گھنٹے کے لیے بالوں پر لگالیں۔ پھر شیمپو سے اچھی طرح دھولیں یہ عمل ہفتے میں ایک بار کریں۔ اس سے بال لمبے گھنے اور چمکدار ہوں گے۔

خواتین اپنی خوبصورتی میں اضافہ کرنے کے لیے کئی طرح کے ہیئر کلرز کا استعمال کرنا شروع کر دیتی ہیں لیکن بار بار کلر کرانے سے بال نہ صرف کمزور ہوتے ہیں بلکہ آپ کی شخصیت کو پر اعتماد بنانے کی بجائے جز بز کر دیتے ہیں کہ آیا یہ کلر آپ پر سوٹ بھی کر رہا ہے کہ نہیں۔

یہ بات بھی عام ہو چکی ہے کہ خواتین ایک ہی ہیئر

اسٹائل کافی عرصہ اپنائے رکھتی ہیں اور پھر جب وہ دوسرا اسٹائل بنانے کی کوشش کرتی ہیں تو وہ اس سے مطمئن نظر نہیں آتی۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جن خواتین کے بال لمبے ہوتے ہیں وہ ایک ہی اسٹائل میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ ان کو دوسرا اسٹائل بنانا اچھا نہیں لگتا اور جن کے بال چھوٹے ہوتے ہیں وہ اپنے بالوں سے کئی طرح کے اسٹائل بنا لیتی ہیں اور کبھی فرنچ ٹوئسٹ بنا لیتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یہ ذہن بھی ہوتی ہیں مغربی ممالک میں شاذ و نادر ہی خواتین کے بال لمبے دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان خواتین کو اندازہ ہوتا ہے کہ بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ساتھ بالوں کی غذائی ضروریات پوری نہ ہونے کے باعث ان کی نشوونما میں واضح فرق نظر آتا ہے چنانچہ خوب صورت انداز سے بالوں کی کٹنگ کرائی جاتی ہے۔

اگر مغربی ممالک کے ساتھ پاکستان کا جائزہ لیا جائے تو دیکھنے میں آتا ہے کہ پاکستان کی خواتین بال لمبے رکھنے کو عزت اور وقار کی علامت سمجھتی ہیں اور خود کو محفوظ بھی، لیکن جیسے لباس میں رنگوں کے چناؤ کی اہمیت ہے اسی طرح سے بالوں کی اچھی نشوونما اور ان کا خیال رکھنا بھی ویسا ہی اہم ہے۔

چہرے کو نکھارنے کے لیے

جو اور گیہوں کا آٹا دودھ میں ملا کر لئی بنا لیجیے اور اسے چہرے پر ابٹن کی طرح ملیے پھر ایک گھنٹے کے بعد منہ دھولیں یہ نسخہ رنگ کو نکھارتا ہے۔

گردن کے لیے

دودھ میں تھوڑا سا لیموں کا رس ملا کر اسفنج سے لگائیں۔ خشک ہونے پر ٹھنڈے پانی سے دھو ڈالیں چند روز کے استعمال سے تبدیلی محسوس ہونے لگے گی۔

چہرے کی نرمی کے لیے

گلیسرین میں تھوڑا سا لیموں کا رس ملا کر رکھ دیں ہر روز صبح منہ دھونے کے بعد لگائیے بلکہ ہاتھوں سے پورے چہرے کی مالش کریں اس سے آپ کی جلد نرم اور رنگ صاف ہوگا۔

غسل کے لیے

نہانے کے پانی میں لیموں کا رس اور نمک ملا کر غسل کرنے سے جلد کا رنگ نکھرنا شروع ہو جاتا ہے۔

دانوں کے نشانات کے لیے

روغن زیتون اور روغن کریم ملا کر چہرے پر ان جگہوں پر لگائیں جہاں دانوں کے نشانات رہ گئے ہوں۔ اس مساج کا استعمال اس وقت تک کریں جب تک نشانات مکمل طور پر ختم نہ ہو جائیں۔

چھائیوں کو دور کرنے کے لیے

آدھا چمچ لیموں کا رس، آدھا چمچ شہد ملا کر ماسک بنالیں اور ہفتے میں دو تین بار استعمال کریں۔

اگر ایڑیاں پھٹنا شروع ہو جائیں

ایک لیموں کا چھلکا پیس لیں اس میں ایک چائے کا چمچ گلیسرین، ایک چمچ گلاب کا عرق ملا کر ایک کریم تیار کرلیں رات کو سونے سے پہلے پھٹی ہوئی ایڑیوں پر لگائیں صبح پیر دھو لیں، چند دنوں میں پھٹی ایڑیاں ٹھیک ہو جائیں گی۔

روکھے بالوں میں چمک پیدا کرنے کے لیے

سر دھونے کے بعد ایک مگ پانی میں ایک لیموں کا رس ملا کر سر دھولیں صرف اسی پانی سے بالوں میں چمک آجاتی ہے۔

ناخنوں کی چمک کے لیے

آپ لیموں کے چھلکے سے جس میں کچھ موجود ہو ناخن کا مساج کریں، ناخن صاف اور چمکدار ہو جائیں گے۔

آنکھوں کے حلقے کے لیے

آنکھوں کے حلقے پر کچے آلو رگڑیں یا آلو کا رس لگائیں۔ اس سے آنکھوں کے حلقے دور ہو جائیں گے۔ روزانہ صبح ایک ماہ تک ایک عدد سیب کھائیں اور پانچ منٹ بعد ایک گلاس دودھ پی لیں۔

عالم میں انتخاب

نزہت جبین ضیاء

نظم

اس نے میرے ہاتھ میں باندھا
اجلا کنگن بیلے کا
پہلے پیار سے تھامی کلائی
بعد اس کے ہولے ہولے پہنایا
گہنا پھولوں کا
پھر جھک کر ہاتھ کو چوم لیا
پھول تو آخر پھول ہی تھے
مرجھا ہی گئے
لیکن میری راتیں ان کی خوش بو سے اب تک روشن ہیں
بانہوں پر وہ لمس ابھی تک تازہ ہے
شوخ صنوبر پر اک چاند دمکتا ہے
پھول کا گہنا پریم کا کنگن
پیار کا بندھن
اب تک میری یاد کے ساتھ لپٹا ہوا ہے

کلام: پروین شاکر
انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

آشیانے کی بات کرتے ہو
دل جلانے کی بات کرتے ہو
ساری دنیا کے رنج و غم دے کر
مسکرانے کی بات کرتے ہو
ہم کو اپنی خبر نہیں ہے یارو
تم زمانے کی بات کرتے ہو
ذکر میرا سنا تو چڑ کر کہا کہ
کس دیوانے کی بات کرتے ہو
حادثہ تھا گزر گیا ہوگا
کس کے جانے کی بات کرتے ہو

شاعر: جاوید قریشی
انتخاب: سحر تبسم سحری...... مغل پورہ

غزل

جرم گر میں نے کیا ہے تو بتایا جائے
ایسے چپ چاپ نہ سولی پہ چڑھایا جائے
یہ عداوت کی فضا راس کسے آتی ہے
کیوں نہ اک دیپ محبت کا جلایا جائے
میں نے بھی آبلہ پائی کا کرب جھیلا ہے
میرے بھی نام پہ اک محل بنایا جائے
نفسا نفسی کا وہ عالم ہے کہ میں سوچتی ہوں
کون دشمن ہے کسے دوست بنایا جائے
دل کی نگری میں انبار لگے ہیں غم کے
خود بتاؤ کیسے اشکوں میں بہایا جائے
رو پڑے گی میرے اندر کی اداسی لوگو
دل کے ایوان کو ایسے نہ سجایا جائے
توڑنا ہی مجھے لازم ہے تو ایسے توڑو
بار سانسوں کا یہ ہرگز نہ اٹھایا جائے
زندگی ہم سے یوں بیزار ہوئی ہے نازی
ساتھ اب چاہ کے بھی نہ اس کا نبھایا جائے

شاعر: نازیہ کنول نازی
انتخاب: صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد

صندل کردو

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کردو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کردو
نہ تمہیں ہوش رہے نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کر چاہو کے مجھے پاگل کردو
تم ہتھیلی کو میری اپنی پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں میرے نام کا کاجل کردو
اس کے سائے میں میرے خواب دمک اٹھیں گے
میرے چہرے پر مہکتا ہوا آنچل کردو

دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کر برسو مجھ پر
اس قدر ہر سو میری روح میں جل تھل کر دو
شاعر: وصی شاہ
ماہا بشیر..... ڈنگہ

غزل

جو غیر تھے وہ اسی بات پر ہمارے ہوئے
کہ ہم سے دوست بہت بے خبر ہمارے ہوئے
کسے خبر کہ وہ محبت تھی یا رقابت تھی
بہت سے لوگ تجھے دیکھ کر ہمارے ہوئے
اب اک ہجوم شکستہ رواں ہے ساتھ اپنے
جنہیں کوئی نہ ملا ہمسفر ہمارے ہوئے
کسی نے غم تو کسی نے مزاج غم بخشا
سب اپنی اپنی جگہ چارہ گر ہمارے ہوئے
بجھا کے طاق کی شمعیں نہ دیکھ تاروں کو
اسی جنوں میں تو برباد گھر ہمارے ہوئے
وہ اعتماد کہاں سے فراز لائیں گے
کسی کو چھوڑ کے وہ اب اگر ہمارے ہوئے
شاعر: احمد فراز
انتخاب: صبا ایشل..... بھاگووال

غزل

سچ ہے کہ اپنا رخ بھی بدلنا پڑا مجھے
میں قافلے کے ساتھ تھا چلنا پڑا مجھے
بے وجہ دل کو تھی نئے منظر کی جستجو
بے نام موسموں سے بہلنا پڑا مجھے
کچھ میرے کام آ نہ سکی وضع احتیاط
شعلوں سے دور رہ کر بھی جلنا پڑا مجھے
دست طلب دراز تو صدیوں سے ہے مگر
کچھ بات تھی کہ آج مچلنا پڑا مجھے
کتنا بڑا ہجوم تھا میرے لیے شمیم
کس خامشی کے ساتھ نکلنا پڑا مجھے
شاعر: شمیم فاروقی
انتخاب: عظمیٰ فاروق..... شاہدرہ

غزل

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کر بہلایا گیا ہوں
ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ
ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں
دل مضطر سے پوچھ اے رونق بزم
میں خود آیا ہوں نہیں لایا گیا ہوں
شاعر: سید محمد علی شاد
ماہ بلوچ..... ڈنگہ

غزل

چشم یار کی ادا میں
منافقت کی بات کہاں
لبوں کے کھنکتے حمام میں
نفی کی سوغات کہاں
خوبصورتی سے مہکتا سراپا ان کا
ایسا کھلتا ہوا گلاب کہاں
حسن کی جھلملاتی کہکشاں میں
ان جیسا کوئی مہتاب کہاں
عطائے یار یہ رب کی سخاوت ہے
ورنہ فیصل میں ایسی بات کہاں
شاعر: فیصل محمد صدیقی
انعم عزیز..... فاروق آباد

غزل

تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد
اتنے چپ چاپ کے رستے بھی رہیں گے لاعلم
چھوڑ جائیں گے کسی روز نگر شام کے بعد
میں نے ایسے ہی گناہ تیری جدائی میں کیے ہیں
جیسے طوفاں میں کوئی چھوڑ دے گھر شام کے بعد
شام سے پہلے وہ مست اپنی اڑانوں میں رہا
جس کے ہاتھوں میں تھے ٹوٹے ہوئے پر شام کے بعد
رات بیتی تو گنے آبلے اور پھر سوچا

کون تھا باعث آغاز سفر شام کے بعد
تو ہے سورج تجھے معلوم کہاں رات کا دکھ
تو کسی روز مرے گھر میں اتر شام کے بعد
لوٹ آئے نہ کسی روز وہ آوارہ مزاج
کھول رکھتے ہیں اسی آس پہ در شام کے بعد
شاعر:فرحت عباس شاہ

انتخاب:ندا افتخار......چشتیاں

زندگی

قطرہ قطرہ زندگی پینے کے بعد
موت سے لڑتے ہوئے جینے کے بعد
آج اک عرصے کے بعد
اس کی آنکھوں میں ہے دیکھا
اس کے ہاتھوں کو ہے پکڑا
اس کی بانہیں تھام لی ہیں
اس کی پلکیں چوم لیں ہیں
اس کی باتیں سن رہی ہوں
اس کے آنسو چن رہی ہوں
اس کے نور سے منور
اس کی خوشبو سے معطر
آج پھر ہونے کے بعد
دل کی دھڑکن تھم رہی ہے
کوئی خواہش اب نہیں ہے
میری دنیا ہے مکمل
اب جیوں کیوں بے سبب
موت سے کہہ دے کوئی
شوق سے آ جائے اب
شاعر:سامی اعجاز

انتخاب:ہالہ سلیم......کراچی

غزل

کون آئے گا یہاں کوئی نہ آیا ہوگا
میرا دروازہ ہواؤں نے ہلایا ہوگا
دل ناداں نہ دھڑک اے دل ناداں نہ دھڑک
کوئی خط لے کے پڑوسی کے گھر آیا ہوگا
دل کی قسمت ہی میں لکھا تھا اندھیرا شاید
ورنہ مسجد کا دیا کس نے بجھایا ہوگا
گل سے لپٹی ہوئی تتلی کو گرا کر دیکھو
آندھیوں تم نے درختوں کو گرایا ہوگا
کھیلنے کے لیے بچے نکل آئے ہوں گے
چاند اب اس کی گلی میں اتر آیا ہوگا
کیف پردیس میں مت یاد کرو اپنا مکاں
اب کے بارش نے اسے توڑ گرایا ہوگا
شاعر:کیف بھوپالی

انتخاب:جویریہ ضیاء......کراچی

غزل

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے
رنج بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
جو زمانے کے ستم ہیں وہ زمانہ جانے
تو نے دل اتنے دکھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
تم نہیں جانتے اب تک یہ تمہارے انداز
وہ میرے دل میں سمائے ہیں کہ جی جانتا ہے
انہی قدموں نے تمہارے انہی قدموں کی قسم
خاک میں اتنے ملائے ہیں کہ جی جانتا ہے
دوستی میں تیری در پردہ ہمارے دشمن
اس قدر اپنے پرائے ہیں کہ جی جانتا ہے
مسکراتے ہوئے وہ مجمع اغیار کے ساتھ
آج یوں بزم میں آئے ہیں کہ جی جانتا ہے
داغ وارفتہ کو ہم آج ترے کوچے سے
اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے
شاعر:داغ دہلوی

انتخاب:ماہا بشیر......ڈنگہ

غزل

جب کبھی کوئی قدم میں نے بڑھا کر رکھا
اس نے اک سنگ گراں راہ میں لا کر رکھا
گو عنایت کی بارش میں بھگویا لیکن

حق تو یہ ہے کہ مرا حق نہ برابر رکھا
ورقِ زیست پڑھے میرے کتابوں کی طرح
اپنا دیباچہ ہستی بھی چھپا کر رکھا
دھوپ میں چلتے ہوئے زاویے تبدیل کیے
اپنا سایہ نہ میرے قد کے برابر رکھا
اختیار اس نے رکھے اپنے ہی تحویل میں سب
مجھ کو تصویر کی مانند سجا کر رکھا
وہ شہنشاہ ہے اس دور کا جس نے سب کو
بھیک خوابوں کی عطا کر کے گداگر رکھا
وہ اجالوں کا پیمبر ہے کہ جس نے تا عمر
پیار کا دیپ عیاں دل میں جلا کر رکھا

شاعرہ: رشیدہ عیاں
ثانیہ گل...... مانسہرہ

غزل

دل ویراں ہے، تیری یاد ہے، تنہائی ہے
زندگی درد کی بانہوں میں سمٹ آئی ہے
مرے محبوب زمانے میں کوئی تجھ سا کہاں
تیرے جانے سے میری جان پہ بن آئی ہے
ایسا اجڑ ہے امیدوں کا چمن تیرے بعد
پھول مرجھائے، بہاروں پہ خزاں چھائی ہے
چھا گئے چاروں طرف اندھیرے سائے
میری تقدیر میرے حال پہ شرمائی ہے
دل ویراں ہے، تیری یاد ہے، تنہائی ہے

شاعر: خواجہ پرویز
انتخاب: سائرہ مشال۔ کراچی

غزل

چراغِ راہ بجھا کیا، کہ رہنما بھی گیا
ہوا کے ساتھ مسافر کا نقشِ پا بھی گیا
میں پھول چنتی رہی اور مجھے خبر نہ ہوئی
وہ شخص آکے مرے شہر سے چلا بھی گیا
بہت عزیز سہی اس کو میری دلداری
مگر یہ ہے کہ کبھی دل مرا دکھا بھی گیا
اب اُن دریچوں پہ گہرے دبیز پردے ہیں
وہ تاک جھانک کا معصوم سلسلہ بھی گیا
سب آئے میری عیادت کو، وہ بھی آیا
جو سب گئے تو مرا درد آشنا بھی گیا
یہ غربتیں مری آنکھوں میں کسی اتری ہیں
کہ خواب بھی مرے رخصت ہیں، رتجگا بھی گیا

شاعر: پروین شاکر
انتخاب: صبا ایشل...... بھاگووال

غزل

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے
سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کہ اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغ تف نالہ لے داغ دل سے
کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں
کسو کو زخود رستہ کم دیکھتے ہیں
کہ آہو کو پابند رم دیکھتے ہیں
خط لخت دل یک قلم دیکھتے ہیں
مژہ کو جواہر رقم دیکھتے ہیں

شاعر: مرزا غالب
انتخاب: ارم صابرہ...... تلہ گنگ

alam@aanchal.com.pk

خوشبوئے تحریر

ہما ذوالفقار

شام کا ماضی حال اور مستقبل

بلاد شام دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کا گہوارہ ہے یہاں پر سامی اقوام اور زبانوں کے بے شمار آثار دستیاب ہوئے ہیں مسلمانوں کے لیے یہ خطہ انتہائی اہم اور مقدس ہے اور کیوں نہ ہو کہ نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں کئی روایات منقول ہیں مثلاً۔

آپ ﷺ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ میرے تکیے کے نیچے سے کتاب کا ایک بنیادی حصہ مجھ سے واپس لیا جا رہا ہے میری نظروں نے تعاقب کیا ادھر سے نور پھوٹ رہا تھا میں نے دیکھا کہ وہ شام میں رکھ دیا گیا ہے پس جب فتنے رونما ہوں تو ایمان شام میں ہوگا۔

محمد ندیم..... پشاور

طریقہ کار

سب سے بہترین حکمران..... اللہ جل جلال اللہ

سب سے بہترین استاد..... محمد ﷺ

سب سے بہترین رہنما..... قرآن پاک

سب سے بہترین زندگی..... اسلام

سب سے بہترین انسان..... مومن

سب سے بہترین روایت..... سنت نبوی ﷺ

سب سے بہترین قانون..... شریعت

سب سے بہترین اخلاص..... ایمان

سب سے بہترین درخواست..... دعا

سب سے بہترین گواہی..... کلمہ طیبہ

سب سے بہترین رابطہ..... نماز

سب سے بہترین مدد..... زکوٰۃ

سب سے بہترین پکار..... اذان

طیبہ سعد..... انوالہ

شیطان کی تبلیغ

80 ہزار سال تک فرشتوں کا ساتھی رہا۔

40 ہزار سال تک جنت کا خزانچی رہا۔

30 ہزار سال تک عرش کا طواف کرتا رہا۔

پہلے آسمان پر اس کا نام عابد تھا' دوسرے پر زاہد' تیسرے پر عارف' چوتھے پر ولی' پانچویں پر تقی' چھٹے پر خازن' ساتویں پر عزازیل اور اب قیامت تک ابلیس ہے غرور اور تکبر نے کیا سے کیا بنا دیا۔

علیشہ نور..... بھیر کنڈ

یاد

تمہاری یاد کے لمحے
کبھی اوجھل نہیں ہوتے
میرے دن رات سے
جاناں!

سباس گل..... رحیم یار خان

مسائل

کچھ مسائل پیدا ہی صرف اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ہم غیر ضروری چیزوں کو ضروریات زندگی سمجھ لیتے ہیں۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

عقلمندی

ایک کنجوس ڈاکٹر کے پاس گیا اور بولا۔

''گھر جا کر مریض کا چیک اپ کرنے کی آپ کی فیس کتنی ہے؟''

ڈاکٹر: ''ایک سو پچاس روپے۔''

کنجوس: ''میرے ساتھ میرے گھر چلیں؟'' ڈاکٹر کی بائیک پر دونوں گھر تک پہنچے تو کنجوس نے ڈاکٹر کو ایک سو پچاس روپے دیے۔ ڈاکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

''مریض کہاں ہے؟''

کنجوس: ''مریض کوئی نہیں ہے جی' وہ ٹیکسی والا گھر تک کے چار سو روپے مانگ رہا تھا۔

ثریا فریال..... شیخوپورہ

محبت

❁ محبت ایک پاکیزہ احساس ہے روح کا لباس ہے۔

❁ محبت یہ نہیں ہوتی کہ جو ہم دیں ہمیں وہی ملے محبت تو وہ ہوتی ہے جو ہر بات ہنس کر جھیل لے اپنی انا کو ختم کردے دوسروں کی خوشی کے لیے خود کو مار دے محبت ہر رنگ وروپ میں پائی جاتی ہے مگر جو لوگ غلط راستوں سے محبت کرتے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ لوگ ہمیشہ خالی رہ جاتے ہیں چاہے وہ جتنی بھی دھواں دار محبت کرتے ہوں اور جو لوگ سیدھا راستہ اپناتے ہیں وہ ہمیشہ محبت کو اپنے نام کر لیتے ہیں۔

اقرا جٹ...... منچن آباد

چاہت

نہ چاہو کسی کو اتنا کہ اس کی چاہت تمہاری کمزوری بن جائے بلکہ چاہو ہو تو اتنا چاہو کہ تمہاری چاہت اس کی ضرورت بن جائے۔

صدف اعوان...... سوپسٹو

فلسفہ بنت عائشہؓ

زندگی ہاتھ سے ریت کی مانند پھسلتی جا رہی ہے لمحہ بہ لمحہ اپنے زوال کی طرف گامزن ہے یہی صدا سنائی دے رہی ہے کہ اس کی انتہا موت ہے زندگی کی ہر گھڑی بڑی قیمتی ہے ہر آنے والی سانس پر خدا کا شکر کرنا واجب ہے ہر سانس یہ کہہ رہی ہے میرے چلنے میں رب کی قدرت پنہاں ہے روح یہ کہتی نظر آتی ہے ایک دن رب کا پیغام آئے گا مجھے نکال دیا جائے گا اے آدم خاکی سنبھل کر چل یہ دنیا عارضی ٹھکانہ مکرو کا پر فریب گھر ہے اس کے فریب سے بچو اس کی رنگینیوں سے اپنے آپ کو بچاؤ ورنہ انجام برا ہوگا اپنی موت کی تیاری کو لازم پکڑ لو اے انسان کیونکہ

چل رہا ہے سانسوں کا جو نظام اے بنت عائشہؓ
ہر سانس پر ملکیت ہے رب العالمین کی

بنت امی عائشہؓ...... پتوکی قصور

اعتبار وطن

کتنے بیٹے گیے ہیں نثار وطن
تب ہے زندہ یہ میرا نگار وطن
حلف اٹھا کر نہ اس پر جو قائم رہا
کھو دیا اس نے خود اعتبار وطن

راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

اقوال زریں

❁ ہر مسکراہٹ کے پیچھے ایک وجہ ہوتی ہے اور ہر آنسو کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔

❁ خوش قسمت وہ نہیں ہوتا جو ہنس رہا ہوتا ہے خوش قسمت تو وہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی ہنس رہا ہوتا ہے۔

❁ بدنصیب وہ نہیں ہوتا جو رو رہا ہوتا ہے بلکہ بدنصیب تو وہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی رو رہا ہوتا ہے۔

سعدیہ رب نواز...... ودھیوالی بھکر

سنہری باتیں

○ محبت کی پہلی شرط عزت ہے اور جو عزت نہیں دے سکتا وہ سچا پیار بھی نہیں دے سکے گا۔

○ اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارا رازق اللہ ہے تو تم رزق کے بجائے اللہ کو تلاش کرو جس کے پاس تمہارا رزق ہے۔

○ نماز کی فکر اپنے اوپر عائد کر لو اور دنیا کی فکر چھوڑ دو کامیابیاں تمہارے قدم چومیں گی۔

تبسم بشیر...... ڈنگہ

آج کی خاص باتیں

❖ انسان وہ لڑائی کبھی نہیں جیت سکتا جس میں دشمن اس کے اپنے ہوں

❖ غربت انسان کو اپنے ہی شہر میں اجنبی بنا دیتی ہے۔

❖ لوگ بدلتے نہیں ہیں بس اکثر ان کی زندگی میں آپ سے بہتر کوئی اور آ جاتا ہے۔

❖ معاف کردو انہیں جن کو بھلا نہیں سکتے یا پھر بھول جاؤ ان کو جنہیں معاف نہیں کر سکتے۔

❖ خواب وہ نہیں ہوتے جو آپ سوتے میں دیکھتے ہیں بلکہ وہ ہیں جو آپ کو سونے نہیں دیتے۔

❖ غصہ ہمیشہ تنہا آتا ہے لیکن جاتے ہوئے اپنے ساتھ عقل، اخلاق اور شخصیت کی خوب صورتی کو لے جاتا ہے۔

❖ برائی کی طرف نفس دوڑ کر جاتا ہے جبکہ نیکی کی طرف اسے گھسیٹ کر لانا پڑتا ہے۔

❖ صبر رکھو ہر چیز آسان ہونے سے پہلے مشکل ہوتی ہے۔

مجم انجم اعوان...... کراچی

قوموں کے فنون

مصریوں کے فن میں پراسراریت ہے۔
یونانیوں کے فن میں تناسب و تربیت ہے۔
چینیوں کے فن میں آداب معاشرت ہے۔
ہندوؤں کے فن میں نیکی اور بدی کو تولنا ہے۔
یہودیوں کے فن میں تقدیر شناسی ہے۔
ایرانیوں کے فن میں نازک مزاجی ہے۔
فرانسیسیوں کے فن میں نزاکت و نفاست ہے۔
ہسپانیہ کے باشندوں کے فن میں خوب صورتی ہے۔
جرمنیوں کے فن میں خواہش ہے۔

ماہا بشیر...... ڈنگہ

کانچ کا رشتہ

تیرا میرا یہ جو رشتہ ہے کانچ کا رشتہ ہے اگر ٹوٹ گیا تو اس کے ٹکڑے اکٹھے کرتے ہوئے ہاتھ زخمی ہو جائیں گے پھر اس کا درد دیمک کی طرح چاٹ جائے گا ہمیں۔ ہر رشتہ کانچ کا رشتہ بن گیا ہے جو ذرا سی ٹھوکر سے بھی ٹوٹ جاتا ہے پھر ہماری کشتی تو بھنور میں ہے ہمیں کانچ کا رشتہ نہیں چاہیے ڈیئر دوست۔

اقصیٰ شوکت...... گگو منڈی

دوستی

دوست پیار کے لیے ہوتے ہیں اور چیزیں استعمال کے لیے بات تب بگڑتی ہے جب دوستوں کو استعمال اور چیزوں سے پیار کیا جائے اس لیے اپنے دوست میں کبھی برائی مت تلاش کرو کیونکہ دوست ہیرا ہوتا ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے پھر نہیں جڑتا اپنے دوست پر ہمیشہ یقین رکھو کہ وہ تمہارے ساتھ ہے۔

گلشن چوہدری...... گجرات

فلسفہ دوستی

تمہارا دوست وہ ہے جو تمہاری ضروریات پوری کرے وہ تمہارا وہ کھیت ہے جس میں تم محبت کی تخم پوشی کرتے ہو اسی کھیتی کو تم تشکر اور اطمینان کے ساتھ کاٹتے ہو اور جب تمہارا دوست اپنے دل کی کوئی بات تم سے کہتا ہے تو تم اس کو اپنی ہاں سے محروم نہیں رکھتے ہو اور جب وہ خاموش ہوتا ہے تب بھی تمہارا دل اس کے دل کی گفتگو سننے سے عاری نہیں ہوتا اس لیے کہ بغیر الفاظ کی مدد کے دوستی کے افکار تمام خیالات تمام خواہشات تمام توقعات تمام ارادے پیدا ہوتے ہیں ان سے دوستوں کے لیے ایک مسرت حاصل ہوتی ہے بے مطلب اور دوستی کا کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے سوائے اس کے کہ تم دوست کے ساتھ ایک مشترک روحانی گہرائی میں شریک ہو جاؤ' اس لیے کہ دوستی نہیں چاہتی کہ اس کا بھید واضح ہو جائے اور جو کچھ تمہارے اندر بہتر اور اعلیٰ تر ہے وہی دوست کو دو اگر وہ چاہتا ہے تمہارے مدوجزر بھی دیکھے تو اس کو اپنے دریا کی طغیانی بھی دکھا دو۔ اس لیے کہ وہ تمہارا دوست ہے

ندا افتخار...... چشتیاں

shukhi@aanchal.com.pk

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے یوں تو ہر ماہ آپ بہنوں کی شرکت ہمارے لیے باعث مسرت ہوتی ہے لیکن اس بار غالباً عید کی مصروفیات کے باعث کچھ بہنوں کی کمی رہی ہے جسے ہم نے شدت سے محسوس کیا عموماً ڈاک بھی تاخیر سے موصول ہوتی ہے تو آپ بہنیں اب اپنی ڈاک جلد ارسال کردیا کریں تاکہ سب کو شامل کرلیا جائے اب دیکھتے ہیں اس بار انعام کا حق دار کون ٹھہرتا ہے تو بڑھتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے تبصرے مصنفین کی تحریروں کو حسن بخش رہے ہیں۔

تبسم بشیر حسین..... ڈنگہ۔ السلام علیکم جون کا شمارہ 9 کو ملا تو سوچا کہ مئی کے شمارے کا تبصرہ ادھار ہے اس لیے مئی اور جون کے شمارے کا تبصرہ پہلے ملاحظہ فرمالیں ذرا مئی 2018ء ''عشق دی بازی'' ہم تو سبحان آفندی کے فین تھے پر اچانک شمعون دل میں گھر کر گیا بھئی شاہ تم بھی ہمارے پسندیدہ بن گئے ریحانہ باجی ایک بات کہنی ہے کہ برامت مانیے گا منیزہ لوگوں کی طرف سے کہانی بالکل بورنگ ہے کہانی کا مزہ خراب ہوجاتا ہے۔ ''شب آرزو'' نائلہ باجی نے قسم کھائی ہے قارئین کو ایک ماہ بھی چین نہیں لینے دینا ہے زنائشہ اور دراج تم اتنی روڈ کیوں ہو؟ عرش سے سیکھو لوانیڈ کیئر کرنا۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' نادیہ جی شاید آپ کو پتا نہیں ہے کہ میں آپ کی فین ہوں آپ بہت عمدہ لکھتی ہیں۔ ''چاند کو ہمراہ کریں'' ام ایمان باجی عمدہ تحریر بہترین کردار اور زبردست اینڈ۔ ''تیری چاہت'' نفیسہ آنٹی کی چاہتوں والی تحریر چاہتوں سے بڑھی اچھی لگی اب بات ہوجائے ذرا افسانوں کی تو ساری رائٹرز نے فیس بک کو ایسے پکڑا ہے کہ چھوڑتے نہیں 'فیس بک' فیس بک یوز کرنے والوں کے لیے سبق آموز تحریر تھی۔ جو اگر سبق لے تو ورنہ یہ عشق نہیں آساں۔ ''دہرا معیار'' بھئی بہوؤں کے لیے سبق آموز گھر واپس کریں تو شکریہ سسرال والے کریں تو چل اپنے گھر چل بھئی واہ واہ کیا معیار ہے۔ ''من بھاتا جگ بھاتا'' بھئی ہم نے تو ہمیشہ من کی سنی اور واقعی بچوں کا من اور جگ دونوں مائیں ہی تو ہوتی ہیں۔ ویسے ہیروئن صاحبہ کو بیگن پسند نہ تھا اور ہم بیگن کے دیوانے۔ ''خسارہ'' گلابی کو اس کا دیا واپس لوٹ کر آیا یہ مائیں ہمیشہ بیٹوں سے اتنی محبت کیوں کرتی ہیں کہانی عائشہ نے بھی اچھا لکھا چلیں جی یہ تو تھا مئی کے شمارے پر تبصرہ اب ذرا جون کا بھی ملاحظہ کرلیں۔ جون 2018ء کا شمارہ 9 کو ملا (ارے ہاں ملا نہیں' دو پیروں پہ چل کر لانا پڑا) ٹائٹل گرل خوب صورت ادا جان فنا کر رہی تھی۔ ''بات چیت'' قیصر آرا آنٹی کا رس گلے جیسا لہجہ ان سے ملنے کو دل کرتا ہے رخ سخن میں ان کا انٹرویو کریں پلیز حمد ونعت کے لیے الفاظ نہیں ہیں' بے حد پسند آئیں۔

ملاقات میری سسٹر کی تو چیخ نکل گئی صبا کا انٹرویو دیکھ کر وہ ان کی فین ہیں صبا کیا ہی بات تھی اگر نمی عیشل کی

اور اپنی ایک تصویر بھی دے دیتی میری سسٹر اور خوش ہوجاتی اب میری سسٹر کہہ رہی ہے کہ مادر اطلحہ کو لائیں انتظار نہیں ہوتا ہے میرے خواب زندہ ہیں نادیہ کی کہانی بہت خوب صورت ہے۔

میرے خواب زندہ ہیں
پنجرے میں قید دل میرا
یہ پرندہ ہے
آ کر اگر کھول دے تو
جو تو بھی تو نفرتوں کا
باہر پرندہ ہے
تیری محبت پہ قربان ہوں
ذرا دیکھ تو سہی
یہ اعتماد میرا کتنا اندھا ہے
میرے خواب تو ہی وہ
ذریعہ ہے جس میں
صنم میرا ملتا ہے
بس اس لیے
میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ کی اسٹوری کے لیے میں نے یہ نظم خود لکھی ہے شاید نادیہ کو پسند آئے عشق دی بازی نے سب قارئین کو جکڑ کر رکھا ہوا ہے بس سسپنس ذرا ختم کرنے کی ضرورت ہے باقی ریحانہ ایک ماشاء اللہ سے اچھی اور ذہین مصنفہ ہیں میں نے ان کی کتاب ''میری پیا۔'' خریدی اور پڑھنی ہے میری طرف سے مبارک ہو اب بات ہوجائے شب آرزو کی تو

غم زندگی تیری راہ میں' شب آرزو تیری چاہ میں
جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں' جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں
جو دل ونظر کا سرور تھا میرے پاس رہ کر بھی دور تھا
وہی اک گلاب امید کا میری شاخ جاں پہ کھلا نہیں

بات ہوجائے افسانوں کی تو بھئی عید کے حوالے سے افسانے بہت کم تھے پچھلی عید پہ کیا افسانے تھے کہ مزہ دوبالا ہوگیا تھا خیر جتنے تھے اتنے ہی پڑھ ڈالے ہم نے بھی اور کیا کرتے ''محبت تیرے سنگ پیا'' سویرا فلک کا افسانہ اچھا تھا۔ ''سنگ عید بھائے'' کوثر ناز بہت بہت مبارک یہ افسانہ میری سسٹر کو اچھا لگا ویسے اسے بہت کم چیزیں اٹریکٹ کرتی ہے اس لیے ڈاکٹر کے ساتھ اقرا نے بھی لاجواب کاوش پیش کی یوں ملے کہ مہہ جبین بہتر اور دلچسپ تحریر۔ آرٹیکل پھر آئی عید بھی اچھا تھا پر حرا باجی آپ کہانی بھی لکھیں اناڑی پیا جیسی پلیز زبات ہوجائے مستقل سلسلوں کی تو حسن خیال پہلے آتا ہے میرے خط شامل کرنے کا شکریہ سحر تبسم' مدیحہ مہک اور گل مینا

نے کمال تبصرے کیے (اقرا جٹ) بھی مبارک ہو آپ کے بابا عمرے پر جارہے ہیں میری ان کے لیے دعا ہے کہ ان کا عمرہ اللہ قبول فرمائے آپ کے بابا کے لیے دعا ہے کہ ان کا سایہ اللہ آپ کے سر پہ ہمیشہ قائم رکھے مجھے پتا ہے بابا کی کمی کیسے ہرٹ کرتی ہے کیونکہ میرے بابا تو ہیں نہیں فاخرہ باجی کی والدہ کی وفات بھی اسی ماہ ہوئی تھی تو ان کی والدہ کے لیے دعا ہے کہ اللہ انہیں جنت نصیب کرے' آمین۔ شوخی تحریر میں شگفتہ خان' وقاص عمر' فائزہ بھٹی' گل مہر' لیلیٰ نواز اور شازیہ ٹاپ پہ رہے عالم انتخاب میں شکریہ مجھے جگہ دینے کے لیے علیشہ کنول' ماوراطلحہ' صبا ایشل اور مدیحہ نے اچھا لکھا ''بزم سخن'' میں ارم صابر' ہالہ سلیم' عائشہ نور' صائمہ شیرازی' اقرا' کوثر ناز' ہما خان' ملیحہ' مریم' یاسمین اور نیا سحر کا انتخاب اچھا تھا (کچن کارنر) میں نوشین' حنا اشرف' نزہت اور سدرہ لاجواب رہیں' آرائش حسن عید کے حوالے سے میک اپ ٹپس اچھی تھی (ہومیو کارنر) میں موسم کے حوالے سے معلومات کافی دلچسپ اور اچھی تھی' دوست کا پیغام میں وقاص بھائی کا پیغام سب سے اچھا تھا (ٹوٹکے) فریج کی دیکھ بھال اور باورچی خانہ کا استعمال بھی کافی معلوماتی تھا چلیں حجاب ختم ہوا تو بے چینی شروع ہوئی اگلے ماہ کی' میری ماما کہتی ہیں کہ یہ ڈائجسٹ تو تمہارے لیے نشہ ہے میں بھی کہتی ہوں مجھے کھانا بے شک نہ دو لیکن آنچل وحجاب لازمی دو میں نے تو پرانے بھی خرید کر پڑھے ہیں آنچل' پھر اگلے ماہ انشاءاللہ آؤں گی۔

☆ پیاری تبسم' اس بار بھرپور تبصرہ کرنے پر آپ انعام کی حق دار ٹھہری ہیں۔ ہماری جانب سے مبارک باد قبول فرمائیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار جون کا حجاب عید سعید نمبر خوب صورت ماڈل لائبہ کے سرورق سے سجا آٹھ جون کو ملا اور دس جون کو تبصرہ ارسال کر رہی ہوں سرورق دیکھ کر یہ شعر ہونٹوں پر مچلنے لگا۔

وقت ملے تو کبھی قدم رکھنا میرے دل کے آنگن میں
حیراں رہ جاؤ گے میرے دل میں اپنا مقام دیکھ کر

بات چیت میں قیصرآ پا رمضان کی برکتیں سمیٹنے کا کہہ رہی تھیں اور آنے والے الیکشن کو پرامن بنانے کی دعا فرما رہی تھیں ہماری بھی دعا ہے جو بھی الیکشن جیتے وہ عوام کی بھلائی کے لیے کام کرے اور غربت جہالت کا خاتمہ کرے اور پاکستان پرامن خوشحال اور ترقی کی منازل طے کرتا رہے آمین۔ حمد ونعت پڑھ کر ایمان کو تازگی بخشی۔ ذکر اس پری وش کا میں شکیلہ تبسم' حبیبہ تحریم' صنم خان' ناری مغل نے اپنا اپنا تعارف پیش کیا ملاقات میں صبا ایشل سے تفصیلی گفتگو خوب رہی تفصیل سے ان کے بارے میں جاننے کا موقع ملا۔ بزم سخن میں ارم صابرہ' سمیرا مشتاق ملک' ہالہ سلیم' عائشہ نور' خواجہ ارمانہ محبوب' یاسمین عندلیب' شمائلہ اکرم' کچن کارنر میں نوشین اقبال نوشی' عائشہ سلیم' نزہت جبین ضیاء' صبا ایشل' سدرہ شاہین' عالم میں انتخاب میں سحر تبسم' مدیحہ نورین مہک' صائمہ سکندر سومرو' شازیہ ہاشم میواتی' سودائے کوثر خالد' ناز بلوچ' جویریہ وسی' شوخئ تحریر میں شگفتہ خان' فائزہ بھٹی' لیلیٰ رب نواز' علشبہ نور' اسماء صدیقہ' حسن خیال میں گل مینا خان' سحر تبسم سحری تبسم' بشیر حسین' مدیحہ نورین مہک' اقرا جٹ۔ دوست کا پیغام آئے میں بنت حوا' وقاص عمر' نینا خان' حمیرا اختر چھائے رہے' میری پیاری لاڈلی نند فریدہ جاوید فری کی اس بار کوئی بھی انٹری نہیں تھی نہ ہی کوئی خط نہ ہی کوئی غزل نہ ہی کوئی اور تحریر' فری آپی آپ کی

طبیعت اب کیسی ہے' ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت' تندرستی عطا فرمائے اور آپ ہمیشہ خوش وخرم رہیں' آمین۔

سحر تبسم سحری...... مغل پورہ۔ السلام علیکم امید کرتی ہوں کہ سب خیریت سے ہوں گے اور عید کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے اس بار کا شمارہ 8 کو شام میں ملا اس بار بھی شمارہ الٹا شروع کیا (ٹوٹکے) کارآمد اور مفید تھے (ہومیو کارنر) طلعت نظامی کافی اہم رہا اس بار (حسن خیال) اقرا آپ کے ابو کو میری طرف سے مبارکباد۔ مدیحہ مہک لاجواب تبصرہ کیا آپ نے' تبسم بشیر حسین کا سال بھر کا تبصرہ اچھا تھا اور میرے تبصرے کے بارے میں قارئین جانیں گل مینا سدا گل کی مانند کھلی رہو تمہارا تبصرہ کافی اچھا تھا (شوخئ تحریر) میں پروفیسر عبدالعظیم' حسن اختر' مہوش شبیر اور اسما صدیقہ ٹاپ رہیں (عالم میں انتخاب) پروین افضل' تبسم بشیر' ماہا کائنات' کوثر خالد' جویریہ اور کرن کا انتخاب ونڈر فل تھا (آرائش حسن) قدرتی چیزوں کے متعلق دیا کریں (کچن کارنر) میں اس بار میری ریسپی نہیں تھی' (بزم سخن) روبی' سدرہ' خدیجہ' اقرا' سعدیہ' شمائلہ' عرفانہ' صوفیہ لاجواب تھا (جیسا میں نے دیکھا) میں نظم اچھی لگی (کیوں مجھ پہ ہوا مہربان ہے تو) حرا آنٹی کا آرٹیکل بے حد اچھا تھا حرا آپ مجھے بہت پسند ہو محبت میری آخری شرارت اچھا ناول تھا پلیز کم بیک (یوں ملے کہ مہ جبین) کا افسانہ اچھا تھا اقرا' کوثر ناز اور سویرا کی تحاریر بھی شمارے کی جان رہیں "میری عید" ام مریم آپ کہاں تھی آپ کو اتنا سارا مس کیا آپ کی تحریر مجھے مصروف رہنے دو' میری فیورٹ ہے یہ تحریر بھی اچھی رہی۔ اب غائب نہ ہو جائے گا (سنو جان جاناں) عمارہ کا شاید پہلا ناول ہے عمارہ آپ کی تحاریر ہر بار مختلف ہوتی ہیں ہر بار آپ کو پڑھنے پر مختلف لگتا ہے صبا ایشل تو آ گئی اور چھا گئی کہانیوں کی طرح ان کا انٹرویو بھی اچھا تھا ساری بہنوں کا تعارف اچھا لگا میرا تعارف بھی لگا دیجیے گا پلیز حمد و نعت سبحان اللہ بات چیت خوب رہی عید سعید نمبر کے حوالے سے ٹائٹل خوب صورت تھا اگر ریڈ کی جگہ پنک ہوتا تو اور بھی خوب صورت لگتا۔ سلسلہ وار کہانیاں محفوظ ہیں اگلے ماہ ان شاء اللہ ضرور آؤں گی جب تک کے لیے اللہ حافظ اینڈ بائے بائے۔

ماہا کائنات بشیر...... شاہسوار ڈنگہ۔ میں اپنی بہن کے کہنے پہ پہلی بار شرکت کر رہی ہوں اگر اس ماہ تبصرہ شامل ہو گیا تو اگلے ماہ بھرپور شرکت کروں گی ٹائٹل دلہن سے سجا اچھا لگ رہا تھا صبا ایشل سے ملاقات اچھی رہی' ان سے درخواست ہے کہ مکمل ناول لکھیں' تعارف شکیلہ تبسم کا اچھا لگا حبیبہ آپ کی سالگرہ 4 جون کو تھی مبارک ہو' "عشق کے مسافر" ندا حسنین کی تحریر کا بے صبری سے انتظار ہے مدیحہ اور گل مینا کا تبصرہ اچھا تھا گل مینا میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں' وقاص عمر' فائزہ بھٹی' صائمہ سکندر' علیشبہ نور کی تحاریر اچھی تھیں۔ غزل میں میری غزل شامل کرنے کا شکریہ' ناز بلوچ' علیشہ کنول' کرن شہزادی' صبا ایشل' سحر تبسم ونڈر فل' آرائش حسن بھی کا اچھا رہا کچن کارنر میں خاصی زبردست ریسپیز تھیں۔ اشعار میں تانیہ گل' ارم صابر' صائمہ شیرازی' صوفیہ طیبہ' عریشہ کے اشعار اچھے لگے حرا قریشی کا آرٹیکل بہت خوب صورت تحفہ عید نمبر کا لگا...... دوست کے پیغام میں سب دوستوں کا پیغام پسند آیا اور آخر میں صدف آصف آپ کی دل کے دریچے کافی لاجواب تحریر تھی' اللہ حافظ۔

ثناء فرحان...... ملتان۔ السلام علیکم پیارے قارئین اور مصنفین امید ہے کہ سب اللہ کے فضل و

کرم سے خیریت سے ہوں گے اس بار بھائی کے ساتھ عید کی شاپنگ کے لیے بازار گئی تو خریداری بھول کر حجاب لیے گھر واپس آ گئی تمام راستے بھائی کی ڈانٹ الگ اب کیا کریں عید اور عام دن بھی حجاب اور آنچل کے بغیر ادھورے لگتے ہیں یوں لگتا ہے جیسے سارے کام ادھورے رہ گئے ہوں مصنفین کی تحریروں سے تو ان کے احساسات اور طبیعت معلوم ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ تمام مصنفین کو صحت کاملہ اور عاجلہ عطا فرمائے اور ہم قارئین کو یونہی حجاب و آنچل سے جڑا رکھے آمین۔ عمارہ خان سے پہلے شکایت کرلوں بھئی اتنا منفرد موضوع لے کر آپ اتنی دیر سے کیوں آئیں کہاں غائب تھیں یا حجاب والوں کی غلطی ہے کہ آپ کو قطار میں رکھ کر طویل انتظار کروایا جو بھی ہے اب کہیں غائب مت ہو جایئے گا ہمیں بڑی عید پر بھی آپ کی تحریر کا شدت سے انتظار ہے مایوس مت کیجیے گا ہنستی مسکراتی تحریر جو ہمیں برسوں یاد رہے امید ہے مایوس نہیں کریں گی ام مریم تو شاید ہم پر احسان کرتی ہیں جو کبھی کبھی اپنی جھلک دکھا دیتی ہیں تحریر ہمیشہ کی طرح شاندار اور موضوع خوب صورت نہیں بلکہ بہترین تھا سلسلہ وار ناول لکھیں ناں حجاب کے لیے۔ اب کرتے ہیں سلسلہ وار ناولوں کی بات تو آپ سب کی طرح مجھے بھی ریحانہ آفتاب کی پہلی قسط نے ہی اپنے حصار میں لے لیا ہے ہر ماہ شدت سے انتظار رہتا ہے منزہ ہو یا چوہدری جہانگیر یا نوجوان نسل شنائیہ اور شاہ زر شمعون کے کردار بہت خوب صورتی سے لے کر چل رہی ہیں بس ابھی تک تحریر میں چونکا دینے والا موڑ نہیں آیا یوں لگ رہا ہے جیسے یہ سب پہلے سے ہونا طے تھا یا یہ میں پہلے کہیں پڑھ چکی ہوں معذرت کے ساتھ ریحانہ جی لیکن کچھ باتیں ہضم نہیں ہو رہی ہیں جیسے کراچی سے لاہور کا سفر آپ نے گاڑی میں طے کروا دیا مسلسل گاڑی چلنے سے اس میں خرابی پیدا نہیں ہوئی جبکہ عشال جہانگیر کالج جاتی ہے تو گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا شنائیہ کے پیر میں موچ آئی تو دوسری طرف عشال جہانگیر کو کتوں نے گھیر لیا یہ دونوں باتیں ایک سی تھیں بس کردار بدلے تھے نجانے یہ باتیں قارئین نے نوٹ کیوں نہ کیں اور مدیرہ سے کیسے محفوظ رہ گئیں منزہ کا کردار اچھا ہے اسے زیادہ سے زیادہ لکھیں اب بات کرتے ہیں میرے خواب زندہ ہیں کی مصنفہ نادیہ فاطمہ رضوی سے آپ کی تحریر اب اختتامی مراحل میں داخل ہو رہی ہے یہ میرا خیال ہے کیونکہ حور عین کو اب اپنی بیٹی لالہ رخ یاد آ رہی ہے اور وہ کراچی بھی آ گئی ہے یوں تمام کردار آہستہ آہستہ ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں اب لالا کی ماں بھی اسے تمام سچائی بتا دے گی اور وہ حور عین سے مل جائے گی جبکہ احمر اور زرینہ بھی قریب آ گئے ہیں لیکن ابھی بھی کہانی میں بہت کچھ باقی ہے جسے آپ الجھاتی جا رہی ہیں وہ یہ کہ مہرو کس کی بیٹی ہے اور کیا کامیش مہرو سے شادی کرے گا جبکہ وہ تو پہلے سے شادی شدہ ہے کیا مسٹر ایڈم کی دونوں بیٹیاں ایک دوسرے کو پہچان لیں گی اور کیا اب خاور لالہ رخ کو قبول کرلے گا یہ سب سوال بن کر رہ گئے ہیں اور تحریر وہی کی وہی موجود ہے جبکہ تمام کردار بے لچک ہیں اب اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے الجھن سلجھتی ہے یا مزید بڑھتی ہے۔ شب آرزو تیری چاہ میں اس تحریر نے شروع میں جس طرح اپنے حصار میں لیا تھا اب معذرت کے ساتھ بالکل بھی متاثر نہیں کر سکی اب اس کا اختتام کر دینا چاہیے اور کسی اور مصنفہ کو جگہ دینی چاہیے افسانے تمام ہی بہترین تھے لیکن ڈاکٹر کے ساتھ اور یوں سلے کہ بہت ہی زبردست تھے حرا قریشی کے لیے تو کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے یہ تو جب بھی لکھتی ہیں دل کو چھو جاتی ہیں میں انہیں ہمیشہ آخر میں پڑھتی ہوں برائے مہربانی ان سے ناول یا ناولٹ لکھوائیں بات چیت ذکر اس پری وش

کا یہ سلسلے بھی اطمینان سے پڑھتی ہوں چاروں بہنوں سے مل کر بہت اچھا لگا جبکہ صبا ایشل سے ملاقات معروفیت کے باعث سوال نہ کرسکی جبکہ ایک بات غور طلب ہے کہ چھوٹی سی عمر میں ماسٹر بھی کیا اور شادی بھی (ہاہاہاہاہاہا) معذورت کے ساتھ صبا جی آپ کی سادگی اچھی لگی دوست کے پیغام میں کسی نے مجھے یاد نہیں کیا حسن خیال میں بھی کچھ لوگ غیر حاضر تھے شاید عید کی تیاریوں میں مصروف تھے جبکہ پروین آپی' شازیہ ہاشم اور اقراجٹ تو حجاب کی شان ہیں ان سے ہی حسن خیال کی محفل سجتی ہے اور انہی کو پڑھ کر مزہ بھی آتا ہے امید ہے کوثر خالد ایمان وصحت کے ساتھ آئندہ ماہ محفل میں شامل ہوکر مسرت کا موقع بخشیں گی اور ساتھ ہی غیر حاضری کی وجہ بھی بتائیں گی اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت پاکستان کو رہتی دنیا تک قائم رکھے اور ہمیں اس بار کوئی ایسا حکمران عطا فرمائے جو ہمارے مسائل حل کرے اور ایمانداری سے اپنا کام انجام دے' آمین۔

عنبر فاطمہ..... کراچی۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ! امید ہے حجاب کے تمام رائٹرز قارئین بخیر ہوں گے اور بھرپور طریقے سے عید کی خوشیاں بھی منائی ہوں گی اور سب کی عید بے حد اچھی گزری ہوگی۔ حجاب کا عید کا شمارہ عید کی رونقیں سمیٹے بے حد اچھا لگا ابتدائیہ سے آغاز کیا اور قیصر آپا کی تمام باتیں دل کے بے حد قریب محسوس ہوئیں حمد ونعت سے روحانی فیض حاصل کرتے ذکر اس پری وش کا پڑھ ڈالا اور چاروں پریوں سے ملاقات اچھی لگی۔ ملاقات میں صبا ایشل نے اپنے متعلق بہت سی باتیں قارئین سے شیئر کرتے ہماری بھی تشنگی مٹادی بہت خوب رہا ملاقات کا سلسلہ اب آتے ہیں سلسلہ وار ناولز کی جانب تو بات کرتے ہیں شب آرزو تیری چاہ میں لگتا ہے اب شب آرزو آنے کو ہے نائلہ طارق کہانی کو اختتامی مراحل کی جانب لا رہی ہیں تینوں لڑتی جھگڑتی ہیروئن جو اس کہانی میں انفرادیت بھی پیدا کرتی ہیں کافی عرصے تک یاد رہیں گی خاص طور پر دراج کا کردار لیکن شاید اپنا حق حاصل کرنے کے لیے آج کل یہی طریقہ ہے اور شاید اسی لیے دراج بھی کامیاب ٹھہری آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ ریحانہ آفتاب ''عشق دی بازی'' کے سنگ جلوہ گر ہیں اور کہانی اچھی رہی ہر کردار کے پیچھے ایک الگ کہانی چھپی ہے نادیہ فاطمہ رضوی کی تحریر ''میرے خواب زندہ ہیں'' لگتا ہے جلد ہی حورعین کے سامنے لالہ رخ کی تمام حقیقت واضح ہوجائے گی باقی کہانی بھی خوب تھی۔ اب آتے ہیں مکمل ناولز کی طرف ''محبت گزیدہ'' قرۃ العین سکندر کی کہانی کی یہ قسط ٹھیک رہی شاید طارق بھی اولاد جیسی نعمت کے حصول کے بعد بدل جائے اور رانو کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوجائے دوسری طرف ذکیہ آپا جیسے کردار تو ہر گھر میں ہی نظر آتے ہیں اور جب زندگی انہیں بڑے سانحہ سے دوچار کرتی ہے تب ہی ان میں بدلاؤ آتا ہے دیکھتے ہیں قرۃ العین کس طرح اس کردار کو اختتامی مراحل پر لاتی ہیں' دوسرا ناول عید اور رمضان کی تمام رونقیں سمیٹے ہوئے تھا سوہٹو اور شانزے کا کردار پسند آیا بعض لوگ شانزے جیسے ہوتے ہیں جو محبت اور خلوص کے رشتوں کو پہچان نہیں پاتے بہرحال سوہٹو نے اپنی محبت کو منوا ہی لیا اور خوشگوار اختتام بہت پسند آیا کہانی عید کی مناسبت سے خوب رہی نہ زیادہ طوالت نہ ہی اختصار بہت خوب عمارہ خان۔ ام مریم اپنے ناولٹ کے سنگ کافی عرصہ بعد نظر آئیں موضوع اگرچہ پرانا تھا لیکن ام مریم کا مخصوص انداز پڑھنے کو ملا مجھ سمیت قارئین کی تشنگی مٹ گئی' حرا قریشی کا عید کے حوالے سے لکھا آرٹیکل انفرادیت اور دلچسپی سے بھرپور تھا اب کسی ناول کے

سنگ بھی حاضر ہو جاؤ تمہارے چاہنے والے تمہیں بے حد پسند کریں گے۔ افسانوں میں سب سے اچھا مہ جبین تاج کا افسانہ لگا ہلکا پھلکا شگفتہ اور دلچسپی سے بھرپور موضوع کی انفرادیت سب سے نمایاں رہی اس قسم کے دو تین افسانے ضرور ہونے چاہیں اور کچھ رائٹرز کو ہر ماہ طنز و مزاح پر لکھنا چاہیے تاکہ سب پڑھنے والے محظوظ ہوں اور انفرادیت بھی نظر آئے آئندہ بھی اسی طرح سے لکھتی رہنا اللہ بہت سی کامیابیاں دے۔ اقرا حفیظ نے بھی ایک نئے انداز میں انٹری دی سویرا فلک اور کوثر ناز کے افسانے بس ٹھیک تھے موضوع کافی پرانا لگا دیگر سلسلوں میں سب ہی پسند آئے حسن خیال میں اپنی شرکت یقینی بنانے کے لیے اس بار ہم بھی حاضر ہیں امید ہے ہمارے حسین خیالات سے آپ بھی فیضیاب ہوں گے آئندہ پھر کبھی کسی پرچے پر تعریفی اور تنقیدی کلمات لیے اپنے تبصرہ کے ساتھ حاضر ہوں گے جب تک کے لیے فی امان اللہ۔

وقاص عمر...... بنگڑ نو حافظ آباد۔ پیاری جو ہی آپی اینڈ ریڈرز رائٹرز السلام علیکم امید ہے تمام قارئین خیریت سے ہوں گے۔ اب آتے ہیں حمد و نعت کی طرف تو حمد و نعت کو پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے ذکر اس پری وش کا میں سب سسٹرز کے متعلق جاننے کا موقع ملتا ہے نازی مغل' صنم خان اور شکیلہ تبسم نے اپنے اپنے تعارف خوبصورت انداز میں پیش کیے ''عشق دی بازی'' کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' زرکاش مجھے بالکل بھی پسند نہیں محبت بھیگتا جنگل کا دوسرا حصہ زبردست رہا۔ خواب و خیال تیرے اور عادی بھی اچھی تحریریں تھیں۔ بزم سخن میں سمیرا اشتاق ملک' ثانیہ گل' ارم صابرہ کوثر ناز' عالم انتخاب میں تبسم بشیر حسین' ماہ نور انصاری' علینہ کنول' سودائے کوثر خالد' شوخی تحریر میں شگفتہ خان' علیشہ نور' لیلیٰ رب نواز' گل بہار' عمر چھائے رہے شازیہ ہاشم' اقرا جٹ' پروین افضل شاہین' سحر تبسم' ہما طاہر' لیلیٰ رب نواز' بشریٰ کنول' گل مینا' تبسم بشیر' مدیحہ کنول' سعدیہ رب نواز' ثانیہ الطاف' آسیہ پروین' صبا رانی منڈ یر کوٹھے سمرہ گلزار' اریشہ راج' ملالہ اسلم' سمرہ گلزار' کوٹلی گجرات' حنا ارشد' میری نگارشات پسند کرنے پر آپ سب کا شکریہ اللہ حافظ۔

پیارے بھائی عمر۔ امید ہے آئندہ ماہ اسی شمارے پر تبصرے کے ساتھ محفل میں شامل ہوں گے۔

اب اس بات کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت ہم سب کی پریشانیاں دور فرمائے اور ہمارے مسائل حل کرنے والا کوئی اچھا اور مخلص حکمران عطا فرمائے آمین۔

قابل اشاعت:۔

چاند میری عید کا' کوئی میرے دل سے پوچھے۔

ناقابل اشاعت:۔

آب رواں' رحمت رمضان' میرا چاند تم ہو' شرط' قیدی

husan@aanchal.com.pk

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

ملیریا (Malaria)

لفظ Malaria (ملیریا) اطالوی (Atalian) زبان سے لیا گیا ہے جو کہ دو الفاظ سے ماخوذ ہے Mala کے لغوی معنی Bad اور Aria کے معنی ''ہوا'' کے ہیں یہ لفظ سب سے پہلے اٹلی میں استعمال ہوا ان کے مطابق یہ وہ بیماری ہے جو کہ دلدلی علاقوں کی کثیف ہوا سے پھیلتی ہے۔

1880ء میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر (Laveran) لیورن نے یہ ثابت کیا کہ یہ ایک خاص قسم کی مادہ مچھر (Anopheles) نامی کے کاٹنے سے انسان کے جسم میں داخل ہو کر اس کے خون میں رہتا ہے۔

ملیریا کی تعریف: ملیریا ایک متعدی مرض ہے جو کہ خون میں ایک خاص قسم کے کرم کی موجودگی سے پیدا ہوتا ہے بخار کا ہونا تلی اور جگر کا بڑھ جانا اور کمزوری وغیرہ اس مرض کی خاص علامات ہیں۔

ملیریا ایک ایسی اصطلاح ہے جو کہ چند ایک قسم کے شدید بخاروں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کا سبب پروٹوزوا قسم کے جراثیم طفیلی Parasites ہیں ان جراثیم کے اصطلاحی نام حسب ذیل ہیں۔

پلازموڈیم ملیریائی (Plasmodium Malariae) پلازموڈیم وائی ویکس (Plasmodium Vivax) پلازموڈیم اوویل (Plasmodium Ovale)ý پلاموڈیم فالسی پیرم (P.Falci Patum) ان چاروں جراثیم کو ملیریا کے جراثیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ملیریا کے یہ جراثیم خاص قسم کے مچھروں کے کاٹنے سے جسم انسان میں داخل ہو کر اس کے خون میں پرورش پاتے ہیں لیکن مچھر کے توسط کے بغیر یہ جراثیم مریض ملیریا کے جسم سے تندرست آدمی کے جسم میں داخل نہیں ہو سکتے پس ان جراثیم ملیریا کی زندگی کے دو دور ہیں ایک دور انسانی جسم میں اور دوسرا دور مچھر کے جسم میں۔ انسان ان جراثیم کا مستقل میزبان ہے اور مچھر ان کا متوسط میزبان۔

ملیریا کا کرم صرف انسانی خون میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ اس سے ملتے جلتے کرم کتے، مینڈک، چمگادڑ، مرغی وغیرہ کے خون میں بھی پائے جاتے ہیں پرندوں کے خون کا کرم ملیریا بہت حد تک انسانی خون کرم ملیریا سے مشابہت رکھتا ہے ایک عرصہ تک محققین کی یہی رائے تھی کہ دونوں کرم ایک ہی قسم کے ہیں لیکن اب یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ انسانی خون میں مذکورہ تین قسم کے ہی کرم ملیریا پائے جاتے ہیں۔

ملیریا زمانہ قدیم سے ہی انسان کا خونخوار دشمن چلا آ رہا ہے قدیم یونانی اور رومی اطباء نے اس کا ذکر کیا ہے حکیم بقراط (460 ق م) اور رومی حکیم کلسوس (25 ق م) اور حکیم جالینوس وغیرہ نے ملیریائی بخاروں کا ذکر کیا ہے یہ مرض دنیا کے تمام حصوں میں موجود ہے شروع میں اس کا سبب خراب اور زہریلی ہوا کو سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ملیریا اور مچھر کا کچھ نہ کچھ تعلق ضروری ہے اٹلی کے کاشتکار ایک عرصہ سے اس بات کو جانتے ہیں کہ جب وہ نمناک سبزہ دار اور دلدلی زمینوں میں جاتے ہیں تو وہاں پر ایک خاص قسم کے مچھر کے کاٹنے سے انہیں بخار ہو جاتا ہے آخر کار 1880 میں ڈاکٹر لیورن نے جراثیم ملیریا کو دریافت کیا اور 1895 میں ڈاکٹر راس (Ross) نے یہ عقدہ حل کیا کہ ایک خاص قسم کا مچھر ان جراثیم کو انسان کے جسم میں داخل کرتا ہے۔

پلازموڈیم وائیویکس:۔

ان جراثیم کے پھیلائے ہوئے ملیریا کا دورہ 48 گھنٹے کے بعد Repeat ہوتا ہے یا بخار ہر تیسرے دن چڑھتا ہے اس وجہ سے اسے (Tertian Fever) بھی کہتے ہیں۔

پلازموڈیم ملیریا:۔

اس جراثیم کے پھیلائے ہوئے ملیریا میں بخار 72 گھنٹے بعد دوبارہ چڑھتا ہے اس وجہ سے اس کو Quarten Fever کہتے ہیں۔

پلازموڈیم فیلسی پیرم:۔

اس جراثیم کے پھیلائے ہوئے ملیریا کا دورہ 40 سے 48 گھنٹے کے بعد دوبارہ Repeat ہوتا ہے بعض اوقات یہ وقفہ 15 سے 20 گھنٹے کا رہ جاتا ہے یا پھر بعض حالتوں میں وقت کی بالکل قید نہیں ہوتی اس وجہ سے اس کو Irregular Fever بھی کہتے ہیں۔

ملیریائی پیراسائٹ کے دو میزبان (Hosts) ہوتے ہیں۔

انسان اور دوسرا مادہ انوفلیز مچھر۔

جراثیم ملیریا (Malarial Parasite)

اگر مریض ملیریا کے خون کے ایک قطرہ کو خوردبین کے نیچے ایک خاص طریقہ سے دیکھا جائے تو خون کے سرخ دانوں کے اندر سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے نقطے نظر آتے ہیں جو مختلف اشکال کے ہوتے ہیں یہی نقطے ملیریا کے جراثیم ہوتے ہیں جو خون کے سرخ دانوں میں رہتے ہیں۔

جراثیم ملیریا کی پیدائش تولد سے بھی ہوتی ہے اور تناسل سے بھی چنانچہ طریق تولد سے تو یہ انسان کے خون میں بڑھتے ہیں اور بطریق تناسل مچھر کے جسم میں جو جراثیم بطریق تولید بڑھتے ہیں انہیں جراثیم تولدی (Sporocytes) کہتے ہیں اور جو بطریق تناسل بڑھتے ہیں انہیں جراثیم تناسل (Gamocytes) کہتے ہیں۔

انسانی جسم میں ملیریا کے جراثیم کا دورہ حیات

(A Sexual Life Cycle)

جب کوئی مادہ انوفلیز مچھر (Female Anopheles Mosquito) جس کے Salivary Glands میں ملیریا پیراسائٹ موجود ہوں کسی صحت مند انسان کو کاٹتی ہے تو زخم کے اندر ملیریل پیراسائٹ داخل کردیتی ہے ان کو Sporo Zoites کہتے ہیں یہ باریک دھاگوں کی شکل کی ہوتے ہیں ان کے دونوں سرے نوکدار ہوتے ہیں اور درمیان میں نیوکلیس ہوتا ہے اسپوروزوائٹ خون میں شامل ہوکر جگر میں داخل ہوجاتے ہیں جگر کے خلیات میں تین چار یوم رہتے ہیں وہاں ان کی شکل تبدیل ہوتی رہتی ہے اور یہ بار بار تقسیم ہوتے ہیں تین چار دن کے بعد جن کو ہم (Cryptozoites) کہتے ہیں واپس خون میں آجاتے ہیں اور خون میں موجود Red Blood Cells میں داخل ہوجاتے ہیں جب پیراسائٹ RBC میں ہوتے ہیں اس وقت ان کو Trophozoites کہتے ہیں جو کہ RBC کی شکل میں گول ہوتے ہیں RBC کی موجودگی کے دوران یہ اپنی شکلیں تبدیل کرتے ہیں پہلے ان میں خلا بنے گا اور نیوکلیس ایک طرف کو چلا جاتا ہے اس کو Ring Stage کہتے ہیں۔

(جاری ہے)

دوست کا پیغام آئے

علیحہ احمد

حجاب ہستیوں کے نام

سب سے پہلے آنچل وحجاب اسٹاف کی عظیم ہستیوں، معصوم ریڈرز اور پیارے قارئین کو گل مینا جینا کا خوشگوار سلام قبول ہو ہمیشہ آنچل میں پیغام لکھتے ہیں سوچا اس بار حجاب کی بھی شان بڑھائی جائے (!!!!!!) گل بہار ناریہ ریحانہ فائزہ نصرت سنا ہے آپ کو ہم سے شکوہ ہے کہ ہم آپ کو یاد نہیں کرتے بھئی آپ لوگ کبھی بھولے ہوں تو یاد کریں ناں (چلو خوش ہو جاؤ یاد کرلیا اب) سائرہ زاؤ آپ کو ہمارا نام بہت بڑا لگتا ہے تو صرف گل مینا اینڈ حسینہ کہہ دیا کریں یا پھر مینا اور بلبل سے یاد فرمالیا کریں نادر طلحہ مونا شاہ قریشی حنا اشرف اور میم صبا ایشل عید پر آپ کے اسپیشل ناولز کا انتظار رہے گا۔ طاہرہ منور اسما گل عائش کشمالے اور عائشہ رحمان کیسی ہو آپ لوگ اریبہ عبدالستار لائبہ سلطان ہمیرا سواتی ملیشہ نور مشی خان کرن شہزادی عابدہ مغل سعیہ کنول پرنسز اناسیہ رمشہ جاوید ثمینہ ماریہ صوفیہ انیلا مانسہرہ کے کیوٹ لوگوں 22 جون کو مریم باجی کے ہاں بیان ہوگا ضرور آئیے گا پروین افضل آنٹی کوثر خالد اقرا ممتاز مدیحہ نورین مدیحہ کنول حنا ارشد عنزہ یونس سب کو بہت سلام اور عید مبارک پیارے بھتیجے حماد اور سوئٹ بھانجے ہاشم جانی کے لیے ڈھیر سارا پیار اور ہاں ثریا بھابی کی معصوم سی بھانجیوں مہرین نورین یاسمین رانی اور شباب بہت شکریہ آپ لوگوں کا ہماری اتنی ڈھیر ساری تعریف کرنے کا ہمارے ساس خوب صورت مقام کا کریڈٹ آنچل وحجاب کے سر ہے اس لیے اگر ہم آپ کے دل میں ہیں تو دعاؤں میں بھی یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

سب کے نام

السلام علیکم! بھائی راشد اور پیاری اقرا آپ کو پیاری سی بیٹی کی بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے صحت و تندرستی دے آمین۔ پیاری فرینڈز ارم کمال آنٹی سوہائے سردار آنٹی پروین افضل شاہین اقرا جٹ اقرا حفیظ شزا بلوچ صائمہ سکندر سومرو شبنم کنول ریحانہ آفتاب ریحانہ اعجاز نزہت جبین ضیاء کو کتاب کی اشاعت کی بہت بہت مبارک باد اللہ مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔ شفقت شاہین صبا ایشل نرمین سرحیفہ اور طلحہ سب کے لیے بہت سی دعائیں اللہ سب کا حامی وناصر ہو آمین۔

زندگی رہی تو پھر ملیں گے
نہ رہی تو قیامت کے دن ملیں گے

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

فرینڈز کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ہر فرض نماز کے بعد چھ دعائیں پڑھا کریں، سورۃ فاتحہ، آیۃ الکرسی، اشھد اللہ سے الحساب تک (پارہ نمبر 3 سورۃ آل عمران آیت 13-19) قل اللھم مالک الملک سے حسب تک (پارہ نمبر 3 سورۃ آل عمران آیت 26-27) لقد جاء کم سے آخر تک (پارہ نمبر 11 سورۃ توبہ آیت 126-129) دعائے ابو درد (کتاب الاسماء والصفات للبیھقی صفحہ 125 بحوالہ حیاۃ الصحابہ (عربی) جلد 3 صفحہ 63)

یقین جانیے اگر آپ ہمیشہ کے لیے معمول بنالیں گے تو آپ ہر قسم کی پریشانی سے نجات پائیں گے جو چاہیں گے پائیں گے فوائد ہی فوائد ہیں اور دوسرا یہ ایک وظیفہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے باوضو پڑھنا چاہیے بے وضو بھی پڑھا جاسکتا ہے یالطیفا بخلقہ یا علیما بخلقہ یا خبیرا بخلقہ الطف بی یا لطیف یا علیم یا خبیر۔

جن کی بیٹیوں بہنوں کو اچھا رشتہ نہیں مل رہا وہ بیٹھی بوڑھی ہوگئی ہیں کسی بھی وجہ سے انکار رشتہ ہوجائے اچھے رشتوں کی اگر کمی ہے کسی کو تو بھی ایک رمضان کرو تو یقیناً اگلے رمضان تک رشتہ کیا ملنا شادی بھی ہوجائے گی رمضان المبارک کی 11 اور 12 ویں درمیانی رات کو عشاء

کی نماز کے بعد 2،2 رکعت کے 12 نوافل اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ اخلاص پڑھیں 12 نفل پڑھ کر 160 مرتبہ درود شریف پڑھیں اور پھر اس کا ثواب نبی پاک ﷺ کو پہنچا کر ان کے وسیلے سے اپنے لیے یا اپنی بہن بیٹی کے اچھے رشتے کی دعا کریں (آزمودہ عمل ہے) واقعی اس عمل کے کرنے سے جیسا رشتہ چاہو گے ویسا ہی اچھا ہم پلہ پاؤ گے (مجھے دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا اگر کسی کو فائدہ ہوتو) جس شخص کو اولاد نہ ہوتی ہو وہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد سانس روک کر سات دفعہ یارحمان پڑھے اس عمل کو کرنے سے اولاد مل جائے گی (پروین آپی آپ کے لیے اسپیشل لکھا) ہر انسان یہ عمل کرسکتا ہے اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ آل قارئین اینڈ رائٹرز سب کو عید مبارک۔ آپی ملیحہ لیٹ خط بھیج رہی ہوں مگر پلیز شامل ضرور کرو دیجیے گا تاکہ کسی کا فائدہ ہو اور ثواب ہم دونوں کو ملے اللہ پاک آپ کو اجر دے گا۔

ڈیئر آنی فاریو

ملے خوشیاں تجھے
ریت کے ذروں سے بھی زیادہ
ملے کامیابیاں تجھے
قدم قدم پر
ملے اپنوں کی محبت تجھے
زندگی کے ہر سفر میں
اور ملے ہم تجھے
ہمیشہ تمہارے دل میں
ہمیشہ تمہارے ساتھ

سب اپنا بہت خیال رکھیے گا ڈیئر ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ پاک میری تمام جائز خواہشات کو پورا فرمائے مجھے میرے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ اللہ حافظ

زندگی میں ہر سانس پر اتی
اے اللہ تیرا ہی نام نکلے

اقرا جٹ......مکھن آباد

تمام فرینڈز کے نام

سلام مسنون، امید ہے پورا اسٹاف اور قارئین خیر و عافیت سے ہوں گے بہت عرصہ باعث مصروفیت حاضری نہ دے سکی مگر اس ماہ مبارک کی برکتوں میں کچھ وقت مل ہی گیا حجاب سے تو کبھی غافل نہ رہے بس دوستوں سے ملاقات نہ رہی اور دوست بھی بھول گئے یہ تو ریت ہے زمانے کی وہی یاد رہتا ہے جو حاضر محفل رہتا ہے خیر فائقہ سکندر، طیبہ خاور، فائزہ بھٹی یار تم لوگوں سے تو یہ امید نہ تھی تمنا بلوچ، ماہ رخ، مدیحہ نورین مہک، سنیاں زرگر، مسکان سب کیسے ہو، تمنا بلوچ ڈیئر یہ درد سہنے پڑتے ہیں اللہ اپنی امانتیں دے کر بھی آزماتا ہے اور واپسی لے کر بھی میں بھی تو کئی رشتوں کو منوں مٹی تلے دفن دیکھ کر زندہ ہوں نہ کوئی سہیلی ہے نہ ماں جس سے دل کا درد بیان کروں سو صبر ہی کرسکتے ہیں۔ فریدہ جی اللہ آپ کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے آمین۔ سباس گل اور پیاری گڑیا روبی علی کدھر بھول گئے سب دعائے سحر، نجم انجم، ارم کمال، پروین افضل ایسا کیسی ہو آپ سب اور ہاں اقرا ناز ڈیئر کامیابی کا پہلا زینہ مشکل ہوتا ہے معصوم بچے کی مانند سفر سمجھ لو بعد میں ہر مشکل حل ہوتی چلی جاتی ہے محنت جاری رکھو، سلمیٰ شاہین، ثمن زہرہ، ثمینہ نقوی، عاشی، اسماء، سائرہ، طیبہ خان اینڈ آل مائی اسٹوڈنٹس خدا تم سب کا حامی و ناصر ہو آمین۔ صائمہ، صاعقہ، شانی (نکیاں) تم سب کو بھولی نہیں ہوں مائی ڈیئر امی جان عید پر آپ بہت یاد آتی ہیں میں کس سے ملوں گی عید پر کون سینے سے لگا کر مجھے دعائیں دے گا آئی ریئلی مس یو امی۔

جیا عباس کاظمی......تلہ گنگ

حدیقہ احمد

ہلدی کے نایاب فائدے

ہلدی قدرتی اجزاء سے بھرپور ہے اس کے بے شمار فوائد ہیں کھانوں میں اس کا کثرت سے استعمال کئی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے جیسے بھولنے کی بیماری یا دماغی امراض ذیابیطس اقسام کی الرجیز جوڑوں کے درد پٹھوں کے امراض کے ساتھ ساتھ کمزوری کے لیے بھی فائدہ مند ہوتی ہے۔ ہلدی کو اسکن یا خوب صورتی کے لیے بھی نہایت فائدہ مند سمجھا جاتا ہے اور صدیوں سے خواتین ہلدی اور ابٹن کے ملاپ سے پیسٹ تیار کرکے چہرے کی تازگی اور شگفتگی کے لیے استعمال کرتی چلی آرہی ہیں نہایت کم قیمت پر دستیاب یہ بیوٹی پروڈکٹ اسکن کے لیے بے شمار فوائد مہیا کرتی ہے۔

پودینہ کے فوائد

عام طور پر لوگ پودینے کو ایک معمولی سبزی تصور کرتے ہیں مگر یہ ایک سستے داموں ملنے والی زود ہضم، معدہ اور آنتوں کو طاقت دینے والی غذا ہے معدہ اسے دو تین گھنٹوں میں ہضم کر لیتا ہے۔ یہ خوشبودار سبزی ہے اس کی خوشبودار لذیذ چٹنی بے حد پسند کی جاتی ہے یہ ہاضم ہوتی ہے پودینے کا رائتہ بھی خوش ذائقہ اور طاقت بخشتا ہے۔ بدہضمی، ڈکاروں کی کثرت، گیس، منہ کی بدبو دور کرنے والی یہ غذا شافی دوا بھی ہے۔ قدرت نے غذائی نالی کو مضبوط بنانے کے لیے اس میں تھوڑی مقدار میں نشاستہ دار گلوکوز بنانے والے اجزاء شامل کردیے ہیں۔ وہ افراد جو بھوک کی کمی کا شکار رہتے ہیں وہ کھانے کے وقت مولی، شلجم، گاجر، سیب، امرود کسی بھی ایک چیز میں اتنا ہی پودینہ ملا کر اس میں لیموں کا رس نچوڑ کر سلاد بنا کر کھائیں تو بھوک خوب کھل اٹھے گی کمزور اور ضعیف افراد کو صحت بھی حاصل ہوجائے گی۔ نیند کم آنے کی شکایت والی خواتین اگر اس میں ہرا دھنیا اور پیاز بھی شامل کرلیں تو نیند کی کمی یا نیند آنے کی شکایت بھی رفع ہوجائے گی۔

لیموں کے فائدے اور انکو محفوظ کرنے کے طریقے

لیموں جو کہ دنیا کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے اپنے گوناں گو فوائد کے لحاظ سے قیمتی پھلوں کا بادشاہ ہے مگر ہماری ناقدری کی وجہ سے اسے معمولی سبزی سمجھا جاتا ہے۔ قدرت نے اس میں سٹرک ایسڈ، کیلشیم، پوٹاشیم، فولاد، فاسفورس اور وٹامنز اے اور بی کا خزانہ رکھا ہے۔ یہ گوشت بنانے والے نشاستہ دار اور روغنی اجزا کا نادر مجموعہ اور وٹامن سی کا خزانہ ہے۔ اس کا چھلکا، رس اور بیج ہر چیز غذائی اور دوائی اجزا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ خون صاف کرنے، ہلکی بھاری غذا ہضم کرنے اور پیٹ کی گیس دور کرنے کے لیے اس کی سکنجبین بنا کر استعمال کرنے کا رواج قدیم زمانے سے عام ہے۔ قے اور متلی دور کرنے کے لیے اس کے شفائی اثرات سے کسی کو انکار نہیں۔ لیموں ایک ٹھنڈا پھل ہے جس کا استعمال غذا کے ہاضمے میں معاون ہے۔ بڑھتی ہوئی عمر کے بچوں میں اس کا استعمال ہڈیاں مضبوط کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ کیلشیم کی ضروری مقدار فراہم کرنے کے ساتھ پیٹ ہلکا کرکے چستی پیدا کرتا ہے۔ نزلہ زکام کی صورت میں ایک پیالی گہرے قہوے میں تھوڑا سا نمک اور ایک لیموں کا رس ملا کر پینے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اگر پھوڑے پھنسیاں نکل رہی ہوں تو علی الصبح تھوڑا سا دودھ ابال کر ٹھنڈا کریں اور اس میں لیموں کا رس ڈال کر دودھ پھٹنے سے پہلے اسے پی لیں۔ جلد ہی افاقہ ہوگا دانتوں پر لیموں کا رس ملنے سے دانتوں کا میل دور ہوجاتا ہے اور دانت موتی کی طرح جگمگانے لگتے ہیں۔ سخت اور کھردرے ہاتھ پیروں پر لیموں کا رس ملنے سے ان میں نرمی پیدا ہوتی ہے جلد پر لیموں کا چھلکا رگڑنے سے رنگت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔

کشمش کے فوائد

خون کی کمی دور کرنے کا سب سے آسان نسخہ

تھوڑی سی کشمش لیں اور اسے ہمارے بتائے طریقے سے استعمال کریں اور پھر گالوں کی لالی چیک کریں۔ کشمش کو تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا جو کہ انگور خشک کرکے بنائی جاتی ہے اور اس کی رنگت گولڈن، سبز یا سیاہ ہوسکتی ہے۔ یہ مزیدار میوہ عام استعمال کیا جاتا ہے مگر کیا آپ کو معلوم ہے کہ اگر اس کا روز استعمال کیا جائے تو آپ کیا فائدہ حاصل کرسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو ضرور جان لیں۔

قبض سے نجات:

فائبر سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ کشمش میں ٹاٹارک

ایسڈ بھی شامل ہوتا ہے جو ہلکے جلاب جیسا اثر دکھاتا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق آدھا اونس کشمش روزانہ کا استعمال کرنے والے افراد کا نظام ہاضمہ دو گنا تیزی سے کام کرتا ہے۔

خون کی کمی دور کرے:

کشمش آئرن سے بھرپور میوہ ہے جو خون کی کمی دور کرنے کے لیے اہم ترین جز ہے' کشمش کو آسانی سے دلیہ' دہی یا کسی بھی میٹھی چیز میں شامل کر کے کھایا جاسکتا ہے بلکہ ویسے کھانا بھی منہ کا ذائقہ بہتر کرتا ہے۔ تاہم ذیابیطس کے شکار افراد کو یہ میوہ زیادہ کھانے سے گریز کرنا چاہیے یا ڈاکٹر کے مشورے سے ہی استعمال کریں۔

بخار سے تحفظ دے:

کشمش میں موجود اینٹی آکسیڈنٹس وائرل اور بیکٹیریا سے ہونے والے انفیکشن کے نتیجے میں بخار کے عارضے کا علاج بھی فراہم کرتے ہیں۔

معدے کی تیزابیت ختم کرے:

کشمش میں پوٹاشیم اور میگنیشیم ہوتا ہے جو کہ معدے کی تیزابیت میں کمی لاتے ہیں' معدے میں تیزابیت کی شدت بڑھنے سے جلدی امراض' جوڑوں کے امراض' بالوں کے گرنے' امراض قلب اور کینسر تک کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

آنکھوں کی صحت بہتر کرے:

کشمش میں موجود اجزا آنکھوں کو مضر فری ریڈیکلز سے ہونے والے نقصان سے تحفظ دیتے ہیں جبکہ عمر بڑھنے کے ساتھ پٹھوں کی کمزوری' موتیا اور بینائی کی کمزوری سے تحفظ ملتا ہے۔ اس میوے میں موجود بیٹا کیروٹین' وٹامن اے اور کیروٹین بھی بینائی کو بہتر بنانے میں مدد دیتے ہیں۔

جسمانی توانائی بڑھائے:

کاربوہائیڈریٹس اور قدرتی چینی کی بدولت یہ میوہ جسمانی توانائی کے لیے بھی اچھا ذریعہ ہے' کشمش کا استعمال وٹامنز' پروٹین اور دیگر غذائی اجزاء کو جسم میں موثر طریقے سے جذب ہونے میں بھی مدد دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باڈی بلڈرز اور ایتھلیٹس کشمش کا استعمال عام کرتے ہیں۔

بے خوابی سے نجات دلائے:

میوے میں موجود آئرن بے خوابی یا نیند نہ آنے کے عارضے سے نجات دلانے میں مدد دیتا ہے جبکہ نیند کا معیار بھی بہتر ہوتا ہے۔

بلڈ پریشر:

آئرن' پوٹاشیم' وٹامنز بی اور اینٹی آکسیڈنٹس بلڈ پریشر کو معمول پر رکھنے میں مدد دیتے ہیں' خاص طور پر پوٹاشیم خون کی شریانوں کے تناؤ کو کم کرتا ہے اور بلڈ پریشر کو قدرتی طور پر کم کرتا ہے۔ اسی طرح قدرتی فائبر شریانوں کی اکڑن کو کم کرتا ہے جس سے بھی بلڈ پریشر کی سطح میں کمی آتی ہے۔

ہڈیوں کو مضبوط بنائے:

میوے میں موجود کیلشیم ہڈیوں کی صحت کے لیے فائدہ مند ہے جو ہڈیوں کی مضبوطی برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ گردوں کی پتھری کا خطرہ کم کر کے پوٹاشیم سے بھرپور ہونے کی وجہ سے ان کا استعمال معمول بنانا گردوں میں پتھری کا خطرہ کم کرتا ہے۔

جلد کے لیے روغن بادام کے فوائد:

طبی ماہرین کے مطابق بادام کا تیل صحت کے لیے بہترین ہے چہرے پر بادام کے تیل کی مالش سے چہرہ تر و تازہ اور شاداب رہتا ہے۔ یہ طریقہ ماضی میں بہت مقبول تھا شاہی گھرانے کی خواتین اسے معمول میں شامل رکھتی تھیں اب اسے میجک آف ایسٹ یعنی مشرق کے جادو کے نام سے مغربی ممالک میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ سب سے پہلے آپ اپنے چہرے کو دودھ میں کاٹن بھگو بھگو کر صاف کر لیجیے صفائی کے دوران اس بات کا خیال رہے کہ رگڑ نہ زیادہ ہلکی ہو اور نہ بہت زیادہ تیز بس درمیانی دباؤ رکھیں۔ اب نیم گرم روغن بادام میں جو کہ تقریباً ۲ چائے کے چمچ کے برابر ہو عرق گلاب کے چند قطرے شامل کر کے چہرے پہ مساج کے انداز میں ہلکی ہلکی مالش کریں اور یہ عمل پانچ منٹ تک جاری رکھیں اس طرح چہرے کی ورزش بھی ہو جائے گی اور چہرے پر نظر آنے والی جھریاں بھی آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی خاص طور پر آنکھوں کے نیچے پڑ جانے والی جھریاں اور حلقے اس عمل سے ختم ہو جاتے ہیں۔